کربلا کا تاریخی پس منظر

(جلد اول)

شیخ موسیٰ خسروی

ادارہ تبلیغات علوم آلِ محمدؐ

کربلا کا تاریخی پس منظر

(جلد اول)

شیخ موسیٰ خسروی

ادارہ تبلیغات علوم آل محمدؐ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب : -- کربلا کا تاریخی پس منظر
تالیف : -- شیخ موسیٰ خسروی
ترجمہ : -- مولانا محمد حسن جعفری
تصحیح : -- فیضیاب علی رضوی
طبع اول : -- سنہ ۲۰۰۴ء

فہرست مضامین

صفحہ	عنوانات

باب اول

دین تمام مادی ضروریات پر مقدم ہے ---------------------- ۱۶

محلم کی حرکت اور اس کا انجام -------------------------- ۲۷

جان عزیز قربان کرنے کے چند تاریخی نمونے ---------------- ۳۱

مومن آل فرعون -------------------------------- ۳۲

آسیہ زن فرعون کی کہانی ---------------------------- ۳۵

اہل ایمان پر ذونواس کے مظالم ------------------------ ۳۷

باپ پیارا ہے یا دین ------------------------------ ۴۳

اپنے فرزند کی شہادت کو فراموش کرنے والی خاتون ---------- ۴۸

جنگ احد کے زخمیوں نے علاج کیوں نہ کروایا -------------- ۴۹

تاریخ اسلام کا پہلا شہید کون تھا ----------------------- ۵۲

طوق سمیت منطقۂ کفر سے فرار کرنے والا ------------------ ۵۳

عنوانات

صفحہ

ایک خاتون کی دینداری ---------------------------- ۶۰

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن ---------------------- ۶۴

چند مسلمانوں کے قتل پر رسول اکرمؐ کے تاثرات -------------- ۶۷

میری زندگی کا مقصد تیرے دین کی سرفرازی -------------- ۷۰

دلوں پر حکومت دین کا ایک اور نمونہ ------------------- ۷۳

باب دوم

اعراب جاہلیت اور اسلام کی ترتیب -------------------- ۷۵

قبیلۂ عبس کے سردار کا انجام -------------------------- ۸۳

عربوں کی بت پرستی اور اوہام پرستی --------------------- ۸۴

دختر کشی کی رسم بد ------------------------------- ۸۵

عرب اور بت پرستی ---------------------------------- ۸۸

ہبل کے سامنے قرعہ ڈالنا ---------------------------- ۹۰

بت اور پجاری --------------------------------------- ۹۱

عرب بت پرستی کے لئے کتنے حساس تھے ----------------- ۹۴

عرب اور شراب -------------------------------------- ۹۵

اسلام اور شراب ------------------------------------- ۹۷

عرب اور جنگ و غارت ------------------------------- ۱۰۳

جنگ داحس و غبرا ---------------------------------- ۱۰۴

عنوانات

صفحہ

عربوں کی نفسیات ---------- ۱۰۹

اوس وخزرج کی جنگ ---------- ۱۱۴

انصار کا مشرف بہ اسلام ہونا ---------- ۱۱۸

جاہلانہ رسوم کو اسلام نے کس طرح ختم کیا ---------- ۱۲۱

غرور کے پتلے کا انجام ---------- ۱۲۴

اسلام نے رنگ ونسب کے بتوں کو کیسے توڑا ---------- ۱۲۶

قصاص در اسلام ---------- ۱۳۰

انصار مدینہ ---------- ۱۳۳

متبنٰی گیری کی جاہلانہ رسم کا خاتمہ ---------- ۱۳۶

اسلام میں حدود کی اہمیت ---------- ۱۴۲

اسلام نے لٹیروں کی کیسے تربیت کی ---------- ۱۴۳

حلاوت ایمان ---------- ۱۴۵

اعشٰی کی بدنصیبی ---------- ۱۴۶

باب سوم

رسول اکرمؐ نے تبلیغ دین کے لئے کتنی زحمات اٹھائیں ---------- ۱۴۹

اذیت پیغمبر اکرمؐ ---------- ۱۵۶

مشرکین کتنے سنگدل تھے ---------- ۱۵۹

پیغمبر اکرمؐ کو حضرت خدیجہ سے کتنی محبت تھی ---------- ۱۶۲

عنوانات	صفحہ

قریش کی اذیتیں -- ۱۶۶

سفر طائف -- ۱۶۹

قریش کے مطالبات ------------------------------------ ۱۷۷

الغدیر ـــ یا مذاہب باطلہ کو مٹانے والا سیل بلاخیز --------------- ۱۸۲

ملک الشعراء صبا کی زبانی ہماری بحث کا خلاصہ ----------------- ۱۸۳

باب چہارم

وفات رسول اکرمؐ اور دین میں تبدیلی -------------------------- ۱۸۶

نبی و وصی کی طویل سرگوشی --------------------------------- ۱۹۵

سقیفہ بنی ساعدہ -- ۲۰۰

ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا ---------------------------- ۲۳۰

اپنے قانون کی خود ہی نفی کرنا --------------------------------- ۲۳۲

حضرت ابوبکر سے یہودی کے سوالات ----------------------------- ۲۳۴

نصرانی مسافرین اور ان کے سوالات ----------------------------- ۲۳۶

غصب فدک یا سقیفہ کا ایک نتیجہ ------------------------------- ۲۴۰

کیا صدیقہ کبریٰ شیخین سے ناراض تھیں -------------------------- ۲۴۷

سقیفہ سے جنم لینے والا سپہ سالار ------------------------------ ۲۵۰

قتل مالک پر علامہ امینی کا تبصرہ ------------------------------- ۲۵۴

پیر خود نہیں اڑتے مرید اڑایا کرتے ہیں --------------------------- ۲۶۱

عنوانات	صفحہ

اس داستان کو بھی ضرور پڑھیں ---------------------- ۲۶۳
دفن ابوبکر کی کرامت ---------------------- ۲۶۵
خلافت عمر بن خطاب ---------------------- ۲۶۹
خلیفہ اول و دوم تیمّم سے ناواقف تھے ---------------------- ۲۷۰
خلیفہ کا مبلغ علم ---------------------- ۲۷۴
نہلے پہ دہلا ---------------------- ۲۷۶
حضرت عمر کا ایک اعتراف ---------------------- ۲۷۸
خلیفہ کو کفارے کا علم نہیں تھا ---------------------- ۲۷۹
حذیفہ پر ناراضگی ---------------------- ۲۸۱
خلیفہ اور علمائے یہود کے سوالات ---------------------- ۲۸۳
ڈرا دھمکا کر اقرار جرم کرانے کی کوئی اہمیت نہیں ---------------------- ۲۸۷
حالت اضطرار میں زنا ---------------------- ۲۸۸
مغیرہ بن شعبہ کو حد شرعی سے بچانا ---------------------- ۲۹۰
خوشامدیوں کا طرز عمل ---------------------- ۲۹۹
ایک یہودی کے چند سوال ---------------------- ۳۰۵
خلیفہ دوم نے ایران اور اسکندریہ کی لائبریریوں
کو نذر آتش کرا دیا ---------------------- ۳۰۸

عنوانات صفحہ

اپنے فرزند پر دو مرتبہ حد جاری کرنا ---------- ۳۱۵

کیا ایک مجرم کو دو سزائیں دینا جائز ہے ---------- ۳۱۸

خلیفہ پیغمبر اکرمؐ کو امر و نہی کرتے تھے ---------- ۳۲۰

مذکورہ احادیث پر علامہ امینی کا تبصرہ ---------- ۳۲۲

خلیفہ اور ایک عجیب الخلقت انسان ---------- ۳۲۳

شب قدر کے متعلق رائے طلب کرنا ---------- ۳۲۶

اَبّاً کے مفہوم سے ناواقفیت ---------- ۳۲۸

حقیقی امیر المومنین کون ---------- ۳۲۹

باب پنجم

خلافت عثمان بن عفان ---------- ۳۳۴

بے دین رشتہ داروں کو کلیدی مناسب پر فائز کرنا ---------- ۳۴۵

خلیفہ کے بیٹے پر حکم قصاص جاری نہ کرنا ---------- ۳۵۰

خلیفہ کی کمزوری ---------- ۳۵۵

اگر علیؑ نہ ہوتے تو عثمان ہلاک ہو جاتا ---------- ۳۵۷

راندۂ درگاہ رسولؐ کو واپس مدینہ بلانا ---------- ۳۵۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

آج جبکہ میں نے ''سقیفہ سے نینوا تک'' کے واقعات لکھنے کے لئے قلم اٹھایا ہے، بدھ کی صبح اور شعبان کی تین تاریخ ہے، جو حضرت اباعبداللہ امام حسین علیہ السلام کا یوم میلاد ہے۔ ریحانۂ رسولؐ کے میلاد مسعود پر شیعہ دنیا آج خوشیاں منارہی ہے۔

کل رات مشہد مقدس کی تمام سڑکیں اور بازار سجے ہوئے تھے۔ رنگارنگ قمقمے روشنی پھیلا رہے تھے۔ قیمتی کپڑے، قالین، قابل دید اشیاء، خوبصورت سائن بورڈز، سڑکوں اور بازاروں کے درو دیوار پر جلوہ دکھا رہے تھے۔ وہ لوگ بھی جو مالی اعتبار سے اتنے مضبوط نہیں ہیں انہوں نے بھی اپنی بساط بھراس مذہبی عید میں حصہ لیا تھا اور اس طرح اس پاکیزہ درگاہ سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا تھا۔

میں ایک مقام سے گزرا کہ جہاں دکانوں میں چراغاں بہت زیادہ دلکش تھا۔ لیکن اس تمام آرائش اور آراستگی میں میری نظر ایک دکان میں گئی کہ اس کے مالک کے لئے میں نے دل سے شاباش کہی۔ میں اسی پر اکتفانہیں کر رہا بلکہ آج صبح اس پیش گفتار کے توسط سے عین عقیدت مندی کے تحت اس مرد کا تذکرہ

امام حسین علیہ السلام کی شب میلاد سے ملنے والے ایک تحفے کے عنوان سے اس کتاب میں ہمیشہ کے لئے ایک یادگار کے طور پر کر رہا ہوں۔

اس بازار میں ٹین کا سامان بنانے والی ایک دکان میری زیادہ توجہ کا باعث تھی۔ اس نے زیادہ چراغاں نہیں کیا تھا بلکہ ادھر ادھر کی دکانیں ہی اس دکان کو روشن کر رہی تھیں لیکن اس دکان کے آگے ایک تازہ بنایا ہوا آتش دان گویا میز کے طور پر رکھا ہوا تھا اور اس پر شیرینی سے بھرا ہوا ایک طباق رکھا ہوا تھا جو دوستوں اور جان پہچان والے راہگیروں کو متوجہ کر رہا تھا۔

میں نے سوچا کہ یہ مرد شب عید نوروز قطعاً کوئی کام نہیں کرتا اور شب ولادت اپنے عزیز ترین فرزند کو بھی دکان کے دروازے پر نہیں دیکھنا چاہتا، آج رات اسے جو تعلق اور عقیدت مندی امام حسینؑ سے ہے اور اس کا دل خوشی سے بھرا ہوا ہے اسی وجہ سے وہ دوستوں کا منہ میٹھا کر رہا ہے۔ میں نے دل میں کہا: "مرحبا! اے حسینؑ کے دوست مرحبا، امید رکھتا ہوں کہ تجھے اس کا بہترین اجر تیرے مولا سے ملے گا۔"

اسی روز مسعود کی برکت حاصل کرنے کے لئے میں نے اپنی کتاب **سقیفہ سے نینوا تک** (جس کا اردو ترجمہ ہے **کربلا کا تاریخی پس منظر**) لکھنا شروع کی اور بارگاہ امام عالی مقامؑ سے توقع رکھتا ہوں کہ اس کتاب کے مطالب کے بیان کرنے میں آپ میری مدد فرمائیں گے اور اس ناچیز کی یہ عاجزانہ کوشش آپ کی بارگاہ میں میرے درجات کی بلندی کا باعث ہوگی۔

محترم قارئین سے عرض ہے کہ اس کتاب کے دو ابواب میں "سقیفہ سے نینوا تک" کی تاریخ اور ایک باب میں عربوں کے زمانۂ جاہلیت اور رسول خداؐ کی تبلیغات اسلام کے لئے جہد مسلسل کا بیان ہے۔

کتاب کا اصل موضوع واقعۂ عاشورا سے ہی متعلق ہے۔ حضرت سیدالشہداء امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا مقصد کلمۂ توحید کا احیاء اور دین کے احکام وسنن کا استحکام تھا اور آپؑ کی شہادت عظمیٰ کا مقصد تب ہی واضح ہوسکتا ہے جب بطور مقدمہ پہلے چند تمہیدی مباحث بیان کیۓ جائیں اور ان میں دین کی اہمیت وافادیت اجاگر کی جائے۔

اس لئے ہم کتاب کے آغاز میں اس امر کی وضاحت کریں گے کہ دین کو تمام مادی جہات پر اولیت حاصل ہے اور دنیا کی ہر مادی نعمت کے مقابلے میں دین کے تحفظ اور مذہبی عقائد کی حفاظت کو اہمیت حاصل ہے اور ہم یہ کہنے میں بالکل حق بجانب ہیں کہ اس جہان رنگ و بو کی ہر چیز کو چھوڑا جاسکتا ہے لیکن ایمان کو چھوڑا نہیں جاسکتا۔ یہی ہماری کتاب کے ''باب اول'' کا موضوع ہے۔ پھر ہم نے اسی موضوع کی دلیل کے لئے یہ ضروری سمجھا کہ دینداری اور بے دینی کا موازنہ کیا جائے اور اس باب کے مطالعے سے ہمارے قارئین یقیناً اسی نتیجے پر پہنچیں گے کہ انسانی زندگی کے لئے دین وایمان کا ہونا بے حد ضروری ہے اور بے عقیدہ شخص جمادات سے بھی پست ہے۔ دینداری اور بے دینی کے موازنے کے لئے عصر جاہلیت اور ابتدائے اسلام کا مطالعہ از بس لازمی ہے۔ چنانچہ ''باب دوم'' کا موضوع ''اعراب جاہلیت اور تربیت پیغمبر'' ہے۔

''باب سوم'' میں ہم نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان مشکلات اور زحمات کا مختصر جائزہ پیش کیا ہے جو آپ کو تیئیس سال تک عوام الناس کی تعلیم وتربیت کے سلسلے میں اٹھانی پڑی تھیں۔ اس سے قارئین کو اندازہ ہوسکے گا کہ ہمارے نبی کریمؐ نے لوگوں کو دین وایمان سے مشرف کرنے کے لئے خود کتنے مصائب وآلام جھیلے اور اس سلسلے میں آپ کو کیا کچھ دیکھنا اور سننا پڑا۔

درحقیقت یہ ابتدائی تین ابواب کتاب ہذا کے چوتھے باب کا مقدمہ ہیں۔

''باب چہارم'' میں ہم نے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد لوگوں نے دین میں کیا کیا تبدیلیاں کیں۔

''باب پنجم'' میں ہم نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ معاویہ نے اپنے زمانۂ حکومت میں دین کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ دور معاویہ کو درحقیقت اجتماع سقیفہ کا منطقی نتیجہ یا شجر سقیفہ کا ثمر کہا جاسکتا ہے۔

ہمارے محترم قارئین جب مذکورہ بالا دو ابواب کا مطالعہ کریں گے تو انہیں اس نتیجے پر پہنچنے میں دیر نہیں لگے گی کہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیئیس سال کی انتھک جدوجہد سے انسانی سعادت کے لئے جو عظیم الشان محل تعمیر کیا تھا، آپ کی وفات کے صرف پچاس سال بعد وہ محل گرنے کو ہی تھا اور حکومتوں نے اپنی مسلسل کوششوں سے اسے منہدم کرنے کی منصوبہ بندی کی تھی۔

اسلام کا مبارک شجر سقیفہ کی بادسموم سے مرجھانے کو ہی تھا کہ رسول خداؐ کی گود میں پلنے والے حسینؑ اٹھے اور انہوں نے اپنا اور اپنے عزیزوں کا مقدس خون دے کر شجر اسلام کو نہ صرف سوکھنے سے محفوظ رکھا بلکہ اسے ابدی زندگی عطا کردی۔

امام حسین علیہ السلام کی لازوال قربانی آئندہ کی قربانیوں کے لئے مشعل راہ ثابت ہوئی اور امام علیہ السلام نے مسلمانوں کو درس دیا کہ وہ جب بھی کلمۂ توحید کو خطرے میں دیکھیں تو اپنی جانوں کا نذرانہ دے کر اس کی حفاظت کا مقدس فریضہ سرانجام دیں۔ لاریب کے ؏

حقا کہ بنائے لا الٰہ ہست حسینؑ

میری کتاب ''پند تاریخ'' کو اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے جتنی پذیرائی نصیب

ہوئی وہ میرے تصور سے بھی زیادہ تھی لیکن اس کتاب میں میرا انداز بیان ذرا کچھ مختلف ہوگا کیونکہ اکثر موضوعات کا اثبات استدلال و حجت سے مربوط ہے اسی لئے اسے صرف تاریخی واقعات تک محدود نہیں رکھا جاسکتا۔ اگرچہ مطالب کی وضاحت کے لئے ہم نے اس کتاب میں بھی بہت سی داستانوں کے ذریعے کوشش کی ہے کہ قارئین ایک علمی موضوع کے مطالعے کو اپنے لئے بوجھ نہ سمجھیں اور خوبصورت داستانوں کے اسلوب کے سبب ان کی دلچسپی برقرار رہے۔ مگر اول و آخر اس کتاب کو صرف موضوعاتی واقعات تک محدود نہیں سمجھنا چاہئے۔

ہم اپنی اس کوشش میں کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں اس کے لئے ہم قارئین کی آراء کا شدت سے انتظار کریں گے۔ جو ارباب فضل ہم سے رابطہ کرنے کے خواہشمند ہوں وہ حسب ذیل پتے پر خط و کتابت کریں۔

منزل شیخ موسیٰ خسروی،

چہار راہ دریا دل،

مشہد مقدس، ایران۔

قاضی ابوبکر باقلانی کے ہاں کربلا کی پیدائش کا سرچشمہ

قاضی ابوبکر باقلانی کا تعلق متکلمین اہلسنت سے ہے اور وہ قرن پنجم کے مشہور اہلسنت دانشور تھے۔

خطیب بغدادی نے اپنی کتاب تاریخ بغداد کی جلد پنجم، صفحہ ۳۷۹ پر ان کی تعریف و توصیف کی ہے اور لکھا ہے کہ وہ موثق ترین عالم دین تھے۔ باقلانی بغداد کے رہنے والے تھے اور ۴۰۳ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ انہوں نے علم الکلام اور علوم اعتقادی کے متعلق بہت سی کتابیں لکھیں جن میں سے ان کی کتاب ''التمہید''

کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔

باقلانی نے واقعہ کربلا کے سرچشمے کو بالکل صحیح سمجھا اور انہوں نے اپنی ایک نظم میں امام حسین علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ خاتون جنت حضرت بی بی فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی مظلومیت کا تذکرہ کیا ہے اور کہا ہے کہ سقیفہ میں ہی قتل حسینؑ کی پہلی اینٹ رکھ دی گئی تھی۔

قاضی باقلانی اپنے دور کے مشہور عالم دین اور علم الکلام کے ماہر تھے اسی لئے ان کی بات میں ایک وزن ہے۔ قاضی باقلانی کی نظم کو مشہور ادیب و دانشمند بہاء الدین اربلی نے نقل کیا ہے اور مشہور مورخ و محدث شیخ عباس قمی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اپنی کتاب ''بیت الاحزان'' کے آخر میں نقل کیا ہے کہ علی بن عیسیٰ اربلی کا بیان ہے کہ ہمارے ایک دوست نے قاضی ابوبکر باقلانی کے یہ ابیات ہمارے سامنے پڑھے:

یا من یسائل دائباً عن کل معضلة سخیفة
لا تکشفن مغطّاً فلربما کشفت جیفة
ولرب مستور بدا کالطبل من تحت القطیفة
ان الجواب لحاضر ولکننی اخفیه خیفة
لولا اعتداء رعیة القی سیاستها الخلیفة
وسیوف اعداء بها هاماتنا ابدا نقیفة
لنشرت من اسرار آ ل محمد جملاً طریفة
تغنیکم عما روُا ہ مالک و ابوحنیفة
واریتکم ان الحسین اصیب فی السقیفة
ولای حال لحدت باللیل فاطمة الشریفة
ولما حمت شیخیکم عن وطئ حجرتها المنیفة
اوہ بنت محمد (ص) ماتت بغصتها اسیفة

اے وہ شخص جو ہمیشہ باریک مسائل کے متعلق پوچھتا رہتا ہے سر پوشیدہ اشیاء کو مت کھول۔ بعض اوقات ان کے نیچے سے مردار برآمد ہوتا ہے۔ بہت سے امور ایسے ہیں کہ اگر انہیں آشکار کردیا جائے تو وہ اس خالی طبل کی طرح ہوتے ہیں جو مخملی چادر سے برآمد ہوتے ہیں۔ جواب یقیناً حاضر ہے لیکن میں خوف کے مارے اسے پنہاں رکھنا چاہتا ہوں۔

اگر لوگوں کی دشمنی اور خلیفہ کی سیاست نہ ہوتی! اگر ہماری گردنوں پر دشمنوں کی تلواریں نہ ہوتیں جو ہمیشہ سے ہماری کھوپڑیوں کو چیرتی رہی ہیں! تو میں آل محمدؐ کے مخفی اسرار میں سے کئی حیران کن امور کا انکشاف کرتا اور تمہیں ایسے حقائق سے روشناس کرتا جن کی وجہ سے تمہیں مالک اور ابوحنیفہ کی روایات کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی۔

اور میں سابقہ حوادث کے تجزیے میں تمہیں دکھاتا کہ حسینؑ سقیفہ میں ہی قتل ہو گئے تھے یعنی جو انحراف قتل حسینؑ پر منتج ہوا اس کا آغاز سقیفہ سے ہی ہوا تھا۔

اور اگر مذکورہ خطرات نہ ہوتے تو میں تمہیں بتاتا کہ فاطمہ زہراؑ کے جسد خاکی کو رات کی تاریکی میں کیوں دفن کیا گیا اور انہوں نے شیخین کو اپنے حجرے میں قدم رکھنے سے کیوں منع فرمایا تھا۔

ہائے افسوس بنت پیغمبرؐ پر جو رنج و افسوس لے کر دنیا سے رخصت ہو گئیں۔

شیخ موسیٰ خسروی

باب اول

دین تمام مادی ضروریات پر مقدم ہے

ایک کامیاب اور سعادت مندانہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لئے بہت سے لوازم کی ضرورت ہے اور آج کل ضروریات کا دامن اتنا پھیل چکا ہے کہ انہیں عام انسان آسانی سے شمار تک نہیں کرسکتا۔

بالفرض اگر ہم اپنی روزمرہ زندگی کی ضروریات کو گننے لگ جائیں تو سب سے پہلے ہم زندگی کی اہم ترین ضروریات کا تذکرہ کریں گے۔ ہر انسان کو ابتدائی مرحلے پر خوراک اور لباس کی شدید ضرورت ہے تاکہ وہ موت کے خطرے سے محفوظ رہ سکے اور فرض کریں کہ ایک ایسا شخص موجود ہو جس کے پاس خوراک، پوشاک اور رہائش اور سواری کے لئے تمام وسائل موجود ہوں تو کیا وہ شخص خوش بخت اور سعادت مند کہلانے کا حقدار ہے؟

نہیں ایسا نہیں ہے۔

ہر شخص اپنی سعادت و خوش بختی کے لئے علیحدہ علیحدہ معیار مقرر کرتا ہے۔ بالفاظ دیگر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جس کی فکر جتنی وسیع ہوگی اس کی ضروریات بھی اتنی ہی زیادہ ہوں گی۔

اگر دس سال کے ایک بچے سے پوچھا جائے کہ تم کیا حاصل کر کے اپنے آپ کو خوش نصیب تصور کرو گے؟ اس کے جواب میں بچہ اپنی چند سادہ سی ضروریات بیان کرے گا۔ مثلاً وہ کہے گا کہ اسے خوبصورت لباس کی ضرورت ہے اور کھیل کے لئے چند کھلونوں اور دس بیس روپے کی ضرورت ہے اور دس سال کی عمر میں دس بیس روپے کو کافی سمجھنے والا بچہ جب بیس پچیس برس کی عمر کو پہنچتا ہے تو اس کی ضروریات بڑھ جاتی ہیں اور پھر وہ دس بیس روپے کو اپنی سعادت کے لئے کافی سمجھنے والا بچہ دس بیس لاکھ کا تقاضا کرنے لگ جاتا ہے۔

آیئے دیکھیں کہ جو فرد یا معاشرہ اپنی بنیادی مادی ضروریات کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکا ہو تو کیا ایسے فرد یا معاشرے کو ہر جہت سے خوش بخت اور سعادت مند کہا جاسکتا ہے؟

اس سوال کا جواب نفی میں ہے۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام مادی ضروریات کی تکمیل سے انسان کے جسمانی حصے کو ضروریات کی تکمیل تو ہو جاتی ہے لیکن مادی اشیاء کی فراوانی سے انسانیت کے اعلیٰ و ارفع اقدار کی تکمیل نہیں ہوتی۔

اگر انسان صرف مادہ سے عبارت ہوتا تو مادی اشیاء سے اس کی سعادت کی تکمیل ہو جاتی لیکن انسان دو چیزوں یعنی مادہ و روح سے عبارت ہے اسی لئے جہاں اسے مادی حصہ کی تسکین کے لئے مادی اشیاء کی ضرورت ہے وہاں اسے روح کی تسکین کے لئے غیر مادی اشیاء کی بھی ضرورت ہے۔ اسی لئے انسانیت کو غیر مادی اشیاء کی بھی احتیاج ہے۔

انسان کائنات کا ماحصل ہے اور سورج، چاند، ستارے، سیارے سب اسی کی خاطر بنے ہیں اور زمین کی جمادات و نباتات اور حیوانات بھی اس کی خدمت

کے لئے خلق ہوئے ہیں۔ شیخ سعدیؔ نے کیا ہی خوب کہا تھا:

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک درکارند
تاتونانی بکف آری و بغفلت نخوری

بادل، ہوا، چاند، سورج اور فلک سب کام میں مصروف ہیں تا کہ تیرے ہاتھ روٹی آئے اور اسے غفلت سے نہ کھائے۔

الغرض جس نکتے پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے وہ یہی ہے کہ انسان غفلت سے نہ کھائے۔

کھانا ہی انسانی زندگی کا ماحصل نہیں ہے کیونکہ کھانے میں تو حیوان بھی انسان کے ساتھ شریک ہے۔ انسان کی طرح سے حیوان کے بھی جسمانی تقاضے ہیں۔ اگر یہی جسمانی تقاضے ہی معیار انسانیت قرار دے دیئے جائیں تو پھر انسان اور حیوان میں کوئی فرق باقی نہیں رہے گا۔ انسان کو باقی حیوانات سے برتر ہونے کے لئے ایک امتیاز کی ضرورت ہے۔ جو چیز انسان کو دوسرے جانداروں سے ممتاز بناتی ہے وہ انسانیت کا گراں بہا گوہر ہے۔ اسی لئے ہماری خوش بختی کا راز اسی میں ہے کہ ہم اپنی روح کے تقاضوں کی تسکین کا سامان فراہم کریں۔

انسان کو اپنی زندگی میں دو طرح کی ضروریات کا خیال رکھنا چاہیئے:

(۱) جسمانی ضروریات (۲) روحانی ضروریات۔

جب تک انسان دونوں طرح کی ضروریات کو پورا نہ کرے اس وقت تک اس کی خوش بختی اور سعادت کی تکمیل نہیں ہوسکتی۔

یہ حقیقت ہے کہ انسان کو جسمانی اور روحانی ضروریات کا خیال رکھنا چاہیئے لیکن آیئے ذرا دیکھیں کہ مذکورہ ضروریات میں سے زیادہ اہمیت کس کو حاصل ہے؟

اس مفہوم کو سمجھنے کے لئے ہم ایسے دو افراد کو دیکھیں جن میں سے ہر ایک نے علیحدہ علیحدہ ضرورت کی تکمیل کی ہوئی ہو۔ مثلاً ایک شخص مادی اعتبار سے بڑا دولت مند ہے اور اس کے پاس بہترین مکان اور جدید ماڈل کی گاڑی ہے اور اس کے پاس نوکروں کی فوج ظفر موج موجود ہے اور وہ ہر لحاظ سے شاہانہ زندگی بسر کرتا ہے لیکن روحانی حوالے سے وہ شخص انتہائی مفلس ہے اور انسانی اقدار سے کوسوں دور ہے نیز وہ شخص اعلیٰ درجہ کا متکبر، بخیل، بدزبان، ظالم، شہوت پرست، جھوٹا، خیانت کار، دوغلا، مکار اور بزدل ہے۔

اس کے مقابلے میں ہم ایک ایسے شخص کو فرض کرتے ہیں جو مادی اعتبار سے تو غربت کی زندگی بسر کرتا ہے اور اس کی آمدنی انتہائی محدود ہے اور اقتصادی طور پر وہ ہمیشہ تنگدستی میں مبتلا رہتا ہے لیکن وہ دانش مند، بردبار، خوش اخلاق، با کردار، سچا، امین، متواضع، سخی، بلند ہمت ہے اور روحانی کمالات سے اتنا متصف ہے کہ جو شخص بھی اسے گفتگو کرتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ وہ ایک نیک سیرت اور مہربان فرشتہ سے ہم کلام ہے۔

اب مذکورہ صفات کے دونوں افراد کا موازنہ کر کے انصاف سے بتائیں کہ مذکورہ دونوں افراد میں سے انسانیت کی تکمیل کرنے والا کون ہے اور ان دو میں سے سعادت مند کون ہے؟

ہمیں اس سوال کا جواب معلوم ہے۔ ہر زندہ ضمیر شخص یہ فیصلہ کرے گا کہ ان میں سے جو شخص روحانی کمالات کے زیور سے آراستہ ہے وہ سعادت مند اور خوش بخت ہے اور دوسرا شخص کروڑوں کی دولت رکھتے ہوئے بھی ایک وحشی درندہ ہے جو کہ انسانی شکل میں دکھائی دیتا ہے اور یہ شخص صرف وحشی درندہ ہی نہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہے۔

جی ہاں یہی صحیح جواب ہے۔ اس جواب سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ معنوی ضروریات کی تکمیل میں حقیقی سعادت کا راز مضمر ہے۔ حقیقی سعادت دین اور عقیدہ کے سائے میں ہی میسر آتی ہے۔ اس جہان ہستی میں جتنے بھی انسانی مربی گزرے ہیں ان میں انبیائے کرامؑ کامل ترین انسانیت کے مربی دکھائی دیتے ہیں اور انبیاء کا مدرسہ ہی تربیت کا بہترین مدرسہ ہے۔ انسانیت کی تربیت کے لئے انبیاء اپنے ساتھ آسمانی کتابیں لے کر آئے تھے اور ان کتابوں نے انسانوں کو بہترین معاشرتی دستور عطا کیا۔

یہاں تک ہم نے اس امر پر بحث کی کہ اس جہان مادی میں دین و اعتقاد کی اشد ضرورت ہے۔ ہم دو اشخاص کے مطالعے سے اس نتیجے پر پہنچے کہ دیندار انسان بے دین انسان سے بہتر و برتر ہے اور یہ کہ اعلیٰ انسانی اقدار سے تہی دست شخص معاشرت کی قابلیت سے بھی تہی دست ہوتا ہے۔

اب ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ دینداری کا فائدہ صرف اس جہان تک ہی محدود نہیں ہے اس کا اصل فائدہ تو موت کے بعد سے شروع ہوتا ہے۔ بے دینی کا نتیجہ اس جہان میں تو کچھ بھی نہیں ہے۔ بے دینی کا اصل عذاب بھی مرنے کے بعد شروع ہوگا۔ جب ایک دیندار انسان اس جہاں سے رخصت ہوتا ہے تو وہ جنت میں جاتا ہے اور جب ایک بے دین شخص اس دنیا سے روانہ ہوتا ہے تو موت کے ساتھ ہی اس کی بدبختی شروع ہو جاتی ہے اور اس کا ٹھکانہ دوزخ میں ہوتا ہے۔

مذکورہ تمام گفتگو کا نتیجہ یہ ہے کہ:

ایک دیندار شخص جس طرح دنیا میں رہ کر خود دنیاوی نعمات سے فائدہ حاصل کرتا ہے اسی طرح اسکے وجود سے دوسرے بھی فائدے حاصل کرتے ہیں۔

دین وعقیدہ ہی ایسی دولت ہے جس سے اخلاق عالیہ اور انسانی کمالات

جنم لیتے ہیں۔ دیندار انسان کی سعادت حقیقی کی تکمیل قیامت کے دن ہوگی جب وہ اپنے ایمان و عمل کے سائے میں جنت کی طرف روانہ ہوگا۔

بے دینی موت کے مساوی بلکہ لاکھوں اموات کے مساوی ہے اور بے دینی کا بدترین نتیجہ قیامت و آخرت میں سامنے آئے گا جب انسان دوزخ کے بدترین عذاب میں گرفتار ہوگا اور وہاں موت کی تمنا کرے گا مگر اسے موت بھی نہیں آئے گی۔

اس سے ثابت ہوا کہ دین ہی ہر قسم کی دوستی اور محبت کا اصلی محور ہے۔ دین میں اتنی قوت ہے کہ ایک دیندار شخص اپنے پیارے مگر بے دین لخت جگر بیٹے سے قطع تعلق کر لیتا ہے یا ایک دیندار بیٹا اپنے محسن و مربی باپ اور افراد خاندان کے تعلقات کو دین کی وجہ سے ختم کر دیتا ہے۔

اسی نکتے کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان الفاظ سے بیان فرمایا ہے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَ اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَ يُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ.

آپ کبھی نہ دیکھیں گے کہ جو قوم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھنے والی ہے وہ ان لوگوں سے دوستی کر رہی ہے جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے دشمنی کرنے والے ہیں، چاہے وہ ان کے باپ دادا یا اولاد یا برادران یا عشیرہ اور قبیلہ والے ہی کیوں نہ ہوں۔ اللہ نے صاحبان ایمان کے دلوں میں ایمان لکھ دیا ہے اور ان کی اپنی خاص روح کے ذریعے تائید کی ہے اور انہیں ان جنتوں میں داخل کرے گا جن

کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ انہی میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ خدا ان سے راضی ہوگا اور وہ خدا سے راضی ہوں گے۔ یہی لوگ اللہ کا گروہ ہیں اور آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کا گروہ ہی نجات پانے والا ہے۔ (مجادلہ: ۲۲)

قرآن مجید میں ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو خبردار کیا کہ اگر ان کے والدین یا قریبی عزیز کفر پر مائل ہوں تو وہ ان سے اپنے تعلقات منقطع کریں۔ جیسا کہ فرمان قدرت ہے:

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لاَ تَتَّخِذُوْا اٰبَآءَ کُمْ وَ اِخْوَانَکُمْ اَوْلِیَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْکُفْرَ عَلَی الْاِیْمَانِ وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِنْکُمْ فَاُولٰئِکَ هُمُ الظَّالِمُوْنَ. قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآءُ کُمْ وَ اَبْنَـآءُ کُمْ وَ اِخْوَانُکُمْ وَ اَزْوَاجُکُمْ وَ عَشِیْرَتُکُمْ وَ اَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَهَا وَ مَسَاکِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَأْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لاَ یَهْدِی الْقَوْمَ الْفَاسِقِیْنَ.

اے ایمان والو! خبردار اپنے باپ دادا اور بھائیوں کو اپنا دوست نہ بناؤ اگر وہ ایمان کے مقابلے میں کفر کو دوست رکھتے ہوں اور جو شخص ایسے لوگوں کو اپنا دوست بنائے گا تو وہ ظالموں میں شمار ہوگا۔

پیغمبر! آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ دادا اور تمہاری اولاد اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا قبیلہ اور وہ اموال جنہیں تم نے جمع کیا ہے اور تجارت جس کے خسارے کی طرف سے فکر مند رہتے ہو اور وہ مکانات جنہیں پسند کرتے ہو تمہاری نظر میں اللہ اور اس کے رسول اور راہ خدا میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو پھر وقت کا انتظار کرو یہاں تک کہ امر الٰہی آجائے اور اللہ فاسق قوم کو ہدایت نہیں کرتا۔ (توبہ: ۲۳و۲۴)

ان آیات مجیدہ میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ایک مومن خدا و رسولؐ کے مقابلے میں اپنے ماں باپ، بیوی، بچوں اور دولت و مکانات کو ہیچ سمجھتا ہے اور جو لوگ اسلام کے مقابلے میں دنیاوی رشتہ و پیوند کو اہمیت دیتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے خبردار کیا کہ وہ اس کے عذاب کے منتظر رہیں۔

ان ہی قرآنی تعلیمات کا اثر تھا کہ عہد نبوی میں صحابہ نے اپنے والد اور بھائیوں سے بھی جنگ کی اور چشم تاریخ نے ایسے مناظر کئی بار دیکھے کہ صاحب ایمان فرزند اپنے کافر باپ کی میت سے یوں گزرا جیسا کہ ان میں کبھی کوئی تعلق تک نہ رہا ہو۔

حضرت رسول اکرمؐ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے لئے محبت اور خدا کے لئے دشمنی رکھنا افضل ترین فعل ہے۔

عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ای عری الایمان اوثق؟ فقالوا اللہ و رسولہ اعلم و قال بعضھم: الصلاۃ و قال بعضھم الزکاۃ و قال بعضھم الحج والعمرۃ و قال بعضھم الجھاد، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ لکل ما قلتم فضل ولیس بہ ولکن اوثق عری الایمان الحب فی اللہ و البغض فی اللہ و توالی اولیاء اللہ والتبری من اعداء اللہ۔[1]

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ رسول خداؐ نے ایک دن اپنے اصحاب سے فرمایا: ایمان کی سب سے مضبوط رسی کون سی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: خدا و رسول بہتر جانتے ہیں۔ مگر کچھ صحابہ نے جواب میں کہا کہ وہ مضبوط ترین رسی نماز ہے، کچھ اور صحابہ نے کہا کہ وہ زکوٰۃ ہے، کچھ اور نے کہا کہ وہ روزے

۱۔ اصول کافی، جلد ۱، ص ۱۲۵۔

ہیں، کچھ نے کہا کہ وہ حج و عمرہ ہے اور کچھ نے کہا وہ جہاد ہے۔

رسول خداؐ نے فرمایا: تم نے جو کچھ بھی کہا ہے اس کی ایک فضیلت ہے لیکن ایمان کی مضبوط ترین رسی خدا کے لئے محبت، خدا کے لئے بغض اور دوستان خدا سے دوستی اور دشمنان خدا سے بیزاری ہے۔

مومنین کو چاہئے کہ وہ ہر قسم کے تعلقات کی اساس عقیدہ وایمان کو قرار دیں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے سعادت و شقاوت کا یہی معیار قرار دیا ہے۔

عن ابی جعفر علیه السلام قال: اذا اردتَ ان تعلم ان فیک خیرا فانظر الی قلبک فان کان یحب اهل طاعة اللّٰه ویبغض اهل معصیته ففیک خیرٌ واللّٰه یحبک وان کان یبغض اهل طاعة اللّٰه ویحب اهل معصیته فلیس فیک خیرٌ واللّٰه یبغضک والمرء مع من احب.[1]

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: اگر تجھے اپنے متعلق یہ معلوم کرنے کی خواہش ہو کہ تجھ میں کوئی بھلائی موجود ہے تو اپنے دل پر نگاہ کر۔ اگر تیرا دل خدا کے اطاعت گزاروں سے محبت اور خدا کے نافرمانوں سے بغض رکھتا ہو تو تیرے اندر بھلائی موجود ہے اور اللہ بھی تجھ سے محبت کرتا ہے اور اگر تیرا دل خدا کے اطاعت گزاروں سے بغض اور نافرمانوں سے محبت رکھتا ہو تو تجھ میں کوئی بھلائی نہیں اور اللہ بھی تجھ سے بغض رکھتا ہے اور انسان اسی کے ساتھ محشور ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہوگا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے دینداروں سے محبت اور بے دینوں سے بغض کو ایمان کی علامت قرار دیا۔

۱۔ اصول کافی، جلد ۱، ص ۱۶۶۔

عن ابی عبداللّٰہ علیه السلام قال: کل من لم یحب علی الدین ولم یبغض علی الدین فلا دین له.

جس شخص کی دوسروں سے دوستی اور نفرت دین کی بنیاد پر نہ ہوتو وہ شخص خود بے دین ہے۔

قرآن مجید کی آیات اور ائمہ طاہرین کی تعلیمات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مسلمان کی زندگی کے تمام امور میں دین کی حکمرانی کارفرما رہتی ہے اور دین وعقیدہ کے تحفظ کو ہر چیز پر اولیت حاصل ہے۔ حتیٰ کہ اس کے لئے اپنی عزیز جان بھی قربان کرنی پڑے تو بھی اس میں دریغ نہ کرے اور اگر کبھی کسی مسلمان کی زندگی میں ایسا لمحہ آجائے جب اسے دین یا اپنی زندگی میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑے تو پھر اسے دین کا انتخاب کرنا چاہئے۔ (البتہ تقیہ کے مقامات اس بحث سے خارج ہیں) جیسا کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

قال ابوعبداللّٰہ علیه السلام: کان فی وصیة امیرالمومنین علیه السلام لاصحابه اعلموا ان القرآن هدی اللیل والنهار و نور اللیل المظلم علی ماکان من جهد وفاقه؛ فاذا حضرت بلیة فاجعلوا اموالکم دون انفسکم و اذا نزلت نازلة فاجعلوا انفسکم دون دینکم، واعلموا ان الهالک من هلک دینه والحریب من حرب دینه الا وانه لا فقر بعد الجنة الا وانه لا غنی بعد النار؛ لا یفک اسیرها ولا یبرأ ضریرها.[۱]

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ امیرالمومنین علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: جان لو کہ قرآن تمہارے لئے دن اور رات کا

۱۔ اصول کافی، جلد۱، ص۲۱۶۔

رہنما ہے اور سختی و تنگدستی کی تاریک راتوں کا نور ہے۔ لہذا جب کبھی کوئی ناخوشگوار صورتحال پیش آئے تو مال و دولت کو اپنی جان کا فدیہ قرار دو اور اگر کبھی زندگی میں ایسا موقع آ جائے کہ اپنی جان اور اپنے دین میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑے تو اپنی جان کو دین پر قربان کر دو اور یہ بات یاد رکھو کہ ہلاک ہونے والا وہی ہے جس کا دین ہلاک ہو جائے اور جس کا دین لٹ جائے وہ حقیقی غارت شدہ فرد ہے اور یہ بات جان لو کہ بہشت کے ہوتے ہوئے کوئی تنگدستی نہیں اور دوزخ میں جانے کے بعد کوئی سلامتی سلامتی نہیں ہے جس کے قیدی کو آزادی نہیں ملے گی اور آتش دوزخ کی وجہ سے جو آنکھ نابینا ہوگئی تو وہ کبھی بینا نہیں ہوگی۔

ائمہ ہدیٰ علیہم السلام جب بھی کسی غائب شخص کی خیر خبر معلوم کرتے تھے تو وہ ہمیشہ اس کے دین کے متعلق دریافت کرتے تھے جیسا کہ اس روایت سے یہ مفہوم اچھی طرح سے واضح ہوتا ہے:

كان رجل يدخل على ابى عبدالله عليه السلام من اصحابه فغبر زمانا لا يحج فدخل عليه بعض معارفه فقال له: فلان ما فعل؟ قال: فجعل يضجع الكلام يظن انه انما يعنى الميسرة والدنيا. فقال ابو عبدالله (ع) كيف دينه؟ فقال: كما تحب. فقال: هو والله الغنى.[1]

امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک ساتھی کا دستور تھا کہ وہ جب بھی حج کے لئے آتا تو آپ کے پاس ضرور آتا تھا۔ پھر کئی سال گزر گئے کہ وہ شخص حضرت کی خدمت میں حاضر نہ ہوا۔ آپ نے اس کے ایک جاننے والے سے پوچھا کہ فلاں شخص آج کل کیا کر رہا ہے؟ جس شخص سے امامؑ نے سوال پوچھا وہ امامؑ کے سوال کے مقصد کو پوری طرح سے نہ سمجھ سکا اور کہنے لگا کہ وہ آج کل کافی

۱۔ اصول کافی، جلد ۱، ص ۲۱۶۔

دولتمند ہو چکا ہے۔ امامؑ نے اس سے فرمایا: (مجھے اس کی دولتمندی سے کوئی غرض نہیں) مجھے یہ بتاؤ کہ اس کا دین کیسا ہے؟ اس شخص نے کہا: اس کا دین ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ پسند کرتے ہیں۔ امامؑ نے فرمایا: خدا کی قسم! وہ حقیقی معنوں میں دولتمند ہے۔ (کیونکہ وہ دین کے اعتبار سے صحیح ہے)۔

محلم کی حرکت اور اس کا انجام

اسلام و کفر کی غزوات میں ہزاروں کافر قتل ہوئے مگر اسلام کی نظر میں ان کے قتل کی کوئی اہمیت نہیں تھی اور جب ایک مسلمان شہید ہوا تو فوراً قرآن مجید میں اس کے متعلق آیت نازل ہوئی۔ اسکے متعلق حسب ذیل واقعہ پر توجہ فرمائیں:

رسول خداؐ نے ایک مرتبہ ایک لشکر کفار کے مقابلے کے لئے روانہ کیا اور لشکر میں ایک مسلمان فوجی کا نام محلّم بن جثامہ لیثی تھا۔ یہ لشکر اپنی منزل کی طرف جارہا تھا کہ راستے میں ایک شخص دکھائی دیا جس کا نام عامر بن اضبط تھا۔ محلم بن جثامہ اور عامر بن اضبط کے درمیان سابقہ کدورت تھی۔ عامر نے اہل لشکر پر مسلمانوں کی طرح سے سلام کیا لیکن محلم نے اس کے سلام پر کوئی توجہ نہ کی اور اس پر تیر چلا دیا جس کی وجہ سے عامر وہیں ڈھیر ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ پر یہ آیت مجیدہ نازل فرمائی:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰى اِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَاللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا.

اے ایمان والو! جب تم راہ خدا میں جہاد کے لئے سفر کرو تو پہلے تحقیق

کرلو اور خبردار جو تمہیں سلام کرے تو اس سے یہ نہ کہنا کہ تو مومن نہیں ہے کہ اس طرح تم دنیاوی زندگی کا چند روزہ سرمایہ چاہتے ہو اور خدا نے تم پر احسان کیا تو اب تم بھی اقدام سے پہلے تحقیق کرو۔ بے شک جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔ (النساء: ۹۴)

اس جنگ سے واپسی پر محلّم رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آنحضرتؐ سے استغفار کا تقاضا کیا لیکن آپ نے اسے فرمایا: **لا غفر اللّٰہ لک.** خدا تجھے معاف نہ کرے۔

محلّم یہ سن کر روتا ہوا آنحضرتؐ کے پاس سے روانہ ہوا۔ ابھی سات دن بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ محلّم مرگیا۔ لوگوں نے اسے دفن کیا لیکن زمین نے اس کا جسم قبر سے باہر پھینک دیا۔

تاریخ ناسخ جلد۲ کے مطابق آنحضرتؐ کے فرمان پر اسے تین بار زمین میں دفن کیا گیا لیکن تینوں بار زمین نے اس کے جسم کو قبول نہ کیا۔

لوگ رسول اکرمؐ کے پاس گئے اور عرض کیا: یارسول اللہؐ! زمین محلّم کے جسم کو قبول نہیں کرتی۔

آپ نے فرمایا: زمین میں محلّم سے بھی بڑے گناہگار دفن ہیں لیکن خدا یہ چاہتا ہے کہ تمہیں تمہاری عظمت سے باخبر کرے اور اس ذریعے سے خدا نے تمہیں یہ دکھا دیا ہے کہ ایک مسلمان کے قاتل کو زمین اپنے اندر قبول نہیں کرتی۔

پھر لوگوں نے محلّم کی لاش کو ایک غار میں رکھ کر اوپر پتھر رکھ دیئے اور یوں اس کا جسم لوگوں کی نظروں سے چھپ گیا۔[۱]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں ایک مرتبہ خالد بن ولید

۱۔ تفسیر مجمع البیان، جلد۳، ص۹۴۔

نے بھی کچھ ایسے افراد کو قتل کیا تھا جنہوں نے اپنے اسلام کا اقرار کیا تھا۔ جب نبی اکرمؐ کو واقعے کا علم ہوا تو آپ سخت رنجیدہ ہوئے اور آپ نے تمام مقتولین کا خون بہا ادا کیا اور ان کے تمام نقصانات کا ازالہ کیا۔

اس کے برعکس ایک ہی دن میں سات سو سے لے کر آٹھ سو تک بنی قریظہ کے جنگی جوان آپ کے حکم سے مدینے میں قتل ہوئے، ان کی عورتوں کو قیدی بنایا گیا اور ان کی دولت کو مال غنیمت بنا کر تقسیم کیا گیا تو آپ کو ان کا ذرہ برابر بھی افسوس نہ ہوا۔

ان دونوں تاریخی واقعات کا موازنہ کیا جائے کہ سات سو افراد کے مارے جانے کا آنحضرتؐ کو کوئی افسوس نہ ہوا جب کہ ایک مسلمان قتل ہوا تو اس کے قاتل کی لاش کو زمین نے قبول نہ کیا تو اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خدا کی نظر میں افراد کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ ہاں اگر خدا کے ہاں قدر و قیمت ہے تو صرف دین اور عقیدہ کی ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر میں دین اور عقیدہ ہی کسی شخص کی فضیلت و امتیاز کا سبب ہوتا تھا۔

جب رسول خداؐ جنگ تبوک کے لئے روانہ ہوئے تو آپ نے مختلف قبائل کے سرداروں کو علیحدہ علیحدہ پرچم عطا کئے۔ آپ نے قبیلہ اوس کا پرچم اسید بن حضیر کے سپرد کیا اور قبیلہ خزرج کا پرچم ابودجانہ کے حوالے کیا اور بنی مالک کا پرچم عِمارہ بن حزام کو عطا فرمایا بعد میں آپ نے اس سے وہ پرچم لے کر زید بن ثابت کے سپرد کیا۔

عمارہ نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! کیا آپ مجھ سے ناراض ہوگئے ہیں اسی لئے آپ نے مجھ سے پرچم واپس لے لیا۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: نہیں خدا کی قسم! ایسی کوئی بات نہیں۔ البتہ زید تیری نسبت قرآن مجید کو زیادہ جانتا ہے اور اس نے تجھ سے قرآن زیادہ حفظ کیا ہوا ہے۔ لوگوں کو قرآن کی وجہ سے مقام و منصب ملتا ہے اگرچہ کوئی کان کٹا ہوا حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔[1]

جنگ احد میں بہت سے صحابہ کرام شہید ہوئے۔ رسول خداؐ نے ان کی تدفین کے وقت ارشاد فرمایا کہ دو یا تین شہداء جو ایک دوسرے کے رشتہ دار یا دوست ہوں انہیں ایک ہی قبر میں دفن کردیا جائے۔ چنانچہ حضرت حمزہؓ کو ان کے بھانجے عبداللہ بن جحش کے ساتھ ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔

رسول خداؐ نے تدفین کے وقت فرمایا ان میں سے جو قرآن زیادہ جانتا ہو اسے لحد کے زیادہ قریب رکھا جائے۔[2]

تفسیر مجمع البیان کی جلداول، صفحہ۳۲ میں مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ رسول خداؐ جنگ کے سلسلے میں ایک سریہ روانہ کرنے کے خواہش مند تھے۔ آپ نے سالار لشکر کے لئے ہر ایک جانباز سے پوچھا کہ تم نے کتنا قرآن یاد کیا ہوا ہے؟

ہر ایک جانباز کو جتنا قرآن یاد تھا اس نے اتنا ہی بتایا۔ پھر ایک نوخیز جوان سے آنحضرتؐ نے یہی سوال کیا تو اس نے کہا: مجھے فلاں فلاں سورت کے ساتھ سورۃ البقرہ بھی یاد ہے۔

آنحضرتؐ نے لشکر کا پرچم اس کے سپرد کیا اور اسے سپہ سالار مقرر فرمایا۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! وہ سب سے کم سن ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں اس نے سورۃ البقرہ کو یاد کیا ہوا ہے (اور اسی وجہ سے یہ امتیاز ملا ہے۔)

۱۔ ناسخ التواریخ، جلد۲، ص۳۶۰۔

۲۔ ناسخ التواریخ، جلد۲، ص۳۸۵۔

۱۔ جان عزیز قربان کرنے کے چند تاریخی نمونے

فرعون کے سامنے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کا مقابلہ ہوا۔ جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں پھینکیں تو وہ سانپ بن کر چلنے لگیں۔ ان کے جواب میں حضرت موسیٰؑ علیہ السلام نے اپنا عصا پھینکا تو وہ قدرت خداوندی سے اژدہا بن گیا اور اس نے جادوگروں کے بنائے ہوئے سانپوں کو نگل لیا۔

پھر موسیٰ علیہ السلام نے اسے پکڑا تو وہ دوبارہ عصا بن گیا۔

جادوگروں نے یہ ماجرا اپنے سردار کو بتایا کیونکہ ان کا سردار آنکھوں سے نابینا تھا۔ اس نے اپنے شاگردوں سے پوچھا: بھلا بتاؤ ہماری رسیوں اور لکڑیوں کا کہیں نام ونشان اب باقی ہے یا نہیں ہے۔

جادوگروں نے جواب دیا: ہماری رسیاں اور لاٹھیاں بالکل ختم ہوچکی ہیں اس وقت ان کا کہیں بھی نام ونشان نہیں ہے۔

جادوگروں کے سردار نے کہا: اگر ایسا ہے تو یہ جادو نہیں بلکہ نبوت کا معجزہ ہے کیونکہ اگر یہ جادو ہوتا تو ہماری رسیوں اور لاٹھیوں کا نام ونشان ضرور باقی رہتا۔ پھر اس نے زمین پر اپنا سر رکھ کر سجدہ کیا اور اس کو دیکھ کر دوسرے جادوگروں نے بھی اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کیا۔

قَالُوٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ مُوْسٰی وَ هٰرُوْنَ. قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِىْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِىْ جُذُوْعِ النَّخْلِ.

کہنے لگے ہم موسیٰؑ اور ہارونؑ کے رب پر ایمان لائے۔ (فرعون نے) کہا کہ تم مجھ سے اجازت لئے بغیر اس پر ایمان لائے ہو۔ یقیناً موسیٰؑ ہی تمہارا اصلی

استاد ہے اور اس نے ہی تمہیں جادو کی تعلیم دی ہے۔ اب میں مقابل سے تمہارے ہاتھ اور پاؤں کاٹوں گا اور تمہیں کھجور کے تنوں پر صلیب پر لٹکاؤں گا۔ (طٰہٰ: ۶۹ تا ۷۱)

فرعون نے اسلام قبول کرنے والے جادوگروں کو صرف دھمکی ہی نہیں دی تھی بلکہ اس نے اپنے کہنے پر عمل کیا۔ اس نے ان کے ہاتھ پاؤں کٹوا دیئے اور انہیں کھجور کے تنوں پر لٹکایا اور جب انہیں دار پر لٹکایا جا رہا تھا تو انہوں نے یہ دعا مانگی تھی:

رَبَّنَا اَفۡرِغۡ عَلَیۡنَا صَبۡرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسۡلِمِیۡنَ. اے پروردگار! ہمیں صبر و استقامت عطا فرما اور ہمیں فرمانبرداری کی حالت میں موت عطا فرما۔ (اعراف: ۱۲۶)

ان جادوگروں کا مقدر بڑا عجیب تھا۔ صبح کے وقت کافر تھے اور فرعون کے انعام کے طلبگار بن کر حضرت موسیٰؑ کے مقابلے پر آئے تھے مگر شام ہونے تک انہیں اسلام کی راہ سے شہادت کی سعادت نصیب ہوئی۔

مومن آل فرعون

حزقیل کا تعلق فرعون کے خاندان سے تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لا چکا تھا اور فرعون کے ظلم کی وجہ سے اپنے ایمان کو مخفی رکھتا تھا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حزقیل بڑھئی تھا اور اسی نے مادر موسیٰؑ کی فرمائش پر لکڑی کا وہ صندوق تیار کیا تھا جس میں حضرت موسیٰؑ کو لٹا کر دریا کے حوالے کیا گیا تھا۔

جب اس نے دربار فرعون میں جادوگروں کے مقابلے پر حضرت موسیٰؑ کی کامیابی کو دیکھا تو اس کے ایمان میں مزید تقویت پیدا ہوئی اور ایک بار جب فرعون نے موسیٰؑ کو قتل کرنے کے ارادے کا اعلان کیا تو اس وقت حزقیل سے

برداشت نہ ہوسکا اور اس نے دربار فرعون میں حضرت موسیٰؑ کی وکالت کرتے ہوئے کہا:

اَتَقۡتُلُوۡنَ رَجُلًا اَنۡ یَّقُوۡلَ رَبِّیَ اللّٰہُ وَقَدۡ جَآءَکُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ مِنۡ رَّبِّکُمۡ....

کیا تم ایک ایسے انسان کو قتل کرتے ہو جس کا جرم صرف یہی ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ میرا رب ہے جبکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے واضح نشانیاں لے کر تمہارے پاس آیا ہے؟ (غافر: ۲۸)

فرعون نے حضرت حزقیل کو بھی دینداری کے جرم میں جادوگروں کے ساتھ دار پر لٹکا دیا اور یوں انہوں نے اپنی جان جانِ آفرین کے حوالے کی۔

مومن آل فرعون کی زوجہ کی قربانی

حضرت حزقیل کی زوجہ فرعون کے گھر میں ملازمت کرتی تھیں اور وہ فرعون کی بیٹی کی آرائش و زیبائش کیا کرتی تھیں۔ وہ بھی اپنے شوہر کی طرح صاحب ایمان تھیں اور اپنے ایمان کو مخفی رکھتی تھیں۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ وہ فرعون کی بیٹی کے سر میں کنگھی کر رہی تھیں کہ ان کے ہاتھ سے کنگھی زمین پر گر پڑی۔ جیسے ہی کنگھی زمین پر گری تو ان کے منہ سے بے ساختہ **بسم اللہ** کا جملہ نکلا۔

فرعون کی بیٹی نے جیسے ہی جملہ سنا تو اس نے ان سے کہا: کیا اس سے مراد میرے والد ہیں؟

مومنہ خاتون نے جواب دیا: نہیں! اس سے مقصود میرا وہ خدا ہے جو کہ صرف میرا ہی نہیں بلکہ تیرا اور تیرے باپ کا بھی خدا ہے۔

فرعون کی بیٹی نے اپنے باپ کے سامنے اس مومنہ کی گفتگو دہرائی۔

فرعون یہ سن کر غصے سے لال پیلا ہوگیا اور اس نے حکم دیا کہ اس خاتون کو اس کے معصوم بچوں سمیت دربار میں حاضر کیا جائے۔

مومنہ خاتون اپنے ننھے سے بچوں کو لے کر دربار میں حاضر ہوئیں۔

فرعون نے ان سے کہا: تیرا پروردگار کون ہے؟

مومنہ خاتون نے کہا: اللہ ہی میرا پروردگار ہے۔

فرعون نے حکم دیا: اس کے لئے تانبے کا بنا ہوا مخصوص تنور گرم کیا جائے اور جب وہ اچھی طرح سے گرم ہو جائے تو اس مین اسے اور اس کے بچوں کو ڈال دیا جائے۔

مومنہ خاتون نے کہا: فرعون! میری تجھ سے یہ خواہش ہے کہ جب میں اور میرے بچے تنور میں جل جائیں تو ہماری بچی کھچی ہڈیوں کو جمع کر کے انہیں زمین میں دفن کرا دینا۔

فرعون نے کہا: میں ایسا ضرور کروں گا۔

اس کے بعد فرعون نے حکم دیا کہ باری باری اس کے بچوں کو تنور میں ڈالا جائے۔ چنانچہ اس کے بچوں کو تنور میں ڈالا جانے لگا۔ آخر میں اس کے دودھ پینے والے بچے کی باری آئی۔ اس وقت ماں پریشان ہوگئی۔ قدرت خداوندی سے بچے نے اپنی ماں کو مخاطب کر کے کہا: اصبری یا اماہ فانک علی الحق. امی جان! آپ صبر کریں آپ حق پر ہیں۔

اس کے بعد فرعون کے حکم سے اس مومنہ خاتون کو بچے سمیت آگ میں ڈال دیا گیا۔

آسیہ زنِ فرعون کی قربانی

فرعون کی بیوی حضرت آسیہ ایماندار خاتون تھیں۔ وہ بھی اپنے ایمان کو مخفی رکھتی تھیں۔ جب فرعون کے حکم سے حضرت حزقیل کی مومنہ بیوی اور ان کے بچوں کو آگ میں ڈالا گیا تو انہوں نے وہ ہولناک منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں سے پردے ہٹا دیئے۔ انہوں نے دیکھا کہ مومنہ خاتون کی روح کو فرشتے آسمان کی طرف لے جا رہے ہیں۔ جیسے ہی انہوں نے یہ منظر دیکھا تو ان کے ایمان میں مزید قوت پیدا ہوگئی۔

حضرت آسیہ اپنے حجرے میں رب العالمین کے سامنے راز و نیاز میں مصروف تھیں کہ فرعون اس حجرے میں داخل ہوا اور اس نے مومنہ عورت کے جلانے کے قصے کو ان کے سامنے بڑے فخر سے بیان کیا۔

حضرت آسیہ نے کسی خوف و خطر کے بغیر کہا: تجھ پر افسوس! تو اپنے خدا کی متعلق کتنا جری ہو چکا ہے۔

فرعون نے اس سے کہا: معلوم ہوتا ہے کہ تو بھی دیوانی ہو چکی ہے۔

حضرت آسیہ نے کہا: میں دیوانی نہیں۔ میں رب العالمین پر ایمان لا چکی ہوں جو کہ موسیٰؑ اور ہارونؑ کا رب ہے۔

فرعون نے کہا: تجھے رب موسیٰؑ کا انکار کرنا ہوگا۔

پھر فرعون نے آسیہ کی والدہ کو اپنے پاس بلایا اور اس سے کہا کہ تیری بیٹی بھی حزقیل کی بیوی کی طرح سے پاگل ہو چکی ہے۔ تم اسے سمجھاؤ اور اگر اس نے رب موسیٰؑ کا انکار نہ کیا تو میں اسے سخت اذیت دے کر قتل کروں گا۔

حضرت آسیہ کی والدہ نے اپنی بیٹی کو بہت کچھ سمجھایا بجھایا اور اسے فرعون کی پیروی کرنے کی ترغیب دی۔ مگر حضرت آسیہ نے ماں کا کہنا نہ مانا اور کہا: میں

رب العالمین کا انکار نہیں کروں گی۔

جب فرعون مایوس ہوگیا تو اس نے حکم دیا کہ آسیہ کو ایک لکڑی کے تختے پر لٹایا جائے اور اس کے ہاتھوں پاؤں میں میخیں لگادی جائیں۔

الغرض فرعون کے احکام کی تعمیل ہوئی۔ بی بی آسیہ کے ہاتھ پاؤں میں میخیں ٹھونک دی گئیں۔ان اذیتوں کی وجہ سے بی بی آسیہ شہید ہوگئیں۔جب حضرت آسیہ نے محسوس کیا کہ ان کا آخری وقت آن پہنچا ہے تو انہوں نے یہ دعا مانگی:

رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَکَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ وَ نَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَ عَمَلِهٖ وَ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ.

اے پروردگار! میرے لئے اپنے پاس جنت میں گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات دے اور مجھے ظالم قوم سے نجات دے۔ (تحریم:۱۱)

حضرت آسیہ نے جیسے ہی یہ دعا مانگی تو اللہ نے ان کی آنکھوں سے پردہ ہٹا دیا تب انہوں نے ملائکہ کا مشاہدہ کیا اور جنت میں انہیں اپنا گھر دکھائی دیا۔ جیسے ہی یہ منظر بی بی آسیہ نے دیکھا تو انہیں اپنے تمام دکھ درد بھول گئے اور مسکرانے لگیں۔

فرعون نے جب انہیں مسکراتے ہوئے دیکھا تو کہا: یہ عورت واقعی پاگل ہے جو اس حالت میں بھی ہنس رہی ہے۔ پھر کچھ دیر بعد بی بی وفات پا گئیں۔[۱]

تفسیر مجمع البیان، جلد۱۰، ص۳۱۹ پر مرقوم ہے:

فرعون نے بی بی آسیہ کو گرم زمین پر لٹایا اور ان کے ہاتھوں اور پاؤں میں میخیں ٹھکوا دیں۔ اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ ایک بھاری پتھر ان کے سینے پر رکھ دیا جائے۔ جب بی بی کے سینے پر وزنی پتھر آیا تو اس وقت انہوں نے یہ دعا مانگی: رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَکَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ....

۱۔ کامل ابن اثیر، جلد۱، ص۱۱۱۔

اہل ایمان پر ذونواس کے مظالم

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت سے ستر برس قبل ذونواس بادشاہ نجران پر حکومت کرتا تھا۔ اس کے دربار میں ایک زبردست جادوگر بھی اس کی ملازمت کرتا تھا۔ وہ ایک طویل عرصے تک بادشاہ کو اپنے جادو کے کرتبوں سے خوش کرتا رہا اور جب وہ بوڑھا ہوگیا تو اس نے بادشاہ سے کہا: اب میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور کسی بھی وقت مر سکتا ہوں۔ آپ کسی نوجوان بچے کو حکم دیں کہ وہ مجھ سے میرا جادو حاصل کرے تاکہ میرے مرنے کے بعد بھی جادو کا سلسلہ جاری رہے۔

بادشاہ نے ایک نوجوان کو جس کا نام عبداللہ بن تامر تھا، حکم دیا کہ وہ جادوگر سے جادو کی تعلیم حاصل کرے۔

عبداللہ جادو سیکھنے کے لئے روزانہ جادوگر کے گھر جاتا تھا۔ اسے کبھی کبھی راستے میں ایک راہب کی آواز سنائی دیتی تھی جو بڑی خوش الحانی سے اللہ کی حمد و ثناء کرتا تھا۔ عبداللہ کچھ وقت کے لئے اس کے پاس بیٹھنے لگا۔ جب وہ دیر سے استاد کے پاس پہنچتا تو وہ اسے دیر سے آنے کی وجہ سے سزا دیتا تھا۔

عبداللہ نے اس کی سزا سے بچنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا کہ وہ روزانہ استاد کے پاس وقت پر پہنچ جاتا تھا اور واپسی پر کچھ دیر کے لئے راہب کے پاس بیٹھتا تھا اور یوں وہ گھر تاخیر سے جانے لگا اور جب وہ گھر تاخیر سے پہنچتا تو اس کا والد اس کی پٹائی کرتا تھا۔

آخرکار عبداللہ نے استاد اور والد کی سزا سے بچنے کے لئے یہ انوکھا طریقہ تراشا کہ جب وہ استاد کے پاس دیر سے جاتا تو اس سے کہتا تھا کہ آج والد

نے دیر سے بھیجا اور جب اپنے گھر دیر سے پہنچتا تو والد سے کہتا کہ آج استاد نے دیر سے چھٹی دی تھی۔

ایک دن وہ لڑکا استاد کے پاس جارہا تھا کہ راستے میں ایک بڑے سانپ نے لوگوں کا راستہ روک رکھا تھا اور کوئی بھی اس کے قریب جانے کی ہمت نہیں کررہا تھا۔ اس لڑکے نے ایک پتھر اٹھایا اور خدا سے کہا: خدایا! اگر راہب حق پر ہے تو اس سانپ کو اس پتھر سے مار دے۔

پھر اس نے وہ پتھر سانپ کو مارا۔ اس ایک پتھر سے ہی سانپ موقع پر ہلاک ہوگیا۔

اس واقعے کے بعد لڑکا راہب کے پاس گیا اور اسے اپنی داستان سنائی۔

راہب نے کہا: خدا نے تجھے عظیم مقام دیا ہے اور جب بھی خدا کسی کو عظیم مقام دیتا ہے تو پھر اس کی آزمائش شروع ہو جاتی ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ تیری بھی آزمائش ہونے والی ہے اور اگر کوئی ایسی بات ہو تو لوگوں کو میرے متعلق کچھ نہ بتانا۔

آہستہ آہستہ عبداللہ کا مقام اتنا بلند ہوا کہ بیماروں کو اس کی دعا سے شفا نصیب ہونے لگ گئی اور چند ہی دنوں میں اس کی شہرت دور دور تک جا پہنچی۔

بادشاہ ذونواس کا چچازاد بھائی نابینا تھا۔ جب اس نے سانپ اور عبداللہ اور اس کی قبولیت دعا کے بہت سے واقعات سنے تو اس نے عبداللہ کی طرف رجوع کیا اور اس سے دعا کا تقاضا کیا۔

عبداللہ نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ تیری آنکھوں کو ٹھیک کردے تو کیا تو اس پر ایمان لے آئے گا؟

اس نے کہا: جی ہاں۔

اس کے بعد عبداللہ نے کہا: خدایا! اگر یہ شخص سچ کہہ رہا ہے تو اسے بینائی عطا فرما۔

جیسے ہی عبداللہ کے دعائیہ کلمات ختم ہوئے تو اسے بینائی مل گئی۔ وہ شخص صحت یاب ہو کر بغیر کسی سہارے کے بادشاہ کے پاس گیا۔ جب بادشاہ نے اسے اس حالت میں دیکھا تو خوش ہو کر اس نے اس سے پوچھا کہ تجھے آنکھیں کیسے مل گئیں؟

اس نے پہلے تو کوئی جواب نہ دیا لیکن جب بادشاہ کا اصرار بڑھا تو اس نے عبداللہ کے متعلق بتایا۔

بادشاہ نے کہا کہ عبداللہ کو ہمارے دربار میں پیش کیا جائے۔

عبداللہ دربار میں حاضر ہوا تو بادشاہ نے کہا: عبداللہ! مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی ہے کہ اب تو جادو کے زور پر اندھوں کو بھی بینا بنانے لگ گیا ہے۔

عبداللہ نے کہا: اے بادشاہ! میں شفا دینے والا بھلا کون ہوتا ہوں۔ شفا دینے والا رب العالمین ہے۔ جب تک وہ نہ چاہے کسی کو شفا نہیں مل سکتی۔

بادشاہ نے عبداللہ سے جیسے ہی توحید کا عقیدہ سنا تو اسے سخت غصہ آیا اور اس نے عبداللہ سے کہا کہ تجھے اس عقیدے کی کس نے تعلیم دی ہے؟

عبداللہ نے اس سوال کا کوئی جواب نہ دیا۔ پھر بادشاہ کے حکم پر عبداللہ پر بہت زیادہ ظلم و ستم کیا گیا۔ آخر کار اس نے مجبور ہو کر اپنے راہب استاد کا پتا بتا دیا۔ پھر راہب کو اس کے ایک چچازاد سمیت بادشاہ کے دربار میں حاضر کیا گیا۔ بادشاہ نے راہب اور اس کے رشتہ دار سے جو کہ اس کا ہم عقیدہ تھا، کہا کہ اگر تم دونوں عقیدۂ توحید سے باز آجاؤ تو ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے اور اگر تم اس عقیدے سے باز نہ آئے تو تم دونوں کو آری سے دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

راہب اور اس کے رشتہ دار نے عقیدۂ توحید چھوڑنے سے انکار کر دیا۔

پھر ان دونوں کو آری سے دو ٹکڑوں میں تقسیم کردیا گیا۔

اس کے بعد بادشاہ نے لڑکے سے کہا: تمہاری نجات اسی میں ہے کہ خدائے واحد کا انکار کردو۔

مگر عبداللہ نے بادشاہ کا حکم ماننے سے انکار کردیا۔

بادشاہ نے چند سپاہیوں سے کہا: تم اسے اپنے ساتھ پہاڑ کی چوٹی پر لے جاؤ اور اگر یہ وہاں پہنچ کر بھی اپنے عقیدے سے باز نہ آئے تو اسے وہاں سے دھکا دے کر گرادو اور اگر پہاڑ سے گرنے کے باوجود بھی وہ زندہ رہے تو اسے پتھر مار مار کر ہلاک کردو۔

سپاہی اسے اپنے ساتھ لے کر پہاڑ کی طرف روانہ ہوئے۔ ابھی وہ چوٹی تک نہیں پہنچے تھے کہ ان پر آسمان سے عذاب آیا اور تمام سپاہی آن واحد میں لقمۂ اجل بن گئے۔

عبداللہ واپس آیا۔ جب بادشاہ نے اپنے سپاہیوں کی موت اور عبداللہ کی سلامتی کی خبر سنی تو اسے سخت غصہ آیا۔ اس نے پھر کچھ سپاہی اس کے ساتھ بھیجے اور انہیں حکم دیا کہ وہ اسے پہاڑ کی چوٹی سے دھکا دے کر ماردیں۔

دوسری بار بھی بادشاہ کے سپاہی لقمۂ اجل بن گئے۔

جب بادشاہ دوسری بار بھی عبداللہ کو قتل کرنے میں ناکام ہوا تو عبداللہ نے کہا: اے بادشاہ! آپ خواہ مخواہ اپنا وقت اور لوگوں کی جانیں ضائع کرنے پر تلے ہوئے ہیں، آپ ہر طریقہ آزمالیں، پھر بھی آپ مجھے قتل نہیں کرسکیں گے۔ البتہ میں اپنے قتل ہونے کا آپ کو ایک طریقہ بتاتا ہوں، اگر آپ نے اس پر عمل کیا تو آپ مجھے قتل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے اور وہ طریقہ یہ ہے کہ آپ اپنی مملکت کے تمام لوگوں کو ایک کھلے میدان میں جمع کریں اور جب لوگ جمع ہو

جائیں تو پھر آپ کمان میں تیر رکھ کر مجھے ماریں لیکن آپ کا تیر مجھے تب لگے گا جب آپ زور سے بسم اللہ رب الغلام یعنی اللہ کے نام سے جو اس لڑکے کا رب ہے، کہیں گے۔ اگر آپ نے میرے کہنے پر عمل کیا تو آپؐ کا تیر مجھے لگے گا اور میں مر جاؤں گا۔

بادشاہ لڑکے کے وجود سے تنگ آچکا تھا۔ اس نے اپنی تمام رعایا کو ایک کھلے میدان میں جمع کیا اور مجمع عام میں اس نے زور سے لڑکے کے بتائے ہوئے الفاظ کہہ کر تیر مارا تو تیر عین نشانے پر لگا جس کے لگتے ہی وہ لڑکا شہید ہوگیا۔

لوگ جو کہ عبداللہ کی سابقہ کرامات دیکھ اور سن چکے تھے، جب انہوں نے یہ تازہ منظر دیکھا تو بہت سے لوگ خدائے واحد پر ایمان لے آئے۔

جب بادشاہ کو یہ معلوم ہوا تو اس کے غصے کی انتہا نہ رہی۔ اس نے ایک دن حکم دیا کہ شہر کے تمام دروازے بند کردیئے جائیں اور شہر میں ایک بہت بڑی خندق تیار کی جائے، اس میں بہت بڑی مقدار میں لکڑیاں جلائی جائیں اور پھر لوگوں کو قطار اندر قطار اس خندق کے قریب لایا جائے۔ ان میں سے جو بھی عبداللہ کے دین سے بیزاری کا اعلان کرتا جائے اسے رہائی دی جائے اور جو اس کے دین پر قائم رہنے کی ضد کرے اسے خندق میں ڈال کر جلا دیا جائے۔

بادشاہ کے حکم پر لوگ لائے گئے۔ ان میں ایک عورت بھی تھی جس کے ساتھ اس کے تین بچے بھی تھے۔ جب عورت سے اس کے عقیدے کے متعلق پوچھا گیا تو اس نے کہا: میں خدائے واحد پر ایمان رکھتی ہوں۔

اس کے دو بیٹوں کو پکڑ کر اس کے سامنے آگ کے دہکتے ہوئے الاؤ میں ڈال دیا گیا اور چند ہی لمحات میں ان کے جسم کوئلہ بن گئے۔ پھر اس عورت سے اس کا شیر خوار بچہ چھین لیا گیا۔

اس وقت بادشاہ نے عورت سے کہا: اگر تو اس وقت بھی اپنے عقیدے کو چھوڑ دے تو ہم تجھے اور تیرے اس بچے کو کچھ نہیں کہیں گے۔ ورنہ ہم تجھے تیرے اس بچے سمیت آگ میں ڈال دیں گے۔

عورت بے چاری جو کہ پہلے دو بیٹوں کی موت دیکھ چکی تھی، گھبرا گئی اور دل میں سوچنے لگی کہ اگر میں اپنے عقیدے سے بیزاری کا اعلان کروں تو میرا شیر خوار بچہ جلنے سے بچ جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اس بچے کو بولنے کی قوت عطا کر دی اور اس نے اپنی ماں سے کہا: یا اماہ! لا ترجعی عن دینک لا باس علیک. اماں جان! اپنے دین سے کبھی انحراف نہ کرنا، تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔

جیسے ہی ماں نے اپنے شیر خوار بچے کی زبان سے یہ الفاظ سنے تو اس نے کہا: مجھے آگ میں جانا منظور ہے، دین چھوڑنا منظور نہیں ہے۔

پھر بادشاہ کے حکم سے اسے اس کے بچے سمیت آگ میں ڈالدیا گیا۔[1]

تفسیر برہان میں قتل اصحاب الاخدود کی آیت مجیدہ کی تفسیر میں حضرت علی علیہ السلام سے یہی قصہ مروی ہے۔ البتہ قصہ کے آخر میں یہ الفاظ ہیں:

فجاء ت امرأة و معها صبی لها ابن شهر. فلما هجمت علی النار هابت ورقت علی ابنها. فنادی الصبی: لا تهابی وارمینی و نفسک فی النار فان هذا واللّٰه فی اللّٰه قلیل. فرمت بنفسها فی النار و صبیها.

جب اہل ایمان کو خندق میں جلایا جا رہا تھا تو ایک عورت کو لایا گیا جس کی گود میں ایک ماہ کا بچہ تھا۔ جب عورت نے آگ کے شعلوں کو دیکھا تو گھبرا گئی اور اسے اپنے بچے پر رحم آ گیا۔ بچے نے ماں کو آواز دے کر کہا: امی جان! ڈریں

۱۔ کامل ابن اثیر، جلد اول، ص ۲۷۰۔

نہیں آپ مجھے لے کر آگ میں داخل ہو جائیں۔ خدا کی قسم! قربانی تو خدا کے لئے انتہائی کم ہے۔

چنانچہ عورت نے بچے سمیت آگ میں چھلانگ لگادی۔

باپ پیارا ہے یا دین؟

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھ صحابہ کا لشکر لے کر غزوۂ بنی المصطلق کے لئے تشریف لے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے لشکر اسلام کو کامیابی عطا فرمائی۔

حضرت عمرؓ نے اپنے ایک نوکر کو پانی بھرنے کے لئے بھیجا جس کا نام ''جہجاہ'' تھا اور اس کا تعلق بنی غفار سے تھا اور جب وہ پانی بھرنے کے لئے تالاب پر گیا تو وہاں اس کا بنی عوف بن خزرج کے حلیف سنان جہنی کے ساتھ جھگڑا ہو گیا اور جب ان میں تو تو میں میں زیادہ بڑھی تو سنان نے انصار کو اپنی مدد کے لئے بلایا۔ انصار اس کی مدد کے لئے دوڑ پڑے۔ جب جہجاہ نے انصار کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تو اس نے مہاجرین کو اپنی مدد کے لئے پکارا۔

جواب میں مہاجرین بھی اس کی مدد کے لئے دوڑ پڑے۔ چنانچہ انصار و مہاجرین میں اچھی خاصی تو تکار ہوئی اور بڑی مشکل سے جنگ ہوتے ہوتے بچی۔

اس سفر میں رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبَی بھی موجود تھا۔ اس نے انصار کو مہاجرین کی مدد پر خوب لعنت ملامت کی۔

زید بن ارقم اس وقت نابالغ مگر ممیّز لڑکا تھا۔ اس نے سنا کہ عبداللہ نے انصار سے کہا: اب یہ حالت ہو چکی ہے کہ قریش ہمارے ہی شہر میں رہ کر ہم پر فخر کرنے لگ گئے ہیں اور اب یہ ہمیں فروخت کرنے پر تل چکے ہیں اور ہمارا معاملہ

تو اس وقت اس ضرب المثل جیسا بن چکا ہے سمن کلبک یاکلک۔ "کتے کو کھلا پلا کر موٹا کرو تاکہ وہ تمہیں ہی کاٹے۔"

لئن رجعنا الی المدینة لیخرجن الاعز منها الاذل. جب ہم مدینے لوٹیں گے تو عزت دار (انصار) افراد ذلیل لوگوں (پیغمبراکرمؐ اور مہاجرین) کو وہاں سے نکال باہر کریں گے۔

زید بن ارقم نے عبداللہ کی باتیں رسول خداؐ کی خدمت میں پہنچا دیں۔

اس وقت آنحضرتؐ کے پاس حضرت عمرؓ بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا: یارسول اللہؐ! آپ عباد بن سعد کو حکم دیں کہ وہ عبداللہ بن اُبَی کو قتل کردے۔

رسول خداؐ نے فرمایا: اگر میں نے ایسا کیا تو لوگ کہیں گے کہ اب محمدؐ اپنے ہی اصحاب کو قتل کرنے لگ گیا ہے۔ ایسا نہیں ہوسکتا۔

پھر آپ نے اس شدید گرمی میں لشکر کو کوچ کرنے کا حکم دیا۔ لشکر نے آپ کے حکم کی تعمیل کی۔

عبداللہ بن اُبَی کو بھی معلوم ہوگیا کہ زید بن ارقم نے اسکی باتیں رسول خداؐ تک پہنچا دی ہیں۔ وہ اپنی باتوں کا ازالہ کرنے کے لئے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ زید بن ارقم نے اس کے متعلق غلط بیانی سے کام لیا ہے اور اس نے اس طرح کی کوئی بات منہ سے نہیں نکالی۔

عبداللہ بن اُبَی مدینے کا بااثر شخص تھا اسی لئے بہت سے انصار نے بھی اس کی تائید کرتے ہوئے کہا: یارسول اللہؐ! شاید زید بن ارقم کو سننے میں اشتباہ ہوا ہوگا اور اس نے تحقیق کئے بغیر آپ تک یہ باتیں پہنچائی ہوں گی۔

جب لشکر نے سفر شروع کیا تو دوران سفر اسید بن خضیر انصاری آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! خیریت تو تھی کہ

آپ نے آج خلاف معمول سخت گرمی کے وقت لشکر کو سفر کرنے کا حکم دیدیا؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: تو کیا تو نے نہیں سنا کہ تمہارے ہم شہر اور تمہارے ساتھی نے کیا کہا؟

اسید نے کہا: یارسول اللہؐ! وضاحت کریں ہمارے ہم شہر سے کون شخص مراد ہے؟

آپ نے فرمایا: اس سے عبداللہ بن ابی مراد ہے۔

اسید نے کہا: یارسول اللہؐ! اس نے کیا کہا ہے؟

آپ نے فرمایا: وہ یہ ارادہ رکھتا ہے کہ اب جیسے ہی وہ مدینے پہنچے گا تو مدینے کے عزت دار افراد کو کہہ کر ذلیل افراد کو وہاں سے نکلوا دے گا۔

اسید بن حضیر نے کہا: یارسول اللہؐ! اگر آپ اسے شہر بدر کرنا چاہیں تو آپ ایسا کرسکتے ہیں۔ آپ صاحب عزت ہیں اور وہ ذلیل ہے۔ مگر اس کے ساتھ میں یہ بھی کہوں گا کہ آپ اس کے ساتھ مدارات کا سلوک کریں کیونکہ آپ کی مدینے آمد سے قبل اہل مدینہ نے اسے اپنا بادشاہ منتخب کرلیا تھا اور اس کے لئے جواہرات سے مرصع تاج بنانے کی فکر میں تھے لیکن جب آپ مدینے تشریف لائے تو کسی نے اس کی بات تک نہ پوچھی اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ آپ کی وجہ سے وہ سلطنت و ریاست سے محروم ہوا ہے۔

رسول خداؐ وہ پورا دن، پھر پوری رات اور پھر دوسرا دن مسلسل سفر میں رہے۔ آپ نے جب دیکھا کہ پورا لشکر تھک کر چور ہوگیا ہے تو آپ نے انہیں آرام کرنے کی اجازت دے دی۔ آپ نے جیسے ہی پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا تو ہر شخص لمبی تان کر سوگیا۔ اسی سفر میں آنحضرتؐ پر سورۂ منافقون عبداللہ ابن اُبَی اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی (اور اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے

عبداللہ بن اُبَی کے جملوں کو دہرایا)۔

اس سورۂ مجیدہ کے نزول کے بعد آنحضرتؐ نے زید بن ارقم کو کان سے پکڑ کر فرمایا: تیرے کانوں نے سننے میں اشتباہ نہیں کیا تھا اور تیرے کانوں نے سننے میں خیانت نہیں کی تھی۔

اس رئیس المنافقین کا ایک بیٹا تھا جو کہ انتہائی صاحب ایمان تھا۔ اس کے نام کے متعلق مورخین میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔ بعض مورخین نے اس کا نام عبداللہ اور بعض نے اس کا نام عبیداللہ لکھا ہے۔ جب رئیس المنافقین کے باایمان بیٹے کو اپنے باپ کی کارستانی کا پتا چلا تو وہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! میں نے سنا ہے کہ آپ میرے والد کو قتل کرانا چاہتے ہیں؟ اگر بالفرض آپ کا یہی ارادہ ہے تو پھر مجھے حکم دیں میں اس کی گردن کاٹ کر ابھی آپ کی خدمت میں حاضر کرنے پر آمادہ ہوں۔ میرے علاوہ آپ کسی دوسرے کو یہ حکم نہ دیں کیونکہ اگر آپ نے کسی اور سے میرے باپ کو قتل کرایا تو میں بشریت کے تقاضوں کے تحت اپنے باپ کے قاتل کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا پسند نہیں کروں گا اور میں اسے قتل کر دوں گا اور اگر ایسا ہوا تو ایک کافر کے بدلے میرے ہاتھوں ایک مومن قتل ہو جائے گا جس کی وجہ سے مجھے جہنم جانا پڑے گا۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں! میں اس سے مدارات کا سلوک کروں گا اور ہماری طرف سے وہ بھلائی کے علاوہ اور کچھ نہیں دیکھے گا۔[۱]

رئیس المنافقین کے باایمان فرزند کے دل میں باپ کے خلاف شدید نفرت تھی اور وہ اپنی نفرت کے اظہار کے لئے موقع کی تلاش میں تھا۔ جب رسول اکرمؐ وادی عقیق میں پہنچے، (یہ وادی مدینے کے قریب واقع ہے) تو عبداللہ بن ابی

۱۔ یہاں تک تاریخ طبری، ج ۲، ص ۲۶۱ سے نقل کیا گیا ہے۔

کا فرزند راستے پر کھڑا ہوگیا اور اپنے باپ کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ جیسے ہی اس کے باپ کا اونٹ قریب ہوا تو اس نے اونٹ کی مہار پکڑ کر اونٹ کو زمین پر لٹایا۔ پھر اس نے ایک پاؤں اونٹ کے زانو پر رکھا اور دوسرے ہاتھ سے اس نے اپنے باپ کو محمل سے اتار لیا اور کہا: جب تک رسول خداؐ تجھے مدینے میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے اس وقت تک میں تجھے مدینے میں داخل نہیں ہونے دوں گا اور میں یہ سلوک اس لئے کر رہا ہوں تاکہ تجھے پتا چل جائے کہ رسول اکرمؐ ہی شہر مدینہ کے معزز ترین فرد ہیں اور تو مدینے کا ذلیل ترین شخص ہے۔

وہاں سے گزرنے والے تمام مہاجرین و انصار نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

عبداللہ نے اپنے بیٹے سے کہا: انا اذل من الصبیان انا اذل من النساء. میں عورتوں اور چھوٹے بچوں سے بھی زیادہ ذلیل و خوار ہوں۔ میں اپنی ذلت کا اقرار کرتا ہوں۔

رئیس المنافقین کا باایمان بیٹا باپ کے اس اعتراف و اقرار پر قناعت کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ اتنے میں حضرت رسول اکرمؐ کا وہاں سے گزر ہوا اور آپ نے دیکھا کہ جوان بیٹا اپنے بوڑھے باپ کی بے عزتی کر رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: اسے کچھ نہ کہو اسے مدینے آنے دو۔

پھر آپ نے حضرت عمرؓ سے کہا: اگر میں اس دن تمہارا کہنا مان لیتا اور اس کو قتل کرا دیتا تو اس کے رشتہ داروں کو اذیت محسوس ہوتی اور یہ بھی ہوسکتا تھا کہ وہ اسلام کو چھوڑ دیتے۔ میں نے اسے کچھ نہ کہا اور اب تم نے اس کی حالت خود دیکھ لی ہے۔ اب وہ شماتت اعداء کا سامان بن چکا ہے اور اگر میں حکم دوں تو وہ خود ہی اسے قتل کردیں گے۔

حضرت عمرؓ نے کہا: بے شک مسلمانوں کی بھلائی آپ کے فرمان کی تعمیل میں مضمر ہے۔[1]

صدرالاسلام کے مسلمان دین اور رسول اکرمؐ کی شخصیت کو کائنات کی ہر چیز پر مقدم رکھتے تھے اور ان کی خواہش ہوتی تھی کہ ان کے نور نظر قتل ہوتے ہیں تو ہو جائیں لیکن رسول خداؐ کو کوئی اذیت نہ پہنچے۔

اپنے فرزند کی شہادت کو فراموش کرنے والی خاتون

جنگ احد میں لشکر اسلام کو شدید نقصان اٹھانا پڑا۔ اس جنگ میں ستر صحابہ شہید ہوگئے اور بہت سے افراد شدید زخمی ہوئے۔ اس جنگ میں حضرت خاتم الانبیاءؐ کو بھی زخم آئے۔ بہرنوع جنگ تمام ہوگئی اور رسول خداؐ شہداء کی تدفین سے فارغ ہو کر مدینے کی طرف آنے لگے تو آپ کے استقبال کے لئے تمام قبائل کے مرد اور عورتیں راستے پر آ کر کھڑے ہوگئے اور آنحضرتؐ کو زندہ سلامت دیکھ کر خدا کا شکر ادا کرنے لگے۔

بنی عبدالاشہل کے قبیلے میں سے سعد بن معاذ کی والدہ دوسرے لوگوں سے زیادہ آگے تھیں۔ اس وقت آنحضرتؐ کے گھوڑے کی باگ سعد کے ہاتھ میں تھی۔ سعد نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! یہ میری والدہ ہیں۔

رسول خداؐ نے فرمایا: مرحبا بھا. اسے خوش آمدید ہو۔

سعد کی والدہ آنحضرتؐ کے قریب آئیں تو آپ نے انہیں ان کے فرزند عمرو بن معاذ کی شہادت پر تسلی دی۔

سعد کی والدہ نے کہا: یارسول اللہؐ! اب جبکہ میں نے آپ کو زندہ

ا۔ تاریخ طبری، جلد دوم، ص۲۶۱۔ اونٹ سے اتارنے کا واقعہ ناسخ التواریخ، جلد دوم، ص۴۳ سے نقل کیا گیا ہے۔

سلامت دیکھ لیا ہے تو کسی مصیبت اور پریشانی کا میرے اوپر اثر نہیں ہے اور میرے لئے کچھ بھی مشکل نہیں رہا۔[1]

رسول خداؐ کی سواری انصار کی ایک عورت کے پاس سے گزری کہ جس کا شوہر اور بیٹا جنگ میں شہید ہو چکے تھے۔ مسلمانوں نے اس کے شوہر اور بیٹے کی شہادت کے لئے تسلی دی تو اس نے کہا: خدارا! مجھے یہ بتاؤ کہ رسول خداؐ کیسے ہیں؟

لوگوں نے اسے بتایا کہ جیسا تو چاہتی ہے رسول اکرمؐ، خدا کی مہربانی سے زندہ سلامت ہیں۔

اس خاتون نے کہا: میں آنجنابؐ کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتی ہوں۔

لوگ اسے مدینے کے راستے پر لے آئے اور جیسے ہی لوگوں نے اسے رسول خداؐ کی سواری کے آنے کی خبر دی اور اس کی نظر حبیب خداؐ پر پڑی تو اس نے بے ساختہ یہ جملے کہے:

کل مصيبة بعدک جلل. یارسول اللہؐ! آپ بحمداللہ صحیح سالم تشریف لائے ہیں اسی لئے اب بڑی سے بڑی مصیبت بھی چھوٹی دکھائی دیتی ہے۔[2]

جنگ احد کے زخمیوں نے علاج کیوں نہ کرایا؟

جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے کہ جنگ احد میں مسلمانوں کو شدید نقصانات سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ اس جنگ میں ستر صحابہ کرام شہید ہوئے تھے اور بہت سے زخمی ہوئے تھے۔ شہدائے اسلام کی تدفین سے فارغ ہو کر رسول اکرمؐ مدینے واپس تشریف لائے۔

۱۔ ناسخ التواریخ، جلد اول، ص ۳۸۹۔

۲۔ ابن اثیر، جلد ۲، ص ۱۰۷۔

جنگ احد ہجرت کے تیسرے سال پانچ شوال کے دن ہوئی تھی۔ جنگ میں ظاہری نقصان پہنچانے کے بعد اہل مکہ کا لشکر واپس لوٹ گیا لیکن دوسرے دن ابوسفیان نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ہم نے واپس آنے میں جلد بازی کی اور ہماری فتح مکمل نہ ہوسکی کیونکہ ابھی تک محمدؐ زندہ ہے اور اس بات کا امکان موجود ہے کہ مسلمان دوبارہ منظم ہو جائیں۔ اسی لئے ہمیں واپس جاکر شہر مدینہ پر حملہ کرنا چاہئے تا کہ ہم محمدؐ کو قتل کردیں اور مسلمانوں کی بچی کھچی قوت کو تباہ کردیں۔

ادھر رسول خداؐ کو بھی اس بات کی شدید فکر لاحق تھی کہ کہیں اہل مکہ کا لشکر واپس مدینے کا رخ نہ کرے۔ اسی لئے جیسے ہی دوسرا دن ہوا جو تیسری شوال تھی تو آپ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ وہ منادی کریں کہ خدا کا حکم یہ ہے کہ مسلمان کافروں کے لشکر کا تعاقب کریں اور اس تعاقب میں صرف وہی افراد شامل ہوں جنہوں نے جنگ احد میں شرکت کی ہو۔

جیسے ہی آپ کا فرمان عام ہوا تو تمام قبائل کے سردار اپنے قبائل میں گئے اور اپنے جوانوں کو تعاقب کا حکم دیا۔ سعد بن معاذ اپنے قبیلے بنی عبدالاشہل میں گئے اور اپنے قبیلے کے جوانوں کو تعاقب میں شامل ہونے کا حکم دیا۔ جبکہ اس وقت اس قبیلے کے اکثر جوان سخت زخمی تھے۔ اسید بن حضیر کو سات کاری زخم آئے تھے لیکن انہوں نے علاج چھوڑ کر جنگی ہتھیار اپنے بدن پر سجا لئے۔

بنی سلمہ میں سے چالیس زخمی تعاقب کے لئے آمادہ ہوئے۔ اس قبیلے میں سے طفیل بن نعمان کو تیرہ زخم لگے تھے، خراش انصاری کو دس زخم آئے تھے، کعب بن مالک کو دس سے زیادہ زخم لگے تھے اور عبداللہ بن سہل اور رافع بن سہل کو بھی بہت سے زخم آئے تھے۔

رافع اپنے بھائی کی بہ نسبت زیادہ زخمی تھے۔ انہوں نے اپنے بھائی سے

کہا: واللہ ان ترکنا غزاۃ مع رسول اللہ لغبنا واللہ ما عندنا دابۃ نرکبھا ما ندری کیف نصنع؟ خدا کی قسم اگر ہم اس جنگ میں رسول خداؐ کے ساتھ شریک نہ ہوئے تو ہمیں سخت نقصان اٹھانا پڑے گا۔ لیکن ہمارے پاس سواری کے لئے کوئی جانور تک بھی موجود نہیں ہے۔ ہم حیران ہیں کہ اب ہم کیا کریں؟

عبداللہ نے اپنے بھائی سے کہا: جیسے بھی ہو ہمیں شامل ہونا چاہئے تاکہ ہم اس عظیم نعمت سے کہیں محروم نہ رہ جائیں۔

پھر دونوں بھائی خدا کا نام لے کر شدید زخمی حالت میں چل پڑے۔ راستے میں رافع زیادہ زخموں کی وجہ سے چلنے سے عاجز آ گئے اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ جب وہ بے ہوش ہوئے تو ان کے دوسرے بھائی عبداللہ نے انہیں اپنی پشت پر سوار کیا اور اس حالت میں وہ رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

جب پیغمبر اکرمؐ نے ان کی یہ حالت ملاحظہ فرمائی تو آپ نے کہا: اللّٰھم ارحم بنی سلمۃ. اے خدایا! بنی سلمہ پر رحم فرما۔

الغرض تمام زخمیوں نے علاج معالجہ کو چھوڑ دیا اور دشمن کے تعاقب میں چل پڑے۔ جنگ احد میں حضرت علیؑ کو نوے زخم آئے تھے۔[1] اس کے باوجود بھی آپ رسول خداؐ کے ساتھ روانہ ہوئے اور زخمیوں کے اس لشکر نے مدینے سے آٹھ میل دور حمراء الاسد کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔

جب ابوسفیان کو معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا لشکر اس کے تعاقب میں روانہ ہوا ہے تو اس نے مکے جانے میں ہی اپنی عافیت سمجھی۔[2]

۱۔ پند تاریخ کی جلد پنجم میں حضرت علیؑ کے زخموں کا مکمل ذکر موجود ہے۔

۲۔ ناسخ التواریخ، جلد۲۔ تاریخ طبری، جلد۲، ص۲۱۰۔

تاریخ اسلام کا پہلا شہید کون تھا؟

حضرت عمارؓ کے والد یاسرؓ اپنے دوسرے دو بھائیوں حارث اور مالک کے ساتھ اپنے ایک گم شدہ بھائی کی تلاش کے لئے مکہ آئے۔ کچھ دنوں بعد حارث اور مالک تو اپنے وطن یمن چلے گئے لیکن یاسر کو مکہ پسند آ گیا۔ انہوں نے یمن جانے سے انکار کردیا۔ پھر کچھ دنوں بعد ابوحذیفہ نے اپنی کنیز سمیہ کے ساتھ ان کا نکاح کیا جس سے حضرت عمارؓ پیدا ہوئے۔ ابوحذیفہ نے انہیں آزاد کردیا۔ جب رسول خداؐ نے اعلان نبوت کیا تو تیس پینتیس افراد کے بعد یاسر نے بھی اسلام قبول کرلیا۔

قرآن مجید کی آیت: **من کفر باللّٰہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان.** جو شخص بھی ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرے علاوہ اس کے کہ جو کفر پر مجبور کردیا جائے، کے متعلق فخرالدین رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں یہ واقعہ درج کیا ہے کہ کفار نے ابتدائی دور کے مسلمانوں عمارؓ، یاسرؓ، سمیہؓ، صہیبؓ، بلالؓ اور خبابؓ وغیرہ کو اس قدر ستایا کہ یاسرؓ اور سمیہؓ کو قتل کر ڈالا اور عمارؓ پر اس قدر دباؤ ڈالا کہ انہوں نے عاجز آ کر زبان پر کلمۂ کفر جاری کردیا جس پر اصحاب میں شور ہوگیا کہ عمارؓ کافر ہوگئے۔

سرکار دوعالمؐ کو اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا: عمار سر سے پاؤں تک اسلام سے معمور ہے اور ایمان اس کے رگ و پے میں سرائیت کر چکا ہے۔

پھر عمار روتے ہوئے حاضر ہوئے تو آپ نے اپنے دست مبارک سے ان کے آنسو صاف کئے اور فرمایا: وہ لوگ دوبارہ جبر کریں تو پھر وہی کلمات ادا کر دینا کہ رب العالمین نے تمہاری شان میں یہ آیت نازل فرمائی ہے۔

عمارؓ کی والدہ پر بنی مخزوم کے افراد نے ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ دیئے اور

ان سے کہا کہ وہ اسلام سے دستبردار ہو جائیں لیکن انہوں نے اسلام چھوڑنا قبول نہ کیا یہاں تک کہ شہید کردی گئیں۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ رسول خداؐ ابطح کے ریگستان سے گزرے تو آپ نے دیکھا کہ عمارؓ اور ان کے والد یاسرؓ اور اس کی والدہ سمیہؓ کو مکے کے مشرک گرم ریت پر لٹا کر اذیتیں دے رہے تھے۔

رسول خداؐ نے ان سے فرمایا: صبرا آل یاسر موعدکم الجنة. اے خاندان یاسر! صبر کرو، تمہاری جزا جنت ہے۔

سعید بن جبیرؓ کا بیان ہے کہ میں نے ابن عباسؓ سے پوچھا: کیا کفار مکہ مسلمانوں کو اتنی اذیت دیتے تھے کہ ان کے لئے کلمہ کفر کہنا جائز ہو جاتا تھا؟

ابن عباسؓ نے کہا: جی ہاں! خدا کی قسم وہ اتنا تشدد کرتے اور بھوکا پیاسا رکھتے تھے کہ تشدد کا شکار ہونے والے افراد بیٹھ نہیں سکتے تھے اور پھر اتنا ظلم کرتے تھے کہ ان کے لئے کلمۂ کفر ادا کرنا جائز ہوجاتا تھا اور وہ ان سے کہتے تھے کہ لات وعزیٰ تیرے خدا ہیں تو مسلمانوں کو مجبور ہو کر ہاں کہنا پڑتی تھی اور کبھی وہ ظالم کسی سوسمار (گوہ) کو دیکھ کر کہتے کہ یہ سوسمار تیرا خدا ہے تو مظلوم مسلمان کو اعتراف کرنا پڑتا تھا۔[1]

طوق سمیت منطقۂ کفر سے فرار کرنے والا

ہجرت کے چھٹے سال رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چودہ سو صحابہ کو ساتھ لے کر عمرہ کرنے کے لئے مکے کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ اپنے ساتھ ستر اونٹ قربانی کے لئے بھی لے گئے تھے۔

۱۔ تفسیر مجمع البیان، جلد ۶، ص ۳۸۸۔ داستان عمارؓ کو ہم نے تفسیر مجمع البیان سے نقل کیا ہے۔

جب قریش کو آنحضرتؐ کی آمد کا پتا چلا تو انہوں نے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

بدیل بن ورقاء اپنے قبیلے کے چند افراد کو ساتھ لے کر آیا اور مقام حدیبیہ پر اس کی آنحضرتؐ سے ملاقات ہوئی اور اس نے آپ سے کہا: قریش جنگ کی تیاری کر چکے ہیں اور وہ آپ کو مکے میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: ہم جنگ کرنے نہیں آئے۔ ہم تو صرف عمرہ ادا کرنے کی غرض سے آئے ہیں۔ اگر قریش امن چاہتے ہیں تو وہ ہمیں عمرہ ادا کرنے دیں اور ہم عمرہ کے فوراً بعد مکے سے باہر آجائیں گے اور اگر وہ ہر قیمت پر مزاحمت کے خواہش مند ہوں تو پھر ہم بھی جنگ کریں گے۔

بدیل بن ورقاء قریش کے پاس آیا اور اس نے ان کو آنحضرتؐ کی پیشکش سے مطلع کیا۔ عروہ بن مسعود ثقفی نے قریش سے کہا کہ یہ شخص صحیح کہہ رہا ہے اور اس نے تمہاری بھلائی چاہی ہے۔ لہذا تم اس کا کہا مان لو اور مجھے آنحضرتؐ کے پاس جانے کی اجازت دو۔ میں قریب سے ان سے گفتگو کرنے کا خواہش مند ہوں۔

عروہ قریش کا نمائندہ بن کر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے آنحضرتؐ سے گفتگو کی اور اس نے یہ بھی دیکھا کہ اصحاب کس طرح سے رسول اکرمؐ کا احترام کرتے تھے۔ جب وہ حدیبیہ سے قریش کے پاس واپس مکے آیا تو اس نے قریش سے کہا: میں نے بڑے بڑے بادشاہ دیکھے ہیں اور میں قیصر، کسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں بھی گیا ہوں۔ جتنا احترام و جلال محمدؐ کو اپنے اصحاب میں حاصل ہے وہ کسی بھی بادشاہ کو اپنے دربار میں حاصل نہیں ہے۔ خدا کی قسم جب وہ تھوکتے ہیں تو ان کے اصحاب ان کے تھوک کو زمین پر آنے نہیں دیتے۔ وہ

اسے اپنے ہاتھوں پر لیتے ہیں اور جب محمدؐ وضو کرتے ہیں تو ان کے اصحاب ان کے وضو کے پانی کو زمین پر نہیں آنے دیتے۔ وہ اسے متبرک سمجھ کر حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور محمدؐ جب بھی کوئی حکم دیتے ہیں تو ان کے صحابہ بڑھ چڑھ کر ان کا حکم بجالاتے ہیں اور ان کی موجودگی میں صحابہ بلند آواز سے گفتگو نہیں کرتے اور صحابہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات نہیں کرتے۔

بعد ازاں فریقین کے نمائندے ایک دوسرے کے پاس گئے۔ آخر میں قریش نے سہیل بن عمرو کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا اور اس نے آنحضرتؐ سے کہا کہ ہم آپ سے اس شرط پر مصالحت کرسکتے ہیں کہ آپ اس بار واپس چلے جائیں اور آئندہ سال آپ عمرہ ادا کریں۔ اس سلسلے میں ان کے درمیان کافی گفتگو ہوئی یہاں تک کہ صلح پر بات ٹھہری۔

رسول اکرمؐ نے حضرت علیؑ کو بلا کر فرمایا کہ تم صلح نامہ کی عبارت لکھو۔

حضرت علیؑ نے صلح نامے کے سرنامے پر **بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم. ھذا ما صالح علیہ محمد رسول اللّٰہ** لکھا۔

سہیل بن عمرو نے کہا: ہمیں معاہدہ کے یہ الفاظ منظور نہیں ہیں۔ تم **بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم.** کی بجائے **باسمک اللّٰھم** لکھو۔ پھر سہیل نے کہا کہ اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول مانتے تو ہم آپ کے ساتھ جنگ ہی کیوں کرتے؟ آپ اس کی بجائے ''محمدؐ بن عبداللہ'' کے الفاظ لکھوائیں۔

رسول اکرمؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: آپ ''محمد رسول اللہ'' کی بجائے ''محمدؐ بن عبداللہ'' لکھیں۔

حضرت علیؑ نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! میں اپنے ہاتھ سے آپ کے نام سے ''رسول اللہ'' کے الفاظ مٹا نہیں سکتا۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: صلح نامہ میرے حوالے کرو۔

جب صلح نامہ آپ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے ''رسول اللہ'' کے الفاظ اپنے لعاب دہن سے مٹا دیئے۔ اس کے بعد حضرت علیؑ نے صلح نامے میں یہ عبارت تحریر کی: هذا ما صالح علیه محمد بن عبدالله و سهیل بن عمرو.

صلح نامے میں حسب ذیل شرائط تحریر کی گئیں:

۱۔ فریقین میں دس سال تک جنگ نہ ہوگی۔

۲۔ مکے کا جو شخص اپنے ولی کی اجازت کے بغیر مسلمان ہو کر مدینے چلا جائے گا تو مسلمان اسے قریش کو واپس کرنے کے پابند ہوں گے۔

۳۔ اگر مدینے کا کوئی شخص مکے آئے گا تو قریش اسے واپس کرنے کے پابند نہیں ہوں گے۔

۴۔ عرب قبائل کو اختیار ہوگا کہ وہ فریقین میں سے جس سے چاہیں معاہدہ کرسکیں گے۔

۵۔ مسلمان اس مرتبہ عمرہ نہیں کریں گے اور انہیں آئندہ سال عمرہ ادا کرنے کی اجازت ہوگی۔ مگر وہ مکے میں تین دن سے زیادہ قیام نہیں کریں گے اور تلوار کے علاوہ اپنے ساتھ مزید کوئی ہتھیار نہیں لائیں گے اور ان کی تلواریں بھی نیاموں میں بند ہوں گی۔

اس صلح نامے کے بعد قبیلہ خزاعہ نے مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کیا اور بنی بکر نے قریش کے ساتھ معاہدہ کیا۔ ابھی صلح نامے کی شرائط لکھی جارہی تھیں کہ سہیل بن عمرو کا بیٹا جو کہ مسلمان ہوچکا تھا اور سہیل نے اسے طوق اور زنجیروں میں قید کیا ہوا تھا، کسی نہ کسی طرح سے مسلمانوں کے پاس پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ سہیل نے جیسے ہی اپنے بیٹے کو دیکھا تو اس نے کہا کہ معاہدے کی شرائط کے تحت

میرا بیٹا میرے حوالے کیا جائے۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: ابھی تو صرف شرائط طے ہوئی ہیں۔ ابھی فریقین میں سے کسی نے اس پر اپنے دستخط نہیں کیئے۔ لہذا تم اپنا بیٹا ہمارے پاس رہنے دو۔

سہیل نے کہا: اگر آپ میرا بیٹا میرے حوالے نہیں کرتے تو ہم صلح ہی نہیں کرتے۔

آنحضرتؐ نے اس سے فرمایا: اس ایک آدمی کو مجھے دے دو۔ لیکن سہیل نے قبول نہ کیا۔

پیغمبر اکرمؐ نے اس سے فرمایا: اچھا تم اپنے بیٹے کو لے جاؤ۔ مگر اس پر کسی قسم کا ظلم و تشدد نہ کرنا۔

مکرز بن حفص نے ضمانت دی کہ اسے کچھ نہیں کہا جائے گا۔

سہیل کے بیٹے ابوجندل نے چیخ کر مسلمانوں سے کہا: اے مسلمانو! مجھے مشرکین کے حوالے نہ کرو۔ میں مسلمان ہو کر تمہارے پاس آیا ہوں۔ تمہیں کچھ معلوم نہیں ہے کہ انہوں نے مجھ پر کتنا تشدد کیا ہے؟

رسول اکرمؐ نے ابوجندل سے فرمایا: صبر کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا۔ ہم شرائط طے کر چکے ہیں۔ اب ہم شرائط کے پابند ہیں اور ہم اپنی طرف سے کسی قسم کی خیانت نہیں کریں گے۔

جیسے ہی صلح نامے پر دستخط ہوگئے تو سہیل نے کیکر کے درخت کی ایک شاخ اٹھائی جس میں بہت سے کانٹے لگے ہوئے تھے، پھر اس نے کانٹوں بھری شاخ سے اپنے بیٹے ابوجندل کو اتنا پیٹا کہ اس کا چہرہ لہو لہان ہوگیا۔ مسلمان بڑی بے بسی سے یہ ہولناک منظر دیکھتے رہے اور کوئی بھی اس کی مدد نہ کرسکا۔ مسلمان اپنی بے بسی پر خاموشی سے آنسو بہاتے رہے۔

پیغمبر اکرمؐ نے صحابہ سے فرمایا: تم ابوجندل کو اس کے باپ کے ساتھ جانے دو۔ اگر یہ اخلاص قلب سے ایمان لایا ہوگا تو اللہ تعالیٰ اسے جلد نجات فراہم کرے گا۔[1]

یہ صلح نامہ اسلام کے مفاد پر منتج ہوا کیونکہ اس صلح نامے کے بعد کئی گنا افراد نے اسلام قبول کیا۔

مصالحت کرنے کے بعد رسول خداؐ مدینے تشریف لائے۔ کچھ عرصے بعد مکے کا ایک جوان جس کا نام ابوبصیر تھا وہ مکے سے بھاگ کر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ابوبصیر کی واپسی کے لئے ازہر بن عبدعوف اور اخنس بن شریق نے آنحضرتؐ کو ایک خط لکھا اور انہوں نے اپنے خط کے ساتھ بنی عامر کے ایک شخص اور اپنے غلام کو مدینے بھیجا۔ مذکورہ افراد نے وہ خط آپ کی خدمت میں پہنچایا اور ابوبصیر کی واپسی کا مطالبہ کیا۔

رسول اکرمؐ نے ابوبصیر سے فرمایا: تمہیں معلوم ہے کہ ہم نے قریش سے ایک معاہدہ کیا ہوا ہے اور ہمارا دین ہمیں معاہدہ توڑنے کی اجازت نہیں دیتا۔ لہذا تم ان دونوں اشخاص کے ساتھ واپس مکے چلے جاؤ۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان سن کر ابوبصیر ان کے ساتھ چل پڑا اور جب وہ مقام ذی الحلیفہ پر پہنچے تو ابوبصیر نے مذاق مذاق میں ایک سے تلوار لے لی اور پھر اس نے بنی عامر کے شخص کو قتل کر دیا۔ جب غلام نے یہ دیکھا تو وہ جان بچا کر مکے کی طرف بھاگ گیا۔

ابوبصیر وہاں سے واپس مدینے آیا اور رسول اکرمؐ کو اپنا تمام واقعہ بتا کر کہا کہ یارسول اللہؐ! آپ نے تو معاہدے کی پاسداری کی ہے لیکن خدا نے مجھے

۱۔ ابوجندل کے فرار کا واقعہ ہم نے ناسخ التواریخ کی جلد۲، ص۲۲۰ سے نقل کیا ہے۔

ان سے نجات دلائی ہے۔

رسول اکرمؐ نے صحابہ کی طرف دیکھ کر فرمایا: **ویل امه مسعر حرب لو کان له رجال**. اگر اس کو ساتھی مل جائیں تو یہ جنگ کے شعلے بھڑکا دے گا۔

ابوبصیر نے جب آنحضرتؐ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سنے تو اسے یقین ہوگیا کہ آپ اسے اہل مکہ کے حوالے کرنے سے کبھی دریغ نہیں کریں گے۔ پھر اس نے مدینے کو چھوڑ دیا اور ''ذی المرہ'' کے مقام پر ڈیرہ لگا لیا۔ ''ذی المرہ'' سمندر کے قریب قریش کے تجارتی کاروانوں کے راستے میں پڑتا تھا۔ جب مکے میں قید مسلمانوں کو پتا چلا کہ ابوبصیر نے ''ذی المرہ'' پر ڈیرہ لگا لیا ہے تو وہ بھی آہستہ آہستہ مکے سے بھاگ کر اس کے پاس جمع ہوگئے اور یوں وہاں ستر افراد اکٹھے ہوگئے۔ قریش کا جو قافلہ وہاں سے گزرتا تو وہ اسے لوٹ لیتے تھے۔

آخرکار قریش ان کی کارروائیوں سے تنگ آ گئے اور انہوں نے رسول اکرمؐ کو پیغام بھیجا کہ خدا کے لئے آپ انہیں مدینے آنے کی اجازت دیدیں۔ آئندہ ہم آپ سے کسی بھی منحرف شخص کی واپسی کا مطالبہ نہیں کریں گے۔

رسول اکرمؐ نے ابوبصیر اور اس کے ساتھیوں کے نام ایک خط تحریر کیا جس میں انہیں مدینے آنے کی دعوت دی۔

جب آنحضرتؐ کا خط ابوبصیر کو ملا تو اس وقت اس پر نزع کا عالم طاری تھا۔ اس نے رسول اکرمؐ کے نام مبارک کو بوسہ دیا اور اپنے چہرے پر ملا۔ کچھ دیر بعد ابوبصیر کی وفات ہوگئی۔

ابوجندل نے اسے لحد میں اتارا اور اس کی قبر کے قریب ایک مسجد تعمیر کی اور باقی مسلمانوں کو ساتھ لے کر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔[1]

۱۔ کامل ابن اثیر، جلد۲، ص۱۳۰ تا ۱۳۴۔

ایک خاتون کی دینداری

ام حبیبہ، ابوسفیان کی صاحبزادی تھیں۔ ابوسفیان نے ان کا نکاح عبداللہ بن جحش سے کیا تھا۔ ان کا اصلی نام رملہ تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکے میں تبلیغ دین کی تو میاں بیوی دونوں نے اسلام قبول کیا۔ رملہ کو خدا نے ایک بیٹی دی تھی جس کا نام اس نے حبیبہ رکھا تھا۔ بچی کے نام کی وجہ سے بی بی ام حبیبہ کی کنیت سے مشہور ہوگئیں۔

جب قریش کے مظالم میں اضافہ ہوا تو بہت سے افراد نے رسول اکرمؐ کے فرمان پر حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے مہاجرین میں ام حبیبہ اور ان کے شوہر بھی شامل تھے۔

جب مہاجرین کا قافلہ حبشہ پہنچا تو وہاں ام حبیبہ کا شوہر مرتد ہوگیا اور اس نے عیسائیت کا نظریہ قبول کرلیا اور وہ ارتداد کی حالت میں ہی حبشہ میں مرگیا۔

ام حبیبہ کے شوہر نے عیسائیت قبول کرنے کے لئے اپنی بیوی کو بہت مجبور کیا مگر انہوں نے اسلام چھوڑنے سے انکار کردیا۔

شوہر کی وفات کے بعد ام حبیبہ نے خواب دیکھا کہ ایک شخص نے اسے ''ام المؤمنین'' کہہ کر سلام کیا۔ جب وہ خواب سے بیدار ہوئیں تو انہوں نے اس خواب کی تعبیر یہ کی کہ عنقریب وہ رسول اکرمؐ کی زوجہ بننے کا شرف حاصل کرنے والی ہیں۔

حضرت رسول اکرمؐ نے ہجرت مدینہ کے بعد ام حبیبہ کے نام ایک خط تحریر کیا جس میں آپ نے انہیں اپنے عقد میں آنے کی پیشکش کی۔ آپ نے وہ خط لکھ کر عمرو بن امیہ کے حوالے کیا اور اس سے فرمایا کہ وہ آپ کا یہ خط لے کر

حبشہ میں نجاشی کے پاس جائے۔

عمرو بن امیہ، نجاشی کے دربار میں پہنچا اور اس نے آنحضرتؐ کا نامہ مبارک اس کے سپرد کیا۔

نجاشی نے آپ کے نامہ مبارک کو پڑھا تو اپنی کنیز ''ابرحہ'' کو ام حبیبہ کے پاس خوشخبری کے لئے روانہ کیا۔

ام حبیبہ نے جیسے ہی یہ خوشخبری سنی تو انہوں نے اپنے تمام زیور اتار کر اسے تحفے میں دیئے پھر ام حبیبہ نے اپنے عقد کا وکیل خالد بن سعید بن عاص کومقرر کیا۔

نجاشی نے نکاح کے لئے محفل آراستہ کرائی جس میں حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کے علاوہ دیگر مہاجرین حبشہ نے بھی شرکت کی۔

رسول اکرمؐ کی طرف سے نجاشی خود وکیل بنا اور اس نے خطبہ نکاح پڑھا اور کہا کہ رسول اکرمؐ نے مجھے ام حبیبہؓ کے نکاح کا وکیل مقرر کیا ہے اور میں ام حبیبہؓ کا حق مہر چارسو دینار مقرر کرتا ہوں۔

نجاشی کے بعد خالد بن سعید نے ام حبیبہ کی طرف سے خِطبہ پڑھا اور ام حبیبہ کی طرف سے نکاح قبول کرنے کا اعلان کیا۔

نجاشی نے حق مہر کی رقم اس کے حوالے کی۔ پھر نجاشی نے حاضرین کو دعوت ولیمہ دیؐ۔

خالد بن سعید نے مذکورہ رقم ام حبیبہؓ کے سپرد کی۔ ام حبیبہؓ نے اس میں سے پچاس دینار نجاشی کی کنیز ابرحہ کو بھجوائے اور اس کے ساتھ کہلا بھیجا کہ جس روز تم نے مجھے اس نکاح کی بشارت دی تھی اس وقت میرے پاس کوئی رقم نہیں تھی ورنہ اسی روز تمہیں انعام دے دیتی۔

نجاشی کی کنیز نے ام حبیبہؓ کے تمام زیورات اور پچاس دینار ان کے پاس واپس بھیجے اور یہ کہلا بھیجا: میں آپ کے انعام کی قدر کرتی ہوں لیکن آپ دلہن ہیں اور آپ اپنے شوہر کے گھر جارہی ہیں، اسی لئے آپ کو مال و دولت کی زیادہ ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ آپ ایک بچی کی ماں بھی ہیں۔ میری آپ سے بس یہی خواہش ہے کہ جب آپ اپنے شوہر نامدار رسول اکرمؐ کی خدمت میں پہنچیں تو میری طرف سے انہیں سلام عرض کرنا اور کہنا کہ ابرحہ کہہ رہی تھی کہ میں آپ کے دین پر ہوں اور آپ پر درود و سلام بھیجتی ہوں۔

پیغمبر اکرمؐ نے شرجیل کو حبشہ بھیجا اور وہ ام حبیبہ کو اپنے ساتھ مدینے لے آئے۔ ام حبیبہ رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ انہوں نے رسول اکرمؐ کی خدمت میں ابرحہ کا سلام پیش کیا۔ حبیب خداؐ نے اس کے جواب میں فرمایا: **علیھا السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ.**

جب ابوسفیان کو معلوم ہوا کہ رسول اکرمؐ اس کے داماد بن چکے ہیں تو اس نے کہا: **ذاک الفحل لا یقرع انفہ.** اس شخص کی ناک کو رگڑا نہیں جاسکتا۔[1]

صلح حدیبیہ کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ وہ چاہیں تو مسلمانوں سے معاہدہ کریں اور اگر چاہیں تو قریش سے معاہدہ کریں۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد بنی خزاعہ نے رسول اکرمؐ کے ساتھ معاہدہ کرلیا تھا اور بنی بکر نے قریش سے معاہدہ کیا تھا۔

پھر ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ بنی بکر کا ایک شخص رسول اکرمؐ کی ہجو میں کچھ اشعار پڑھ رہا تھا کہ بنی خزاعہ کے ایک آدمی نے وہ اشعار سن لئے اور اس نے اسے لعنت ملامت کی۔ اس وجہ سے دونوں قبیلوں میں جنگ بھڑک اٹھی۔ قریش

۱۔ ناسخ التواریخ، جلد۲، ص۳۲۶۔

نے خفیہ طور پر بنی بکر کی مدد کی اور انہوں نے قریش کی مدد سے بنی خزاعہ پر شب خون مارا جس میں بنی خزاعہ کے کچھ افراد مارے گئے۔

معاہدے کی خلاف ورزی کے بعد عمرو بن سالم خزاعی مدینے آیا اور اس نے آنحضرتؐ کی خدمت میں کچھ اشعار پڑھے جس میں قریش کی معاہدہ شکنی کا تذکرہ کیا اور رسول اکرمؐ سے مدد کی درخواست کی۔

دوسری طرف قریش کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ ان کی وعدہ شکنی کی وجہ سے رسول اکرمؐ انہیں سزا دیں گے اور ان پر حملہ کردیں گے۔ اس مسئلے سے نمٹنے کے لئے قریش نے ایک اجلاس منعقد کیا جس میں یہ طے پایا کہ ابوسفیان معاہدے کی تجدید کے لئے مدینے جائے اور آنحضرتؐ کو جوابی کارروائی سے روکے۔

ان ہی ایام میں رسول اکرمؐ نے صحابہ سے فرمایا: عنقریب ابوسفیان معاہدے کی تجدید اور معاہدے کی مدت بڑھانے کے لئے آئے گا لیکن وہ ہمارے ہاں سے ناامید ہو کر واپس لوٹے گا۔ آنحضرتؐ کا یہ فرمان سچ ثابت ہوا۔

چند دن گزرنے کے بعد ابوسفیان مدینے آیا اور وہ اپنی بیٹی ام حبیبہؓ کے حجرے میں گیا جہاں رسول اکرمؐ کا بستر بچھا ہوا تھا۔ ابوسفیان نے بستر پر بیٹھنے کا ارادہ کیا تو ام حبیبہؓ نے آنحضرتؐ کا بستر لپیٹ کر ایک طرف کردیا۔

ابوسفیان نے بیٹی سے کہا: کیوں کیا بات ہے کہ تو نے مجھے اس بستر کے لائق نہیں سمجھا یا اس بستر کو میرے قابل نہیں سمجھا؟

ام حبیبہؓ نے کہا: **بل هو فراش رسول الله وانت مشرک نجس فلم احب ان تجلس علیه.** یہ رسول خداؐ کا بستر ہے اور تو مشرک اور نجس ہے۔ اسی لئے میں نے تیرا اس پر بیٹھنا پسند نہیں کیا۔

ابوسفیان نے کہا: بیٹی! تجھے بہت سے مصائب کا سامنا کرنا پڑا ہے۔

ام حبیبہؓ نے کہا: مجھ پر کوئی مصیبت وارد نہیں ہوئی۔ اللہ نے مجھ پر احسان کیا کہ اس نے مجھے اسلام کی ہدایت عطا فرمائی۔

ابوسفیان معاہدے کی تجدید کے لئے رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ رسول اکرمؐ نے اس کی درخواست قبول نہ کی۔ پھر اس نے مدینے میں بہت سی بااثر شخصیات سے ملاقاتیں کیں لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکا۔ آخرکار ناامید ہوکر وہ مکہ لوٹ گیا۔ اسکے تھوڑے عرصے بعد رسول اکرمؐ نے مکہ فتح کرلیا۔[1]

شہادت ہے مقصود و مطلوب مومن

ہجرت کے آٹھویں برس جنگ موتہ پیش آئی۔ اس جنگ میں رسول اکرمؐ نے خود شرکت نہیں کی تھی۔ آپ نے اس جنگ کے لئے تین ہزار صحابہ پر مشتمل فوج تشکیل دی۔ آپ نے حضرت علیؑ کے بڑے بھائی حضرت جعفر بن ابی طالبؑ کو سالار لشکر مقرر کیا اور ان کے ہاتھ میں علم دیا اور جب فوج کو آپ روانہ کرنے لگے تو فرمایا: جب تک جعفر زندہ رہیں وہی سالار لشکر ہوں گے اور اگر وہ شہید ہو جائیں تو زید بن حارثہ سالار ہوں گے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ امیر لشکر ہوں گے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو اہل لشکر اپنا امیر خود ہی منتخب کریں گے۔ اس کے بعد آپ نے لشکر کو کچھ مزید ہدایات دیں اور انہیں روانہ کیا۔

زید بن ارقمؓ بچپن میں یتیم ہوگئے تھے اور انہوں نے عبداللہؓ بن رواحہ کے پاس پرورش پائی تھی۔ اس سفر میں وہ عبداللہ بن رواحہ کے ساتھ ایک ہی اونٹ پر بیٹھے تھے۔

زیدؓ کا بیان ہے کہ ایک دن ہم مصروف سفر تھے اور میں عبداللہؓ کی کمر کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ اس وقت عبداللہ نے کچھ شعر پڑھے جن سے ان کی

۱۔ کامل ابن اثیر، جلد۲، ص ۱۵۷۔

شہادت طلبی کی خوشبو آتی تھی۔ ان میں ایک شعر یہ تھا:

وابَ المسلمون و خلفونی

بارض الشام مشتهر التواء

مسلمان خود واپس چلے آئے اور مجھے ہلاکت سے لبریز شام کی زمین پر چھوڑ گئے۔

زیدؓ کہتے ہیں کہ جیسے ہی میں نے ان سے یہ شعر سنا تو مجھ میں صبر کا یارا نہ رہا۔ میں زور زور سے رونے لگا اور جب میرے رونے کی صدا بلند ہوئی تو عبداللہ نے مجھے غصے سے (طبری کی روایت کے مطابق مجھے تازیانہ مار کر) مخاطب کرتے ہوئے کہا: ماعليك يا لكع ان يرزقني الله الشهادة فاستريح من الدنيا وهمومها و احزانها و احداثها و ترجع انت بين شعبتي الرحل. کم بخت! تیرا اس میں کیا نقصان ہے اگر اللہ مجھے شہادت عطا فرمائے اور تو اپنے قبیلے کی طرف لوٹ جائے؟

اس کے بعد عبداللہؓ اونٹ سے نیچے اترے، نماز پڑھی اور انہوں نے رو رو کر خدا سے شہادت طلب کی۔

دعا سے فارغ ہونے کے بعد انہوں نے مجھ سے کہا: مجھے یقین ہے کہ خدا نے میری درخواست قبول کر لی ہے اور وہ مجھے شہادت کی دولت سے مالا مال کرے گا۔

پھر وہ زمین سے اٹھے اور اونٹ پر سوار ہوئے اور لشکر کے ساتھ چل پڑے۔ حضرت جعفرؓ جنگ میں شہید ہوئے تو حضرت زیدؓ نے علم اسلام کو ہاتھوں میں لیا۔ کچھ دیر بعد زیدؓ شہید ہوئے تو علم اسلام عبداللہؓ بن رواحہ نے اٹھایا اور عجیب اتفاق ہے کہ اس دن حضرت عبداللہؓ تین روز کے بھوکے تھے۔ ان کے ایک

رشتہ دار نے انہیں گوشت کا ایک پارچہ کھانے کو دیا لیکن انہیں جعفر اور زید کی موت یاد آئی۔ انہوں نے گوشت کا ٹکڑا منہ سے نکال کر زمین پر پھینک دیا اور اپنے آپ سے کہنے لگے: اے جان عزیز! کیا تو جعفر و زید کے بعد بھی ابھی تک زندہ ہے؟

پھر انہوں نے رومیوں کے لشکر پر تابڑتوڑ حملے شروع کردیئے۔ ابھی تک شاید ان کے دل کے کسی حصے میں زندہ رہنے کی خواہش باقی تھی۔ انہوں نے اپنے باطن سے جہاد کیا اور اپنے نفس کو شہادت پر آمادہ کیا۔ اس کے بعد انہوں نے رومیوں پر ایک زوردار حملہ کیا۔ اس حملے میں ان کی ایک انگلی پر گہری ضرب لگی جس سے اس کی ہڈی ٹوٹ گئی اور صرف کھال باقی رہ گئی اور کھال سے ان کی انگلی لٹک رہی تھی جس کی وجہ سے ان کے حملوں میں کمی واقع ہو رہی تھی۔ انہوں نے اپنی انگلی کو اپنے پاؤں کے نیچے رکھ کر زور سے اپنے ہاتھ کو جھٹکا دیا جس سے انگلی سے لگی ہوئی کھال جدا ہوگئی اور ان کی انگلی دور جا گری۔

پھر انہوں نے اپنے آپ سے کہا: اے نفس! میں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے اور غلاموں کو آزاد کردیا ہے اور اپنے باغات رسول اکرمؐ کو دے چکا ہوں۔ اب دنیا میں تیری آسائش کا کوئی سامان باقی نہیں رہا۔ پھر تو شہادت سے گریزاں کیوں ہے؟

انہوں نے اپنے دل کو شہادت کے لئے مضبوط کیا اور مضبوط دل کے ساتھ ایک دلیرانہ حملہ کیا اور اس حملے کے دوران وہ گھوڑے سے اترے اور دونوں ہاتھوں سے شمشیر زنی کے جوہر دکھائے۔ یہاں تک کہ لڑتے لڑتے شہید ہوگئے۔[1]

چہ خوش رسمی بنا کردند بخاک و خون غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

۱۔ ناسخ التواریخ، جلد۲، ص ۳۳۸ تا ۳۴۱۔

چند مسلمانوں کے قتل پر رسول اکرمؐ کے تاثرات

فتح مکہ کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لشکر کے بہت سے دستے بنائے اور ان دستوں کو مختلف قبائل کی طرف تبلیغ اسلام کے لئے روانہ کیا۔

آپ نے خالد بن ولید کو بھی ایک دستے کا امیر مقرر کیا اور اسے قبیلہ بنی جذیمہ کی طرف روانہ کیا۔ اس سفر میں خالد کے ساتھ عبدالرحمٰن بن عوف بھی شریک تھا۔

بنی جذیمہ کی سابقہ تاریخ یہ تھی کہ وہ چوری چکاری کیا کرتے تھے اور انہوں نے زمانۂ جاہلیت میں عبدالرحمٰن بن عوف کے والد عوف بن عبدعوف اور خالد بن ولید کے چچا فاکہ بن مغیرہ کو ان کے ایک سفر تجارت کے دوران ہلاک کیا تھا اور ان کا سامان چوری کر لیا تھا۔

خالد اپنے ہتھیار بند دستے کو لے کر بنی جذیمہ کی سرزمین پر پہنچا۔ جب بنی جذیمہ کے لوگوں نے ایک مسلح دستے کو آتے ہوئے دیکھا تو وہ بھی مسلح ہو کر سامنے آ گئے۔

خالد نے پوچھا: تم کون ہو؟

انہوں نے کہا: ہم مسلمان ہیں اور ہم محمد مصطفیٰؐ کی تصدیق کرتے ہیں اور ہم نے اپنے محلے میں ایک مسجد بنائی ہوئی ہے جہاں ہم نماز ادا کرتے ہیں۔

خالد نے کہا: اگر تم مسلمان ہو تو پھر ہتھیار لگا کر کیوں آئے ہو؟

انہوں نے کہا: ہم نے سمجھا تھا کہ ہماری سرزمین پر کسی دشمن لشکر نے قدم رکھا ہے اسی لئے ہم ہتھیار لگا کر آئے ہیں۔

خالد نے ان سے کہا: تمہیں ہم سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم

لوگ ہتھیار زمین پر رکھ دو۔ ان لوگوں نے ہتھیار رکھ دیئے۔ اس کے بعد خالد نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ ان کی مشکیں کس لیں۔ خالد کے فوجیوں نے سب کو قید کرلیا۔ پھر خالد نے حکم دیا کہ ان سب کو قتل کردو۔

بنی سلیم نے اپنے اسیروں کو قتل کردیا لیکن مہاجرین و انصار نے خالد کے حکم کو قبول نہ کیا۔ جب رسول اکرمؐ کو اس واقعے کی اطلاع ملی تو آپ اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر کے کہا: اللّٰھم انی ابرء الیک مماصنع خالد بن ولید. خدایا! جو کچھ خالد بن ولید نے کیا ہے میں اس سے بیزار ہوں۔[1]

رسول اکرمؐ نے حضرت علیؑ کو بلایا اور کچھ معقول رقم دے کر انہیں بنی جذیمہ کے پاس روانہ کیا اور فرمایا: اس سے مقتولین کا خون بہا ادا کرو اور اس کے علاوہ ان کا جو مالی نقصان ہوا ہے اس کی تلافی کرو۔

حضرت علیؑ بنی جذیمہ کے ہاں گئے۔ آپ نے ان کے مقتولین کا خون بہا ادا کیا، ان کے مالی نقصان کی تلافی فرمائی اور آپ نے انہیں ان برتنوں تک کا معاوضہ بھی دیا جس میں ان کے کتے پانی پیا کرتے تھے۔ نیز ان کے اونٹوں کی رسیوں کی قیمت بھی ادا کی۔

ہر طرح کی مالی تلافی کے بعد بھی حضرت علیؑ کے پاس کچھ رقم بچ گئی تو آپ نے ان سے فرمایا: کیا تمہیں مقتولین کی دیت مل چکی ہے اور کیا تمہارے مالی نقصان کا ازالہ ہو چکا ہے؟

لوگوں نے کہا: جی ہاں! اب ہمارا کوئی مطالبہ باقی نہیں ہے۔

حضرت علیؑ نے بچی ہوئی رقم بھی ان کے سپرد کی اور کہا کہ میں یہ رقم رسول اکرمؐ کی طرف سے بطور احتیاط تمہیں دے رہا ہوں کہ تمہاری عورتوں اور بچوں

۱۔ ناسخ التواریخ، جلد ۳، ص ۶۴۔

کے خوف کا ازالہ ہو۔

اس کے بعد حضرت علیؑ، رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں تمام حالات سے مطلع کیا۔

ثم قام رسول اللّٰہ (ص) فاستقبل القبلة قائما شاهرًا یدیه حتی انه یری بیاض ماتحت منکبیه وهو یقول: اللّٰهم انی ابرء الیک مماصنع خالد بن ولید ثلاث مرات.

پھر رسول اکرمؐ کھڑے ہوئے اور قبلے کی طرف منہ کر کے اپنے ہاتھوں کو اتنا بلند کیا کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی اور آپ نے کہا: خدایا! جو کچھ خالد بن ولید نے کیا ہے میں اس سے بیزار ہوں۔ آپ نے تین بار یہی جملے دہرائے۔[1]

واضح رہے کہ حضرت علیؑ نے اپنا یہ کارنامہ مجلس شوریٰ کے اجلاس میں بھی اپنے فضائل و مناقب کے ضمن میں پیش کیا تھا۔

عبداللہ بن اُبَی حدرد کا بیان ہے: میں خالد کے لشکر میں شامل تھا۔ ایک نوخیز نوجوان کے ہاتھ رسی سے باندھ کر اس کی گردن کے ساتھ ملا دیئے گئے تھے۔

کچھ عورتیں ایک فاصلے سے یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔ اس جوان نے مجھ سے کہا: تم میری رسی کا سرا پکڑ کر ان عورتوں کے پاس لے جاؤ۔

میں اسے ان عورتوں کے پاس لے گیا۔ جوان نے ایک عورت کو پکارا اور اس نے اس کے سامنے کچھ شعر پڑھے۔ عورت نے بھی اسے جواب دیا۔ بعدازاں میں اسے عورتوں سے ہٹا کر لے آیا۔ چند لمحات بعد اس جوان کو قتل کر دیا گیا جیسے ہی اس عورت نے جوان کی لاش کو تڑپتے ہوئے دیکھا تو وہ دوڑتی ہوئی

۱۔ تاریخ طبری، جلد۲، ص۳۴۱ و ۳۴۲۔

آئی اور اس نے اپنے آپ کو اس کی لاش پر گرا دیا اور وہ جوان کے بدن کے بوسے لینے لگی۔ پھر چند لمحات بعد اس عورت کی روح بھی پرواز کرگئی۔[1]

تاریخ ناسخ میں ان الفاظ کا اضافہ ہے: جب رسول خداؐ نے یہ دلخراش داستان سنی تو آپ نے فرمایا: اما فیکم رجل رحیم. کیا تم میں کوئی رحم کرنے والا شخص موجود نہ تھا؟

میری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی

غزوۂ تبوک رسول اکرمؐ کی زندگی کا آخری غزوہ ہے۔ رسول اکرمؐ کو اطلاع ملی کہ رومی بادشاہ نے مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لئے ایک بہت بڑا لشکر تشکیل دیا ہے اور وہ کسی بھی وقت مسلمانوں سے جنگ کرسکتا ہے۔

رسول اکرمؐ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ بھی جنگ کے لئے تیار ہو جائیں۔ یہ حکم آنحضرتؐ نے اس وقت دیا جبکہ مسلمان شدید مالی بحران کا شکار تھے۔ مگر شدید مالی بدحالی کے باوجود بھی مسلمانوں کے پاس جو کچھ تھا انہوں نے وہ آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کردیا۔

ابوعقیل انصاری نہایت ہی غریب شخص تھے۔ جن دنوں رسول اکرمؐ لوگوں سے عطیات جمع کر رہے تھے تو ابوعقیل ایک صاع (تین کلوگرام) کھجوریں لے کر آئے اور عرض کی: یارسول اللہؐ! میں دو راتیں مسلسل مزدوری کرتا رہا اور ایک باغ میں سینچائی کرتا۔ مجھے اجرت میں دو صاع کھجوریں ملیں۔ ایک صاع میں نے اپنے بچوں کے لئے اپنے گھر میں رکھیں اور ایک صاع آپ کی خدمت میں لایا ہوں۔

پیغمبر اکرمؐ نے اپنے غریب صحابی کی حوصلہ افزائی کی اور فرمایا: مسجد کے صحن میں جہاں صحابہ کے عطیات کا ڈھیر لگا ہوا ہے، ابوعقیل کی کھجوروں کو اس کے

۱۔ تاریخ طبری، جلد۲، ص۳۴۳۔

اوپر رکھ دو۔

اس وقت مسلمان سخت تنگدستی میں مبتلا تھے۔ اسی لئے اس جنگ کو ''جیش العسرۃ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس حالت کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ اِنَّهٗ بِهِمْ رَؤُفٌ رَّحِيْمٌ.

بے شک خدا نے پیغمبر اور ان مہاجرین و انصار کی توبہ قبول کرلی جنہوں نے تنگی کے وقت میں پیغمبر کا ساتھ دیا ہے جبکہ ایک جماعت کے دلوں میں کجی پیدا ہو رہی تھی۔ پھر خدا نے ان کی توبہ کو قبول کرلیا کہ وہ ان پر بڑا ترس کھانے والا اور مہربانی کرنے والا ہے۔ (توبہ: ۱۱۷)

آیت بالا کے متعلق تفسیر مجمع البیان، جلد۵، ص۷۹ پر مرقوم ہے:

جنگ تبوک کے موقع پر مسلمان اتنے تنگدست تھے کہ دس افراد کے پاس ایک اونٹ تھا اور وہ باری باری اس پر سوار ہوتے تھے۔

وکان زادھم الشعیر المسوس والتمر الممدود والاھالۃ السنخۃ.

ان کی غذا چھلکے دار جو اور کرم خوردہ کھجور اور بدبودار روغن پر مشتمل تھی۔

لشکر اسلام پر اتنی زیادہ غربت مسلط تھی کہ کھجور کے ایک دانے کو ایک شخص منہ میں رکھتا تھا اور کچھ دیر تک اس کی شیرینی سے لطف اندوز ہوتا تھا۔ پھر وہ وہی دانہ منہ سے نکال کر دوسرے مسلمان بھائی کو دے دیتا تھا اور کچھ دیر کے بعد دوسرا شخص وہی دانہ تیسرے شخص کو دے دیتا تھا اور یوں ایک دانہ کئی افراد کے کام آتا تھا۔

اس جنگ میں ابوذرؓ پورے تین دن کے فاصلے کے برابر پیغمبر اکرمؐ سے

پیچھے رہ گئے تھے کیونکہ ان کا اونٹ نہایت لاغر تھا جو چلنے کے قابل نہیں تھا۔ آخرکار ایک جگہ پہنچ کر ابوذرؓ نے اونٹ کو چھوڑ دیا اور سامان اپنے کندھے پر رکھ کر پاپیادہ قافلے کے تعاقب میں چلنے لگے۔

شدید گرم لو چل رہی تھی۔ سپاہیوں نے ایک شخص کو دور سے اپنی جانب آتے ہوئے دیکھا۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: آنے والا ابوذرؓ ہے۔

قریب آنے پر لوگوں نے دیکھا کہ آنے والے ابوذرؓ ہی تھے۔

رسول اکرمؐ نے صحابہ سے فرمایا: **ادرکوه بالماء فانه عطشان.** اسے پانی پلواؤ، وہ سخت پیاسا ہے۔

صحابہ پانی لے کر آئے تو دیکھا کہ پیاس کی وجہ سے ابوذرؓ کے ہونٹوں پر پپڑی جمی ہوئی تھی۔

الغرض صحابہ نے پانی دیا اور ابوذرؓ نے پانی پیا۔ جب وہ رسول اکرمؐ کی خدمت میں پیش ہوئے تو آپ نے دیکھا کہ ان کے پاس ایک مشکیزہ تھا جس میں پانی موجود تھا۔

رسول اکرمؐ نے ابوذرؓ سے فرمایا: جب تمہارے پاس پانی بھی موجود تھا تو تم نے اس سے اپنی پیاس کیوں نہ بجھائی؟

ابوذر نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! میں آرہا تھا کہ ایک پتھر پر میں نے بارش کا پانی دیکھا۔ جب میں نے اسے چکھا تو وہ انتہائی شیریں تھا۔ اسی لئے میں نے اسے اپنے مشکیزے میں بھر لیا اور دل میں عہد کیا کہ میں یہ میٹھا پانی آپ کی خدمت میں پیش کروں گا۔[1]

۱۔ تفسیر برہان، ج ۳، ص ۱۳۱۔

دلوں پر حکومت دین کا ایک اور نمونہ

ہجرت کے آٹھویں برس سریہ خبط پیش آیا۔ واضح رہے کہ جس جنگ میں حضور اکرمؐ خود موجود ہوتے تھے تو اسے غزوہ اور جس میں آپ موجود نہیں ہوتے تھے اسے ''سریہ'' کہا جاتا ہے۔

اس سریہ کا سالار ابوعبیدہ بن جراح تھا اور اس میں تین سو افراد شامل تھے۔ اس سریہ میں جابر بن عبداللہ انصاری اور حضرت عمرؓ بھی شامل تھے۔ جب وہ لشکر مدینے سے روانہ ہونے لگا تو رسول اکرمؐ نے اس لشکر کو خوراک کے لئے ایک بوری کھجور کی عطا کی اور جیسے ہی لشکر مدینے سے تھوڑے فاصلے پر پہنچا تو وہ بوری ختم ہوگئی۔[1]

طبری لکھتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے کھجور کی کئی بوریاں ان کے حوالے کی تھیں۔ ابوعبیدہ کئی دنوں تک ہر سپاہی کو روزانہ ایک ایک مٹھی کھجوروں کی دیتے رہے پھر جب خوراک ختم ہونے کے قریب ہوئی تو ہر سپاہی کو روزانہ کھجور کا ایک ایک دانہ جانے لگا۔

سالار لشکر نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ جو کچھ وہ اپنے گھروں سے لائے ہیں اسے حاضر کریں۔ سپاہی انتہائی قلیل مقدار میں کھجوریں اپنے ساتھ لائے تھے۔ انہوں نے اپنی کھجوریں سالار کی خدمت میں پیش کیں تو سالار نے وہ کھجوریں سرکاری راشن میں شامل کر دیں۔ پھر کچھ دنوں بعد ہر سپاہی کو ایک کھجور دی جانے لگی۔ سپاہی کھجور کے دانے منہ میں ڈال کر کافی دیر تک چوستے رہتے تھے اور پھر اس کے بعد پانی پیتے تھے۔ پھر وہ وقت بھی آ گیا جب تمام کھجوریں ختم ہوگئیں تو صحابہ درختوں سے پتے توڑ کر انہیں پانی سے نرم کر کے کھانے لگے۔ مضر صحت پتے کھانے کی وجہ سے ان کے ہونٹ کسی اونٹ کے ہونٹوں کی طرح سے موٹے

۱۔ طبری، ج ۲، ص ۳۱۶۔

ہوگئے، ان کے منہ کا گوشت خراب ہوگیا اور دانتوں کی جڑیں زخمی ہوگئیں۔

اس سریہ کو ''خبط'' کہنے کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے کیونکہ خبط اس پتے کو کہا جاتا ہے جسے کسی چھڑی کی مدد سے گرایا گیا ہو۔

اس سفر کے دوران قیس بن سعد بن عبادہ نے ایک اعرابی سے پانچ اونٹ خریدے اور اس سے معاہدہ کیا کہ ان کی قیمت میں پانچ وسق[1] خرما اسے مدینے میں دے گا۔ اعرابی نے مطالبہ کیا کہ مسلمان اس خرید و فروخت پر اپنی گواہی دینے کا اعلان کریں۔

حضرت عمرؓ نے کہا: میں اس معاملے کا گواہ بننا نہیں چاہتا کیونکہ قیس کے پاس کسی طرح کا مال نہیں ہے۔

اعرابی نے کہا: اچھا خواہ تم گواہ بنو یا نہ بنو میں اسے ادھار پر اونٹ دینے پر آمادہ ہوں کیونکہ اس کے باپ سعد بن عبادہ کو میں قدیم الایام سے جانتا ہوں اور وہ ایسا شخص نہیں کہ پانچ وسق خرما کی وجہ سے اپنے بیٹے کو شرمندہ کرے۔

الغرض قیس بن سعد نے اعرابی سے پانچ اونٹ خریدے۔ وہ روزانہ ایک اونٹ ذبح کر کے لشکر کو کھلا دیتا تھا۔ پھر کچھ دنوں بعد یہ لشکر سمندر کے کنارے جارہا تھا کہ سمندر سے ایک بہت بڑی مچھلی ساحل پر آگری۔ صحابہ نے اس مچھلی کے گوشت کے پارچے بنائے اور کئی روز تک مچھلی کا گوشت کھاتے رہے۔

اس سریہ کا کسی دشمن سے مقابلہ نہ ہوا۔ پھر کچھ دنوں بعد وہ لشکر واپس مدینے آ گیا۔

صحابہ نے رسول اکرمؐ کو قیس بن سعد بن عبادہ کی سخاوت کی داستان سنائی تو رسول خداؐ نے فرمایا: قیس جواں مرد ہے اور سخاوت اس خاندان کا پرانا وطیرہ ہے۔[2]

۱۔ وسق ایک اونٹ کے بار کو کہا جاتا ہے۔

۲۔ ناسخ التواریخ، جلد۲، ص۳۶۰۔

باب دوم

اعراب جاہلیت اور اسلام کی ترتیب

اس باب میں اعراب سے ہماری مراد سرزمین حجاز کے لوگ ہیں۔ اس خطے کے لوگ دین و تربیت سے کوسوں دور اور فرسودہ روایات میں جکڑے ہوئے تھے۔ یہاں کے لوگ بدترین جاہل تھے اسی لئے یہ لوگ اسلام کی نشرو اشاعت میں سب سے بڑی رکاوٹ تھے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے قربان جایئے اس نے بھی اپنے حبیب کو اسی سرزمین پر مبعوث فرمایا۔

زمین بعثت کفر و جہالت سے لبریز تھی اسی لئے اس زمین کے رہنے والوں نے حبیب خداؐ کی تکذیب کی اور ظلم و اذیت کا کوئی موقع ہاتھوں سے جانے نہ دیا۔ عراق، یمن اور شام کے اعراب بھی اگرچہ جہالت و بے دینی میں مبتلا تھے مگر وہ حجاز کے اعراب سے کچھ نہ کچھ بہتر ضرور تھے کیونکہ مذکورہ علاقوں کے اعراب روم و ایران کے ہمسائے تھے جہاں اس وقت متمدن حکومتیں قائم تھیں۔

حجاز کے عربوں اور بالخصوص مکے کے عربوں پر بادیہ نشینوں کی حکومت قائم تھی۔ جرجی زیدان لبنانی عیسائی اور تاریخ و ادب عربی کے ماہر نے اپنی ایک کتاب تاریخ تمدن اسلام کے صفحہ ۱۸ پر لکھا ہے:

سرزمین حجاز کی حکومت باقی بادیہ نشین حکومتوں کی طرح سے ایک حکومت تھی۔ یعنی وہ مختلف امور جسے متمدن حکومت میں کئی افراد نمٹاتے ہیں، بادیہ نشین حکومت میں انہیں فرد واحد نمٹاتا ہے اور فرد واحد ہی تمام اختیارات کا منبع و مصدر ہوتا ہے اور اسے ''امیر'' کہا جاتا ہے۔ حجاز میں یہی نظام حکومت جاری تھا۔ لیکن شہر مکے کے لوگ متولی کعبہ کے احکام کی پابندی کیا کرتے تھے۔

حجاز کا علاقہ انتہائی خشک اور آب و ہوا کے لحاظ سے انتہائی غیر مناسب خطہ ہے۔ اس علاقے کے رہائش پذیر افراد کا اس زمانے کی متمدن حکومتوں سے کوئی رابطہ نہیں تھا اور خود اس علاقے کی آب و ہوا اور حالات اتنے نامساعد تھے کہ باہر سے کوئی یہاں آنے پر آمادہ نہیں ہوتا تھا۔ البتہ رسول اکرمؐ کے دادا ہاشم نے ایران و شام کے حکام سے مذاکرات کر کے قریش کے لئے تجارت کی سہولتیں فراہم کرنے میں مرکزی کردار ادا کیا تھا اور جب قریش کی آمد و رفت شروع ہوئی تو انہیں دولت و عزت بھی ساتھ ساتھ ملی۔ سورۂ قریش میں اس امر کی طرف اشارہ موجود ہے کہ ہم نے بیت اللہ کی حفاظت کی، عیسائی حاکم کی یورش سے اسے محفوظ رکھا اور حملہ آوروں پر ابابیل بھیج کر انہیں نیست و نابود کیا تاکہ قریش اپنی سردی اور گرمی کے تجارتی قافلوں کو جاری رکھ سکیں۔

ابن عباسؓ کا قول ہے: **كانوا في ضرو مجاعة حتى جمهم هاشم على الرحلتين.** قریش ہمیشہ تنگدستی اور بھوک میں مبتلا رہتے تھے۔ یہاں تک کہ ہاشم نے ان کے لئے سردی اور گرمی کے دو تجارتی سفر مقرر کئے۔[1]

جرجی زیدان تاریخ تمدن اسلام کے صفحہ ۱۵ پر لکھتے ہیں:

حجاز خشک سرزمین ہے اور یہاں کی آب و ہوا انتہائی خراب ہے اور وہاں

۱۔ تفسیر مجمع البیان، جلد ۱۰، ص ۵۴۶۔

تک پہنچنے کے راستے تنگ اور خطرناک تھے۔ اسی لئے اہل حجاز متمدن دنیا سے کٹے ہوئے تھے۔ اسی لئے دنیا کے مشہور فاتح بھی اس علاقے کو فتح کرنے سے معذور رہے تھے جن میں رامسیس دوم ۱۴۰۰ ق۔م، اسکندر مقدونی ۴۰۰ ق۔م، ایلیوس گالوس اور رومی شہنشاہ آگسٹس ۱۰۰ء شامل ہیں۔

رومی بادشاہوں کی طرح سے ایرانی شہنشاہ بھی حجاز کو فتح کرنے سے عاجز رہے اور اہل حجاز ہر بیرونی حملہ آور سے مطمئن ہو کر اپنی بدویانہ زندگی بسر کرنے میں مصروف رہے اور یہ فطری بات ہے کہ جب تک انسان کو خطرے کا احساس نہ ہو اس وقت تک وہ اپنے تحفظ کا کوئی سامان نہیں کرتا۔ اس کے علاوہ ہر شخص نفسیاتی طور پر نام و مقام کا بھی خواہش مند ہوتا ہے اور وہ اپنی اس جبلت کو تسکین دینے کے لئے جنگیں برپا کرتا ہے۔

حجاز میں قیام پذیر افراد کو بیرونی عناصر سے تو کوئی خطرہ نہیں تھا اسی لئے وہ ایک دوسرے سے دشمنی کرنے لگ گئے اور اندرونی قتل و غارت کو پیشہ بنالیا۔

حجاز میں رہنے والے عرب ایک طویل عرصے تک بدویانہ زندگی بسر کرتے رہے اور تہذیب و تمدن سے دور رہے۔

امیرالمومنین علیہ السلام نے اپنے ایک خطبے میں عرب کی حالت زار کا یوں نقشہ کھینچا:

ان اللہ بعث محمدا نذیرًا للعالمین و امینًا علی التنزیل و انتم معشر العرب علی شردین وفی شردار منیخون بین حجارۃ خشن و حیات صم تشربون الکدر و تاکلون الجشب و تسفکون دمائکم و تقطعون ارحامکم، الاصنام فیکم منصوبۃ و الاثام بکم معصوبۃ۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام جہانوں کے

لئے نذیر اور قرآن کا امین بنا کر بھیجا اس وقت تم اہل عرب بدترین دین کو اپنائے ہوئے تھے اور بے ہودہ مکانوں میں رہائش پذیر تھے۔ تم سخت قسم کے پتھروں اور زہریلے سانپوں میں زندگی گزارتے تھے، تم سالن کے بغیر روٹی کھاتے تھے، کثیف پانی پیتے تھے، ایک دوسرے کا خون بہاتے تھے اور رشتہ داروں سے بدسلوکی کرتے تھے۔ تمہارے یہاں بت آویزاں تھے اور تمہاری زندگی گناہوں میں بسر ہوتی تھی۔

حضرت علیؑ کے اس خطبے کی تشریح کرتے ہوئے نہج البلاغہ کے شارح میرزا حبیب اللہ خوئی نے منہاج البراعہ میں لکھا:

حجاز کا پانی یا تو کنوؤں کا مرہون منت ہے یا پھر بارانی ندی نالوں سے حاصل ہوتا ہے۔ بارانی ندی نالوں کا پانی شور زمینوں سے گزر کر آتا ہے اسی لئے بے حد کڑوا ہوتا ہے اور پینے کے قابل نہیں ہوتا۔ پھر جہاں جہاں گڑھوں میں وہ پانی جمع ہو جاتا ہے تو سورج کی گرمی کی وجہ سے اس کا رنگ بدل جاتا ہے اور اس میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے۔

حجاز کے کنوؤں میں بھی بعض اوقات وہ پانی چلا جاتا ہے جس کی وجہ سے کنوئیں کا پانی بھی بدذائقہ اور بدبودار ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کنوؤں کے اردگرد خانہ بدوش لوگ رہائش اختیار کرتے ہیں اور ان کے جانوروں کا فضلہ تیز ہوا کے ساتھ اڑ کر کنوؤں میں چلا جاتا ہے جس سے پانی آلودہ ہو جاتا ہے۔

میرزا حبیب اللہ خوئی مزید لکھتے ہیں: جس زمانے میں میں حج کے لئے مکہ معظّمہ گیا تو میں سخت گرمیوں میں بھی وہاں کا بدبودار پانی نہیں پی سکتا تھا اور ایک مرتبہ مجھے تین دن تک اپنے شربت اور سکنجبین استعمال کرنا پڑے۔ طبع سلیم رکھنے والا شخص وہاں کے پانی پر پیاس کو ترجیح دیتا ہے۔

میرزا مرحوم نے عربوں کی غذا کے متعلق لکھا:

اہل عرب رنگا رنگ کھانوں سے ناواقف تھے۔ گوشت ان کی مرغوب غذا تھا جسے وہ پانی میں ابال کر نمک لگا کر کھایا کرتے تھے۔ معاویہ کے دور میں عربوں نے رنگا رنگ کھانے دیکھے۔

ابو بردہ کا بیان ہے کہ میں نے سن رکھا تھا کہ روٹی کھانے والا شخص موٹا ہو جاتا ہے۔ جب ہم نے خیبر فتح کیا تو ہم نے یہودیوں کو ان کے کھانے سے دور کر دیا اور ہم ان کے پکے ہوئے کھانے پر خود بیٹھ گئے اور روٹی کھانے لگے۔ جب میں روٹی کھا رہا تھا تو روٹی بھی کھاتا تھا اور اپنے آپ کو بھی غور سے دیکھتا تھا کہ آیا میں موٹا ہو رہا ہوں یا نہیں؟

خالد بن عمیر نے کہا: میں فتح آملہ کے وقت موجود تھا۔ وہاں ہم نے ایک کشتی پر قبضہ کیا جس پر اخروٹ لدے ہوئے تھے۔ ہمارے ایک ساتھی نے اخروٹ دیکھ کر پوچھا کہ یہ کیسے پتھر لدے ہوئے ہیں؟

جب ہم نے انہیں توڑا تو وہ خوش مزہ پھل ثابت ہوا۔

اسی طرح ایک جنگ میں کافور کی چند بوریاں عربوں کے ہاتھ لگیں۔ انہوں نے کافور کو دیکھ کر کہا کہ یہ نمک ہے لیکن جب انہوں نے اسے چکھا تو اس میں نمکینی موجود نہیں تھی۔ کچھ دوسرے افراد جنہیں معلوم تھا کہ یہ کافور ہے انہوں نے فوجیوں کی سادگی سے فائدہ اٹھایا اور ان سے کافور کی بوریاں لیکر انہیں نمک کی بوریاں دیدیں اور سادہ لوح فوجی اس سودے پر بہت خوش ہوئے۔

ایک عربی کسی شخص کا مہمان ہوا۔ میزبان اس کے لئے روٹی پر گوشت رکھ کر لایا۔ عربی نے گوشت اٹھا کر کھا لیا اور روٹی میزبان کو واپس کرتے ہوئے کہا۔ کہ آپ اپنا برتن لے جائیں کیونکہ وہ اسے گوشت رکھنے کا برتن سمجھ رہا تھا۔

ایک شخص کا بیان ہے کہ میں ایک عربی کا مہمان ہوا وہ میرے لئے

سانپ فرائی کر کے لے آیا اور اس کے ساتھ بدبودار پانی کی صراحی بھی لے آیا۔ جب میں وہاں سے رخصت ہونے لگا تو اس نے بڑے فخر کے ساتھ مجھ سے کہا: ایسی اچھی خوراک اور اتنا عمدہ پانی چھوڑ کر کیوں جا رہے ہو؟

کہا جاتا ہے کہ رؤبہ شاعر چوہے کھاتا تھا۔ کسی نے اس سے کہا: تمہیں چوہے کھاتے ہوئے حیا نہیں آتی؟

اس نے جواب میں کہا: اس میں شرم کی کیا بات ہے؟ **هو والله لا یاکل الافاخرات متاعنا.** چوہا ہماری بہترین اشیاء کھاتا ہے۔

اصمعی نے کہا: میں بیابان میں ایک اعرابی کے خیمے میں مہمان بن کر گیا۔ میرے لئے ایک برتن میں دودھ لایا گیا۔ میں نے کہا: کیا برتن صاف تھا؟

اس نے کہا: بھائی برتن صاف کیونکر نہ ہوگا دن کے وقت ہم اس میں سالن ڈال کر کھاتے ہیں اور رات کے وقت اس میں پیشاب کرتے ہیں اور صبح کے وقت ہم اس میں اپنے کتے کو پانی پلاتے ہیں۔ کتا روزانہ اسے چاٹ کر صاف کر دیتا ہے۔

اصمعی کہتے ہیں کہ جب میں نے یہ سنا تو میں نے کہا: خدا تجھ پر اور تیری صفائی پر لعنت کرے۔[1]

گستاولبون اپنی کتاب تاریخ تمدن اسلام وعرب میں لکھتے ہیں:

عرب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ہمیشہ جاری رہنے والے کسی دریا کا نام ونشان نہیں ہے۔ البتہ عرب میں پہاڑی نالے اور رودکوہیاں موجود ہیں جو کہ اکثر خشک رہتی ہیں۔ عرب ان رودکوہیوں کو وادی کہتے ہیں اور جب کبھی موسلا دھار بارش ہو تو ان ندی نالوں میں پانی آجاتا ہے اور کبھی کبھی تو یہ نالے

۱۔ منہاج البراعہ، جلد۳، ص۳۶۶۔

بپھرے ہوئے دریا کا منظر پیش کرتے ہیں۔ عرب کی سرزمین ابتدائے تاریخ سے لے کر آج تک گرمی، خشکی اور بنجر پن میں ضرب المثل رہی ہے۔ اگر کبھی کبھی اس میں بارشوں کا سلسلہ نہ ہوتا جو کہ عام طور پر کچھ مہینے جاری رہتا ہے تو یہ زمین انسانی آبادی کی رہائش کے قابل ہی نہ ہوتی۔ آج بھی اگر عرب کے کسی خطے میں دو تین سال بارش نہ ہو تو وہ علاقہ بالکل بنجر اور ویران ہو جاتا ہے۔ اس خشکی اور گرمی کے ساتھ ساتھ عرب میں ایک خاص قسم کی گرم اور زہریلی ہوا بھی چلتی ہے جسے بادسموم یا خمیسن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ عرب کی خشک سالی اور بادسموم سے کاروانوں کو ہمیشہ خطرہ لاحق رہتا ہے۔

میسودورژہ M. Desvergers لکھتے ہیں:

بادسموم شروع ہونے سے پہلے اس کی علامات ظاہر ہونے لگ جاتی ہیں۔ ابتدا میں افق کی طرف سے آسمان پر سرخی پھیلنے لگتی ہے۔ اس کے بعد آسمان کا رنگ تاریک پھر سرمئی ہو جاتا ہے۔ اس وقت سورج کا نور بالکل کم ہو جاتا ہے اور سورج خون کا ایک سرخ کرہ دکھائی دینے لگتا ہے۔ اس کے بعد فضا میں ریت کے ذرات کسی طوفان کی طرح سے پھیل جاتے ہیں۔ اس وقت انسان کو ہوش و حواس قائم رکھ کر بھاگ جانا چاہئے کیونکہ بادسموم کی وجہ سے زمین و آسمان میں ایک انقلاب آ جاتا ہے اور بادسموم کی وجہ سے ریت کے بڑے بڑے مرغولے اٹھنے لگتے ہیں اور اس ہوا میں مسافر کو سانس لینا دوبھر ہو جاتا ہے۔ آنکھیں سرخ اور لب خشک ہو جاتے ہیں اور انسان کو اپنے وجود میں ناقابل برداشت جلن کا احساس ہوتا ہے۔ ایسے میں اونٹ بھاگ کھڑے ہوتے ہیں یا پھر کسی ریت کے ٹیلے میں گردن چھپا کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور جب صحرائی طوفان تھم جاتا ہے تو وہ بڑی جدوجہد سے اپنے آپ کو ریت سے باہر نکالتے ہیں۔

ایسے صحرائی طوفان میں عام طور پر قافلے والے کسی غار یا بھاری پتھروں کا سہارا تلاش کرتے ہیں اور طوفان کے خاتمے تک وہ غار یا پتھروں کے پیچھے دبکے رہتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ کسی قافلے کو ایسے میں چھپنے کی جگہ میسر نہ آئے تو اکثر انسان اور ان کے سواری کے جانور عقل و خرد کھو بیٹھتے ہیں اور شعور کی دولت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ صحرائی طوفان میں جبکہ حرارت اور گرمی عروج پر ہوتی ہے تو اس سے انسان کی دماغ کی رگ بھی پھٹ جاتی ہے، بہت سے لوگ مفلوج ہو جاتے ہیں، وہ کسی طرح کی حس و حرکت کے قابل نہیں رہتے اور خاموش ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر آہستہ آہستہ ریت کے مرغولوں میں دفن ہونے لگتے ہیں اور نوبت یہاں تک آ جاتی ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے ہزاروں من ریت کے ڈھیر میں گم ہو جاتے ہیں اور ان کے دفن ہونے کا پتا تب چلتا ہے جب بعد میں کوئی اور صحرائی طوفان اس ریت کے ٹیلے کو وہاں سے ہٹاتا ہے تو اہل قافلہ کی سفید ہڈیاں وہاں سے برآمد ہوتی ہیں۔

عرب دھرتی پر ہمیشہ گرمی کا راج رہتا ہے۔ وہاں دن کو عام طور پر درجہ حرارت ۴۳ سینٹی گریڈ اور رات کو ۳۸ سینٹی گریڈ سے نیچے نہیں آتا۔[۱]

عربوں کی بدبختی یہ تھی کہ ایسے شدید موسمی حالات کے علاوہ وہ ہمیشہ آپس میں مصروف پیکار رہتے تھے۔ ان کی لڑائیوں کے کچھ تاریخی نمونے آپ آئندہ صفحات میں پڑھیں گے۔ عرب اتنے تند مزاج تھے کہ ایک معمولی سے واقعے کی وجہ سے ان میں جنگ شروع ہو جاتی تھی اور جب جنگ شروع ہوتی تو برسوں تک ختم ہونے کا نام نہ لیتی تھی۔ جو قبیلہ جنگ میں فتح حاصل کرتا تو وہ مغلوب قبیلے سے خراج لیا کرتا تھا۔ قبیلہ ہوازن زہیر بن جذیمہ کا باجگزار تھا۔ زہیر قبیلہ عبس کا شیخ تھا اور اس کے بہت سے بیٹے تھے۔

۱۔ نقل از تمدن اسلام و عرب گوستاولبون، ص ۲۷۔

قبیلۂ عبس کے سردار کا انجام

قبیلۂ عبس کا سردار زہیر بنی ہوازن سے سالانہ ایک لگی بندھی رقم باج میں لیا کرتا تھا۔ ایک سال سخت خشک سالی کی وجہ سے قبیلہ ہوازن پر غربت چھا گئی اور وہ زہیر کو خراج دینے کے قابل نہ رہے۔

بنی ہوازن کی ایک بوڑھی عورت ایک دیگچی میں کچھ گھی لے کر زہیر کے پاس گئی اور اس سے کہا کہ ہم خشک سالی کی لپیٹ میں آ چکے ہیں لہذا اس سال ہم آپ کی مطلوبہ رقم ادا کرنے سے قاصر ہیں۔

زہیر نے گھی چکھا تو اسے اس کا ذائقہ ناگوار گزرا۔ اس نے اس بوڑھی عورت کو کمان کھینچ کر ماری تو وہ عورت زمین پر گری اور اس کا زیر جامہ ہٹ گیا اور وہ دربار میں ننگی ہوگئی۔

عربوں کی غیرت ضرب المثل کی حیثیت رکھتی ہے۔ جب قبیلۂ ہوازن نے اپنی بوڑھی عورت کی بے عزتی کا واقعہ سنا تو انہیں اس سے شدید صدمہ ہوا اور وہ اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے کے متعلق سوچنے لگے۔

قبیلہ ہوازن کا ایک بزرگ جس کا نام عامر بن صعصعہ تھا، وہ جعفر بن کلاب کے پاس گیا اور اس نے زہیر کے طرزِ عمل کی اس سے شکایت کی۔

خالد نے جب یہ واقعہ سنا تو اس نے قسم کھا کر اسے یقین دلایا کہ وہ اس کی بھرپور مدد کرے گا اور وہ زہیر کے گلے میں اپنے ہاتھ ڈال دے گا جس کے نتیجے میں یا تو وہ زہیر کو قتل کرے گا یا پھر زہیر اس کو قتل کرے گا۔

پھر چند دنوں بعد بازار عکاظ میں ان دونوں کی ملاقات ہوئی تو خالد اور زہیر کے درمیان کچھ تند و تیز جملوں کا تبادلہ ہوا اور پھر چند ہی دن گزرے تھے کہ خالد نے اچانک قبیلہ عبس پر شب خون مارا اور زہیر کو قتل کر دیا۔[1]

۱۔ ناسخ التواریخ، جلد۳، ص۲۱۵۔

عربوں کی بت پرستی اور اوہام پرستی

مکے کے لوگ اسلام سے قبل بت پرست تھے۔ ان میں بت پرستی کا اتنا رواج تھا کہ مکے کے ہر گھر میں ایک نہ ایک بت ہوا کرتا تھا اور وہ اس کی پوجا کیا کرتے تھے۔ جب مکے کا کوئی شخص سفر کا ارادہ کرتا تو تمام دوستوں اور اہل خاندان سے ملاقات کرنے کے بعد سب سے آخر میں اپنے بت کے پاس جاتا اور اس کو سلام کرتا اور اس کی قدم بوسی کر کے اس سے فتح و نصرت کی دعا مانگ کر گھر سے باہر قدم رکھتا تھا۔[1]

بنی حنیفہ کے ایک گروہ نے ایک بار ایک ''طرفہ'' بت بنایا تھا۔ انہوں نے وہ بت کھجور، آٹے اور گھی سے بنایا۔ کئی سالوں تک وہ اس کی پوجا کرتے رہے اور اس کے سامنے منتیں مانتے رہے۔ پھر ایک مرتبہ قحط سالی ہوئی اور ان کے پاس غذا کی کمی ہوئی تو انہوں نے قحط سالی میں اپنے خدا کو کھا لیا۔

''عزیٰ'' نامی بت قریش اور بنی کنانہ سے مخصوص تھا۔ ''لات'' بنی ثقیف کا بت تھا اور ''منات'' اوس و خزرج کا بت تھا۔

زمانہ جاہلیت کے عربوں میں عجیب و غریب قسم کے رسم و رواج پائے جاتے تھے۔ اگر ہم ان سب کی تفصیل بیان کرنا چاہیں تو کتاب کا حجم کئی گنا بڑھ جائے گا۔ البتہ اتنا عرض کرنا کافی سمجھتے ہیں کہ ان کا ایک رواج یہ تھا کہ جب کوئی شادی شدہ شخص سفر کے لئے جاتا تو وہ گھر سے نکل کر کچھ فاصلے پر کسی کھجور کی چھڑی کو گانٹھ دے دیتا تھا۔ پھر وہ اپنے کام کاج پر چلا جاتا تھا اور جب وہ سفر سے واپس آتا تو گھر آنے سے پہلے جا کر اس کھجور کو دیکھتا تھا۔ اگر اس کی لگائی ہوئی

۱۔ الاصنام کلبی، ص ۲۲۔

گانٹھ قائم ہوتی تھی تو کہتا تھا کہ میری بیوی نے مجھ سے بددیانتی نہیں کی اور اگر بالفرض گانٹھ کسی وجہ سے کھل چکی ہوتی تھی تو کہتا تھا کہ میری بیوی نے مجھ سے خیانت کی ہے۔[1]

زمانہ جاہلیت میں ''نکاح وقت'' کا بھی رواج تھا اور اس کا طریقۂ کار یہ ہوتا تھا کہ جب کوئی شخص مر جاتا اور اس کا بڑا بیٹا اگر اپنے باپ کی زوجہ کو بیوی بنانے کا خواہش مند ہوتا تو وہ باپ کی بیوی پر کپڑا ڈال دیتا تھا جس سے وہ اپنے بڑے بیٹے کی ملکیت اور نکاح میں آجاتی تھی اور اگر بڑے بیٹے کو باپ کی بیوی کی احتیاج نہ ہوتی تو وہ اپنے بھائیوں میں سے کسی بھائی کے ساتھ اسے بیاہ دیتا تھا اور یوں وہ باپ کی جائیداد کے ساتھ باپ کی بیوی کے بھی مالک بن جاتے تھے۔[2]

دختر کشی کی رسم بد

عربوں کے کئی قبائل میں دختر کشی کی رسم بد بھی پائی جاتی تھی اور یہ رسم بد زیادہ تر بنی تیم، بنی قیس، بنی اسد، ہذیل اور قبیلہ بکر بن وائل میں پائی جاتی تھی۔

دختر کشی کا سب سے بڑا محرک غربت و ناداری تھی۔ مذکورہ قبائل کے افراد بھوک کے خوف سے اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا.

اپنی اولاد کو بھوک کے خوف سے قتل نہ کرو۔ ہم انہیں بھی رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی رزق دیتے ہیں۔ یقیناً ان کا قتل کرنا بہت بڑی غلطی ہے۔ (بنی اسرائیل:۳۱)

۱۔ مستطرف، ص۹۱۔

دختر کشی کا ایک اور محرک ان کی بے جا غیرت تھی۔ مورخین نے لکھا ہے کہ ایک سال بنی تیم نے نعمان بن منذر کو خراج نہ دیا۔ اس نے اپنے بھائی کو لشکر دے کر ان کے پاس بھیجا۔ اس نے ان پر حملہ کیا اور ان کے مویشی اور عورتوں اور بچوں کو پکڑ کر لے گیا۔ اس واقعے کے بعد بنی تیم معذرت کے لئے نعمان کے پاس گئے۔ نعمان نے ان کی معذرت قبول کی اور ان کے قیدیوں کو واپس جانے کی اجازت دی۔ مگر اس نے اس کے ساتھ یہ اعلان کیا کہ جو لڑکی اپنے ماں باپ کے گھر جانا چاہے وہ جاسکتی ہے اور جو یہاں رہنا چاہے تو وہ یہاں رہ سکتی ہے۔

قبیلہ تیم کی سب لڑکیاں تو اپنے والدین کے گھروں کو روانہ ہوئیں لیکن اسی قبیلے کے ایک سردار قیس بن عاصم کی بیٹی نے واپس جانے سے انکار کردیا اور اپنے گرفتار کرنے والے کے ہاں رہنا پسند کیا۔

اس واقعے کے بعد قیس بن عاصم نے قسم کھائی کہ اب اس کے گھر میں جو بھی بیٹی پیدا ہوگی وہ اسے زندہ دفن کرے گا۔ چنانچہ اس کے بعد اس کی کئی لڑکیاں پیدا ہوئیں اور اس نے سب کو دفن کردیا۔ قیس بن عاصم کو دیکھ کر باقی لوگوں نے بھی اسی رسم کو اپنالیا۔[1]

امیرالمومنین علیہ السلام نے خطبہ قاصعہ میں لوگوں کو وہ وقت یاد دلاتے ہوئے فرمایا: **و اطباق جهل من بنات موؤدة و اصنام معبودة و ارحام مقطوعة و غارات مشنونة فانظروا الى مواقع نعم الله عليهم حين بعث اليهم رسولا فعقد عليه طاعتهم وجمع على دعوته الفتهم كيف نشرت النعمة عليهم جناح كرامتها و اسالت لهم جد اول نعيمها.**

(اس وقت کو یاد کرو جب لوگ) جہالت کی تہوں میں پڑے ہوئے تھے

۱۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، جلد۳، ص۳۵۶، طبع بیروت۔

یوں کہ لڑکیاں زندہ درگور تھیں، گھر گھر مورتی پوجا ہوتی تھی، رشتے ناطے توڑے جاچکے تھے اور لوٹ کھسوٹ کی گرم بازاری تھی۔ دیکھو! کہ اللہ نے ان پر کتنے احسانات کئے کہ ان میں اپنا رسول بھیجا کہ جس نے اپنی اطاعت کا انہیں پابند بنایا، انہیں ایک مرکز وحدت پر جمع کردیا چنانچہ خوش حالی نے اپنے پر و بال ان پر پھیلا دیئے اور ان کے لئے بخشش و فیضان کی نہریں بہا دیں۔

چند تاریخی نمونے

عرب اور بت پرستی

''عزیٰ'' نامی بت قریش کے ساتھ مخصوص تھا اور وہ انتہائی محترم بت شمار کیا جاتا تھا۔ لوگ ہمیشہ اس کی زیارت کرتے اور اس کے سامنے قربانیاں کر کے اس کی نظر عنایت کے طلبگار رہتے تھے۔

عربوں کا عقیدہ تھا کہ ''عزیٰ، لات اور منات'' تینوں خدا کی بیٹیاں ہیں اور خدا کے حضور شفاعت کا وسیلہ ہیں۔

رسول اکرمؐ نے اعلان نبوت کے بعد بت پرستی کی شدید مخالفت کی اور جب سورۂ نجم کی یہ آیات نازل ہوئیں:

اَفَرَأَیْتُمُ اللَّاتَ وَ الْعُزّٰیO وَ مَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰیO اَلَکُمُ الذَّکَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰیO تِلْکَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِیْزٰیO اِنْ هِیَ اِلَّا اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْهَا اَنْتُمْ وَ اٰبَآءُکُمْ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَی الْاَنْفُسُ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰی.

کیا تم لوگوں نے لات اور عزیٰ کو دیکھا ہے اور منات جو اُن کی تیسری ہے اسے بھی دیکھا ہے۔ تو کیا تمہارے لئے لڑکے ہیں اور اس کے لئے لڑکیاں

ہیں؟ یہ انتہائی ناانصافی کی تقسیم ہے۔ یہ سب وہ نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے طے کر لئے ہیں۔ خدا نے ان کے بارے میں کوئی دلیل نازل نہیں کی ہے۔ درحقیقت یہ لوگ صرف اپنے گمانوں کا اتباع کر رہے ہیں اور جو کچھ ان کا دل چاہتا ہے اور یقیناً ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آچکی ہے۔ (والنجم: ۱۹ تا ۲۳)

تو بت پرست غصے سے پیچ و تاب کھانے لگے۔

ابواحیحہ (سعید بن عاص بن امیہ) بیمار ہوا یہاں تک کہ مرنے کے قریب پہنچ گیا۔ ابولہب اس کی عیادت کرنے گیا تو ابولہب نے دیکھا کہ وہ رو رہا ہے۔ ابولہب نے اس سے کہا: ابواحیحہ! کیوں روتے ہو؟ اگر تم موت کو سامنے پا کر روتے ہو تو اس میں رونے کی کوئی بات نہیں ہے کیونکہ ہر ایک کو مرنا ہے۔

اس نے کہا: نہیں! میں موت کو سامنے پا کر نہیں روتا میں تو اس لئے رو رہا ہوں کہ مجھے اب یہ ڈر لگ رہا ہے کہ میرے بعد لوگ ''عزیٰ'' کو پوجنا کہیں چھوڑ نہ دیں۔

ابولہب نے کہا: تجھے مغالطہ ہے، تیری زندگی میں لوگ تیری وجہ سے عزیٰ کو تھوڑا ہی پوجتے تھے۔ وہ اس کو معبود سمجھ کر پوجا کرتے تھے اور تیرے مرنے سے یہ سلسلہ نہیں رکے گا۔ لوگ تیرے بعد بھی اس کی عبادت کرتے رہیں گے۔

جب ابواحیحہ نے ابولہب کے جذبات سنے تو وہ خوش ہو گیا اور کہنے لگا: مجھے اب پتا چلا ہے کہ تو میرا حقیقی جانشین ہے۔[1]

۱۔ الاصنام کلبی، ص ۲۰ تا ۲۳۔

''ہبل'' کے سامنے قرعہ ڈالنا

لات ومنات کی طرح ''ہبل'' بھی عربوں کا مشہور اور باوقار بت تھا اور جب لوگ سفر، نکاح اور کاروبار وغیرہ کا ارادہ کرتے تو وہ ''ہبل'' کے سامنے قرعہ ڈالتے تھے۔ ہبل کے مندر میں سات تیر پڑے رہتے تھے اور ہر تیر پر ایک نہ ایک عبارت تحریر تھی۔

ایک تیر پر لفظ عقل لکھا ہوا تھا جس کے معنی ''دیت'' کے ہیں۔ جب دیت چند افراد پر مشتبہ ہو جاتی اور پتا نہ چلتا کہ ان میں سے کس شخص پر دیت واجب الادا ہے تو وہ تیروں پر ان افراد کے نام لکھ لیتے تھے، پھر ان کے نام کا الگ الگ قرعہ ڈالتے تھے اور جس کے نام قرعہ نکلتا تو وہ دیت ادا کرنے کا پابند ہو جاتا تھا۔

اس کے علاوہ دوسرے تیر پر منکم یعنی ''تم میں سے'' اور تیسرے تیر پر من غیر کم یعنی ''تمہارا غیر'' اور چوتھے تیر پر ملصق یعنی ''الحاقی'' کے الفاظ لکھے ہوئے تھے۔ جب کسی کے نسب میں شک ہوتا تو ان تیروں سے کام لیا جاتا تھا۔ اگر منکم کے الفاظ نکلتے تو بچے کو اپنے ہی خاندان کا فرد تصور کیا جاتا تھا اور اگر قرعہ میں من غیر کم کے الفاظ نکل آتے تو ایک قیامت کھڑی ہو جاتی تھی۔ لڑکے کا باپ اس کا انکار کر دیتا تھا اور اگر ملصق کے الفاظ قرعہ میں نکلتے تو کہتے تھے کہ جن لوگوں کی طرف بچے کی نسبت دی جارہی ہے لڑکا ان میں سے کسی کا بھی نطفہ نہیں ہے اور نہ یہ کسی ہم پیمان کا بیٹا بھی نہیں ہے۔ پھر اس بچے کو بیٹا اور ہم پیمان بنالیا جاتا تھا۔

ہبل کے آگے پڑے ہوئے تیروں میں سے ایک پر میاہ یعنی ''پانی''

کے الفاظ تحریر تھے اور جب وہ لوگ کسی جگہ کنواں کھودنے کا ارادہ کرتے تو ہبل کے پاس قرعہ ڈالتے تھے اور اس ذریعے سے معلوم کرتے تھے کہ مطلوبہ جگہ پر کنواں کھودنا ان کے لئے اچھا ہوگا یا برا۔

ایک تیر پر نعم یعنی ''ہاں'' اور دوسرے پر لا یعنی ''نہیں'' کے الفاظ تحریر تھے۔ جب لوگ کسی کام کرنے کا ارادہ کرتے تو ان تیروں سے مستقبل کا حال معلوم کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

جب ہبل کے سامنے قرعہ ڈالنے کی کسی کو ضرورت محسوس ہوتی تو وہ قرعہ اندازی سے ایک اونٹ کو ذبح کرتا تھا۔ پھر اس مندر کا پروہت سو دینار فیس لیتا تھا اس کے بعد وہ قرعہ اندازی کیا کرتا تھا اور جو حکم نکل آتا لوگ اس کو اپنے لئے حجت تسلیم کرتے تھے اور اس میں کسی طرح کی چوں و چرا کرنے کی کسی کو گنجائش نہیں تھی۔[1]

بت اور پجاری

۱۔ بنی کنانہ کا ایک بڑا پتھر کا بت جدہ کے ساحل کے قریب ہوتا تھا جس کا نام ''سعد'' تھا جس کی وہ پرستش کرتے تھے۔ ایک دن ایک اعرابی اپنے اونٹوں کو حصول برکت کے لئے بت کے قریب لے آیا تاکہ اونٹ اس کے سائے میں گھاس چریں اور اس کا بابرکت سایہ ان پر پڑے۔

جب اونٹ اس بت کے قریب آئے اور اس پر قربانیوں کا لگا ہوا خون دیکھا تو وہ دوڑ پڑے۔

اونٹوں کے مالک کو بڑا غصہ آیا اس نے بڑی مشکل سے اونٹ جمع کئے۔

۱۔ ناسخ التواریخ، ج۳، ص۳۰۔ تاریخ یعقوبی، ج۱، ص۳۰۰۔

پھر اس نے ایک پتھر اٹھا کر سعد کو مارا اور کہا: **لا بارک الله فیک الها انفرت علی ابلی.** خدا تجھ میں کبھی برکت نہ ڈالے، تو نے میرے اونٹوں کو دوڑا دیا۔

پھر اس نے یہ شعر پڑھے:[1]

اتینا الی سعد لیجمع شملنا فشتتنا سعد فلا نحن من سعد

وهل سعد الاصخرة بتنوفة من الارض لا یدعی لغی ولا رشد

ہم تو سعد کے پاس اس لئے گئے تھے کہ وہ ہمارے خاندان کو اکٹھا رکھے لیکن سعد نے تو ہمیں علیحدہ علیحدہ کر دیا۔ ہمارا سعد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ سعد مقام تنوفہ پر نصب ایک چٹان کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ نہ تو کسی کو گمراہ کر سکتا ہے اور نہ ہی کسی کو ہدایت دے سکتا ہے۔

۲۔ امرؤ القیس شاعر کے باپ کو بنی اسد کے ایک گروہ نے قتل کیا تھا۔ امرؤ القیس انتقام لینے کی غرض سے ایک لشکر بنا کر بنی اسد کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں ''ذوالخلصہ'' نامی بت کے پاس سے اس کا گزر ہوا۔ یہ عربوں میں ایک محترم بت شمار ہوتا تھا۔ وہاں فال کے لئے تین تیر رکھے ہوئے تھے۔ ایک پر ''کر'' لکھا تھا۔ دوسرے پر ''نہ کر'' لکھا تھا اور تیسرے پر ''صبر کر'' لکھا ہوا تھا۔

امرؤ القیس نے تین مرتبہ وہاں قرعہ ڈالا کہ وہ باپ کا انتقام لے یا نہ لے؟ تینوں بار ''نہ کر'' کا تیر نکلا۔

امرؤ القیس نے وہ تیر اٹھا کر بت کے سر پر دے مارے اور کہا: اگر میری طرح سے تیرا باپ قتل ہوا ہوتا تو میں تجھ سے پوچھتا۔

پھر اس نے بنی اسد پر حملہ کیا اور کامیاب رہا۔ اس کے بعد اسلام کی آمد تک اس بت کے پاس پھر کسی عرب نے قرعہ نہ ڈالا۔[2]

۱۔ الاصنام کلبی، ص ۴۷۔

۲۔ الاصنام کلبی، ص ۴۷۔

۳۔ بنی قضاعہ، لخم، جذام اور اہل شام کا ایک مخصوص بت تھا جسے ''اقیصر'' کہا جاتا تھا۔ وہ لوگ سال کے ایک خاص موسم میں اس بت کے پاس جمع ہو کر حج بجالاتے تھے، وہاں سر منڈواتے تھے اور سر کے بالوں کے وزن کے برابر آٹا زمین پر پھینک دیتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ وہ آٹا غرباء ومساکین کیلئے صدقہ ہے۔

قبیلہ ہوازن کے لوگ اس موقع کے شدت سے منتظر رہتے تھے اور وہ ان سے کہتے تھے کہ تم یہ آٹا ہمیں دے دو ہم انتہائی غریب لوگ ہیں۔ اگر کوئی دیر سے پہنچتا تو وہ بالوں ملا آٹا اٹھا لیتے اور اسے پکا کر کھایا کرتے تھے۔

۴۔ بنی جرم و بنی جعدہ کے درمیان ایک بار پانی کے متعلق جھگڑا ہوا۔ دونوں قبیلے فیصلے کے لئے نبی اکرمؐ کے پاس آئے۔ آپ نے بنی جرم کے حق میں فیصلہ کیا۔ بنی جرم کے شاعر معاویہ بن عبدالعزیٰ نے اس کے متعلق یہ شعر کہے تھے:

و انی اخو جرم کما قد علمتم   اذا جمعت عند النبی المجامع
فان انتم لم تقنعوا بقضائه   فانی بما قال النبی لقانع
الم تر جرما انجدت و ابو کم   مع القمل فی جفر الاقیصر شارع
اذا قرة جاءت یقول اصب بها   سوی القمل انی من هوازن ضارع

میرا تعلق بنی جرم سے ہے جیسا کہ تمہیں معلوم ہے۔ جب محفلیں ہمیں نبی کے پاس جمع کریں۔ اگر تم نبی کے فیصلے پر قناعت نہیں کرتے تو بے شک نہ کرو جبکہ میں تو نبی کے فیصلے پر قناعت کرنے والا ہوں۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ قبیلہ جرم نے عزت و عظمت حاصل کی جبکہ تمہارا باپ ''اقیصر'' کی کھال کے ساتھ جوؤں میں وقت بسر کرتا تھا۔ جیسے ہی سردیاں آتیں تو وہ کہتا تھا کہ میں ہوازن سے ہوں اور مجھے جوؤں کی شکایت ہے۔[1]

۱۔ الاصنام کلبی، ص ۴۸۔

عرب بت پرستی کے لئے کتنے حساس تھے؟

ہجرت کے نویں سال مختلف قبائل کے وفود مدینے آئے اور اسلام قبول کیا۔ طائف سے بنی ثقیف کا ایک وفد مدینے آیا۔ جب وہ مدینے کے قریب پہنچے تو انہیں دیکھ کر مغیرہ بن شعبہ خدمت نبوی میں حاضر ہونے کے لئے دوڑ پڑا تاکہ آنحضرتؐ کو ثقیف کے اسلام کی خوشخبری دے سکے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اسے دیکھا تو پوچھا کہ اتنی تیزی سے کیوں جا رہے ہو؟

مغیرہ نے کہا: میں آنحضرتؐ کو ثقیف کی آمد کی اطلاع دینے کے لئے جا رہا ہوں۔

حضرت ابوبکرؓ نے کہا: تم یہ خوشخبری میرے حوالے کردو تاکہ میں رسول اکرمؐ کو ان کی آمد کی بشارت دے سکوں۔

بہرنوع حضرت ابوبکرؓ رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں ثقیف کی آمد کی خوشخبری دی۔

مغیرہ بن شعبہ قبیلہ ثقیف کے وفد سے ملا اور انہیں بتایا کہ وہ آنحضرتؐ کو سلام کیسے کریں اور ان سے گفتگو کس طرح سے کریں۔

بنی ثقیف نے مغیرہ کی باتوں کو تسلیم نہ کیا اور وہ رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دستور جاہلیت کے مطابق آنحضرتؐ کو سلام کیا۔

پیغمبر اسلامؐ نے انہیں مسجد میں مہمان ٹھہرایا اور ان کے لئے ایک خیمہ نصب کروایا۔ بنی ثقیف کے وفد نے آنحضرتؐ سے کہا کہ ہم اسلام قبول کرتے ہیں لیکن ہماری تین شرطیں ہیں:

۱۔ ہمارے بت ''لات'' کو تین سال تک ہمارے اندر رہنے دیا جائے

اور بت خانے کو تباہ نہ کیا جائے۔

پیغمبر اکرمؐ نے ان کی اس شرط کو مسترد کر دیا۔ پھر انہوں نے رفتہ رفتہ میعاد کم کی اور آخر میں کہا کہ آپ کم از کم ایک ماہ تک ہمارے بت کو کچھ نہ کہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں ایک لحظہ بھی مہلت دینے پر آمادہ نہیں ہوں۔ اس پر بنی ثقیف نے کہا کہ ہماری دوسری شرطیں یہ ہیں:

۲۔ ہمیں نماز سے معاف رکھا جائے۔

۳۔ ہم اپنے ہاتھوں سے بتوں کو نہیں توڑیں گے۔

آنحضرتؐ نے دوسری شرط کے متعلق فرمایا: **اما الصلاة فلا خير في دين لا صلاة فيه.** اس دین کا کوئی فائدہ نہیں جس میں نماز نہ ہو۔

اور آنحضرتؐ نے ان کی تیسری شرط قبول کی اور فرمایا: کوئی بات نہیں اگر تم اپنے ہاتھوں سے بت نہیں توڑنا چاہتے تو نہ توڑو۔ ہم کسی اور کو بھیج کر بت تڑوا دیں گے۔[1]

عرب اور شراب

قصّی بن کلاب رسول خداؐ کے اجداد میں سے تھا۔ دور دراز مقام پر رہائش رکھنے والے کو قصّی کہا جاتا ہے اور اس کی قصّی کہنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ بچپنے میں ہی یتیم ہوگیا تھا۔ اس کی والدہ نے ربیعہ بن حزام سے عقد کیا۔ ربیعہ شام کے علاقے میں رہائش پذیر تھا۔ وہ اپنی بیوی کو مکے سے شام بنی عذرہ کے پاس لے گیا اور یوں یہ بچہ بھی اپنی ماں کے ساتھ شام چلا گیا۔ اس کا ایک بڑا بھائی بھی تھا جس کا نام زہرہ تھا۔ وہ مکے میں رہا۔ چونکہ وہ کئی سال تک اپنے وطن سے دور ملک

۱۔ تاریخ طبری، جلد۲، ص۳۶۵۔

شام میں رہا اسی لئے اس کا نام قصّی مشہور ہوگیا۔

قصّی جوان ہونے لگا تو قبیلہ ربیعہ سے منسوب ہوگیا۔ ایک دن قبیلہ قضاعہ کے ایک فرد نے اسے ملامت کی اور کہا کہ وہ ناحق قبیلہ ربیعہ سے الحاق کرنے کا خواہش مند ہے جبکہ اس کا اصلی خاندان مکے میں باعزت طریقے سے رہائش پذیر ہے۔

قصّی نے اپنی والدہ سے اپنا حسب نسب دریافت کیا تو اس کی والدہ نے بتایا کہ اس کا تعلق عرب کے شریف ترین خاندان سے ہے اور اس کا والد کلاب بن مرہ ہے اور تمام خاندان مکے میں آباد ہے۔

قصّی نے حرمت والے مہینے میں ایک حج کے کارواں کے ساتھ سفر کیا یہاں تک کہ وہ مکہ پہنچ گیا اور اپنے بھائی زہرہ کے پاس رہائش اختیار کرلی۔ پھر کچھ دنوں بعد اس نے حلیل بن حبشیہ سے اس کی صاحبزادی کا رشتہ طلب کیا۔

حلیل نے بہت خوش ہوکر رشتہ دیا اور یوں حلیل کی بیٹی ''حبی'' قصّی بن کلاب کی زوجہ بن کر اس کے گھر میں آئی۔ اس زمانے میں قصّی کا سسر حلیل متولی حرم تھا۔ حبی سے قصّی کے چار بیٹے عبداللہ، عبدمناف، عبدالعزیٰ اور عبدقصّی پیدا ہوئے۔ قصّی نے مکے میں خوب ترقی کی اور اس کا شمار مکے کے اشراف میں ہونے لگا۔

قصّی کے سسر حلیل کی جب وفات ہونے لگی تو اس نے اپنی بیٹی کو اپنی جگہ کعبے کا متولی بنایا اور کعبے کی چابیاں اس نے اپنی بیٹی کے حوالے کیں۔ مگر بیٹی نے باپ سے کہا: اباجان! میں ایک عورت ہوں اور میں یہ بھاری ذمہ داری اپنے کندھوں پر نہیں اٹھا سکتی۔ آپ میری بجائے میرے بھائی ابوغبشان کو کعبے کا متولی مقرر کریں اور بیت اللہ کی چابیاں اس کے سپرد کردیں۔

حلیل نے بیت اللہ کی چابیاں اپنے بیٹے ابوغبشان (محترش) کے سپرد کیں اور اس کے بعد وہ دنیا سے رخصت ہوگیا۔

ابوغبشان شراب کا رسیا تھا اور شراب کے بغیر اس کا وقت نہیں گزرتا تھا۔ ایک دفعہ جبکہ ابوغبشان کو شراب کی شدید طلب تھی اور اس کے پاس شراب موجود نہیں تھی وہ انتہائی پریشان ہو رہا تھا تو قصّی بن کلاب نے اسے بلا کر کہا کہ تم اگر مجھے کعبے کا متولی بنادو اور بیت اللہ کی چابیاں میرے سپرد کردو تو میں تمہیں شراب سے لبریز پوری مشک دینے پر آمادہ ہوں۔

ابوغبشان نے بیت اللہ کی چابیاں قصّی کے حوالے کیں اور اس کی جگہ شراب کی ایک مشک حاصل کی۔ اس دور سے عربوں میں ایک نئی ضرب المثل وجود میں آئی: "اخسر من ابی غبشان" فلاں ابوغبشان سے بھی زیادہ خسارہ اٹھانے والا ہے۔[1]

جرجی زیدان تاریخ تمدن اسلام کے صفحہ ۱۷ پر لکھتا ہے:

جب جبی نے اپنے باپ حلیل کے سامنے کعبے کا دروازہ کھولنے اور بند کرنے سے معذرت کا اظہار کیا تو اس نے متولی حرم کا عہدہ اپنے بیٹے محترش کے حوالے کیا لیکن وہ اتنا احمق اور نادان تھا کہ اس نے یہ عظیم منصب ایک مشک شراب کے عوض اپنے بہنوئی قصّی بن کلاب کے ہاتھوں فروخت کردیا۔

اسلام اور شراب

جب مسلمان غزوۂ خیبر کے دوران خیبر کے ایک قلعے "نطاۃ" کا محاصرہ کئے ہوئے تھے تو اس وقت فوج کے پاس خوراک ختم ہوگئی اور مجاہدین میں سے

۱۔ کامل ابن اثیر، جلد ۲، ص ۲۔ طبری، جلد ۲، ص ۱۶۔

قبیلہ اسلم کی بھوک کی وجہ سے حالت خراب ہوگئی۔

معتب بن قشیر، رسول اکرمؐ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا: یارسول اللہؐ! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ ہمیں جلد فتح ہو تا کہ ہمیں خوراک مل سکے۔

رسول اکرمؐ نے دعا کے لئے ہاتھ بلند کئے اور بارگاہ احدیت میں عرض کیا: اے خدا! جس قلعے میں کھانے پینے کا زیادہ سامان ہو ہمارے ہاتھوں پر جلد فتح فرما۔

پھر آپ نے لشکر کو جمع کیا اور حباب بن منذر کو پرچم عنایت فرما کر انہیں قلعے پر حملے کے لئے روانہ کیا۔ مسلمانوں نے پورے جوش و جذبے سے حملہ کیا، بنی اسلم کے جوان ہمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے قلعے کی دیواروں پر چڑھ گئے اور قلعے میں داخل ہو کر اس کا دروازہ کھول دیا۔ قلعے کا دروازہ کھلتے ہی مسلمان فوج قلعے میں داخل ہوگئی اور قلعہ فتح ہو گیا۔

فتح کے نتیجے میں مسلمانوں کو بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا۔ وہاں کھانے کے لئے غلہ اور مویشیوں کے لئے چارہ بڑی مقدار میں موجود تھا۔ مسلمانوں نے اس پر قبضہ کرلیا اور اس کے علاوہ شراب کی کئی بھری ہوئی مشکیں بھی ان کے ہاتھ آئیں۔ مسلمانوں نے شراب کو زمین پر انڈیل دیا۔

عبداللہ پرانا شرابی تھا۔ اس نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور دل کھول کر شراب پی۔ مسلمان اسے پکڑ کر رسول اکرمؐ کی خدمت میں لائے۔ آپ نے اپنا جوتا اس کے سر پر مارا اور دوسرے مسلمانوں سے بھی فرمایا کہ وہ بھی اپنے جوتوں سے اس کی پٹائی کریں۔ عبداللہ کی اس سے پہلے بھی کئی بار شراب خوری کی وجہ سے رسول اکرمؐ کے ہاتھوں سے پٹائی ہوچکی تھی۔

ہجرت کے نویں سال پورے جزیرۃ العرب سے وفود مدینے آئے اور اسلام قبول کیا۔ اسی سال یمن سے اشعریوں کا ایک وفد بھی مدینے کی طرف روانہ ہوا۔ یہ لوگ حمیر کے نام سے مشہور تھے۔

انس بن مالک کا بیان ہے کہ اشعریوں کے وفد کے آنے سے پہلے رسول خداؐ نے صحابہ سے فرمایا تھا: **يقدم عليكم قوم هم ارق منكم قلوباً.** تمہارے پاس وہ لوگ آنے والے ہیں جو تم سے زیادہ رقیق القلب ہیں۔

اشعریوں کا وفد راستے میں یہ رجز پڑھتا ہوا آیا:

"**غدا نلقى الاحبة :: محمدا و حزبه.**" کل ہم اپنے دوستوں یعنی محمدؐ اور ان کی جماعت سے ملاقات کریں گے۔

اسی سال قبیلہ لخم کا دس افراد پر مشتمل وفد بھی خدمت نبوی میں حاضر ہوا۔ اس وفد میں ہانی بن حبیب بھی تھا جو اپنے ساتھ زربفت کی ایک قبا اور چند عمدہ گھوڑے اور شراب کی ایک مشک رسول خداؐ کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر لایا تھا۔

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے شراب کو حرام کیا ہے۔

ہانی بن حبیب نے کہا: اگر یہی معاملہ ہے تو آپ مجھے اجازت دیں میں اس کو فروخت کر دیتا ہوں۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: شراب کی خرید و فروخت بھی حرام ہے۔

پھر آپ نے حکم دیا کہ شراب کو زمین پر انڈیل دو۔ اس کے علاوہ آپ نے اس کے دوسرے تحفے قبول فرمائے۔ آپ نے اس کی سونے کی تاروں سے بنی ہوئی عبا اپنے چچا عباسؓ بن عبدالمطلب کو عطا فرمائی۔

عباسؓ نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! میں یہ عبا لے کر کیا کروں گا جبکہ اس کا پہننا اسلام میں حرام ہے؟

آپ نے فرمایا: اس کا سونا علیحدہ کرلو اور اس سونے سے اپنی عورتوں کے زیورات بنوالو اور اس کے کپڑے کو فروخت کردو۔[1]

زمخشری نے ربیع الابرار اور شہاب الدین ابشیہی نے مستطرف کی جلد۲، صفحہ ۲۹۱ پر لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شراب کو تین مرحلوں میں حرام قرار دیا:

پہلے مرحلے پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ قُلْ فِیْهِمَا اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ اِثْمُهُمَا اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا....

وہ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق دریافت کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیں کہ ان میں بہت بڑا گناہ اور لوگوں کے فائدے ہیں اور ان دونوں کا گناہ ان کے فائدے سے کہیں زیادہ ہے۔ (البقرہ: ۲۱۹)

جب یہ آیت نازل ہوئی تو عقل مند افراد نے سوچا جس چیز کا فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہو تو اسے چھوڑ دینا چاہیئے۔ چنانچہ اس آیت کے بعد کچھ افراد نے شراب چھوڑ دی جبکہ بہت سے افراد بدستور پیتے رہے اور اسی حال میں نماز میں مشغول ہوتے اور دوران نماز نامناسب جملے ادا کرتے تھے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اوقات نماز میں شراب کو حرام قرار دیا اور فرمایا:

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوْا الصَّلاَۃَ وَ اَنْتُمْ سُکَارٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ.....

اے ایمان والو! نشے کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ یہاں تک کہ تمہیں اپنی کہی بات کا پتا چل سکے۔ (النساء: ۴۳)

اس آیت مجیدہ کے نازل ہونے کے بعد بعض مسلمانوں نے اوقات نماز

۱۔ ناسخ التواریخ، جلد۳، ص۲۶۴۔

میں شراب کا پینا ترک کر دیا لیکن ایک بڑی اکثریت بدستور شراب پیتی رہی۔

ایک بار حضرت عمرؓ نے شراب پی اور اونٹ کی ایک ہڈی اٹھا کر عبدالرحمٰن بن عوف کے سر پر ماری۔ پھر بیٹھ کر جنگ بدر کے مقتول کفار کا مرثیہ پڑھنے لگے جسے اسود بن یعفر نے لکھا تھا جس کے چند اشعار یہ ہیں:

وکائن بالقلیب قلیب بدر　　من الفتیان والعرب الکرام

جوانوں باعزت عربوں کے ساتھ جو واقعہ بدر کے کنوئیں کے پاس پیش آیا۔

یہاں تک کہ کہا:

الا من مبلغ الرحمٰن عنی　　بانی تارک شھر الصیام

فقل للّٰہ یمنعنی شرابی　　وقل للّٰہ یمنعنی طعامی

کون ہے جس نے خدا تک یہ بات پہنچائی ہے کہ میں نے روزہ ترک کر دیا ہے؟ کہو کہ خدا کی قسم شراب مجھے اس سے روکتی ہے اور کھانا مجھے روزے سے الگ رکھتا ہے۔

جب رسول خداؐ کو یہ معلوم ہوا تو آپ غصے کے عالم میں بیت الشرف سے باہر تشریف لائے۔ آپ کی ردا زمین پر گھسٹ رہی تھی اور جو چیز آپ کے ہاتھ میں تھی اس سے عمرؓ کو مارا تو حضرت عمرؓ نے کہا: میں خدا سے اس کے پیغمبر کے غضب کی پناہ مانگتا ہوں۔

اس وقت شراب کی حرمت کا قطعی حکم نازل ہوا:

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالاَنْصَابُ وَالاَزْلاَمُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ. اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطَانُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَ یَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِاللّٰہِ وَعَنِ الصَّلاَۃِ فَھَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَھُوْنَ○

اے ایمان والو! شراب، جوا، بت اور پانسہ یہ سب گندے شیطانی اعمال ہیں لہٰذا ان سے پرہیز کرو تاکہ کامیابی حاصل کرسکو۔ شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان بغض اور عداوت پیدا کردے اور تمہیں یاد خدا اور نماز سے روک دے تو کیا تم واقعاً رک جاؤ گے؟ (مائدہ: ۹۰و۹۱)

حضرت عمرؓ نے جیسے ہی یہ آیت سنی تو کہا: ہم باز آ گئے۔ ہم باز آ گئے۔[۱]

ایک بدو عرب نے راستے میں بیٹھ کر ایک چمڑے کے کوزے میں شراب پی اور اتنا مست ہوا کہ بے حال ہوگیا۔ حضرت عمرؓ نے اس پر حد جاری کی اور کہا: اس لئے حد جاری نہیں کی کہ شراب پی ہے، بلکہ اس لئے کہ مست ہوگیا تھا۔

جصاص نے ''احکام القرآن'' جلد۲، صفحہ ۵۶۵ پر لکھا ہے:

ایک عرب نے خلیفہ کی شراب پی لی۔ حضرت عمرؓ نے اسے شراب خوروں کی سزا کے تازیانے مارے۔ اس عرب نے کہا کہ میں نے تمہاری شراب سے ہی تو پیا ہے۔ تو انہوں نے حکم دیا کہ ان کی شراب لائی جائے۔ پھر اس میں پانی ملا کر پیا اور کہا کہ ''جس کسی کی شراب اسے مست کردے تو اسے پانی سے شراب کی مستی کو ختم کردینا چاہیئے۔''

علامہ کبیر آقائے امینی اس واقعے کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں:

کتنا مضحکہ خیز ہے کہ حضرت عمرؓ اس پر حد جاری کریں کہ جو ایک کوزے میں شراب پیئے کہ وہ نہیں جانتا تھا کہ خود خلیفہ نے کہا ہے کہ ''اس پر حد نہیں ہے جو مست نہ ہو۔'' اگر جانتا ہوتا تو خلیفہ کی پیروی کرتا۔

اس عرب اور خلیفہ کے شراب پینے میں فرق صرف یہ ہے کہ وہ عرب کم شراب پی کر زیادہ مست ہوگیا، لیکن خلیفہ کو کیونکہ عادت تھی اس لئے مست نہیں

۱۔ نقل از الغدیر، جلد۶، ص۲۵۷۔

ہوئے۔ اس صورت میں خلیفہ کی نظر میں شراب پینے سے حد واجب نہیں ہوتی بلکہ مست ہو جانے سے حد واجب ہوتی ہے۔

اس بارے میں کہ "شراب خوار کو حد، شراب پینے پر جاری ہوتی ہے نہ کہ مست ہو جانے پر" علامہ امینی نے کتب اہلسنت سے متعدد احادیث جمع کی ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ حرمت شراب اور حد اسکے پینے کی وجہ سے ہے نہ کہ مست ہو جانے کے سبب۔ اگرچہ کوئی عادی ہونے کے سبب یا کسی اور وجہ سے مست نہ ہوتا ہو۔[1]

عرب اور جنگ و غارت

زمانہ جاہلیت میں قتل و غارت عام تھی اور قتل و غارت کے لئے کوئی نہ کوئی معمولی بہانہ ہی کافی تھا۔ مثلاً اگر کوئی شاعر اپنے قبیلے کی مدح کرتا اور کسی دوسرے قبیلے کی معمولی سی توہین کرتا تو تلواریں نیاموں سے باہر آجاتیں اور پھر ایک طولانی اور لاحاصل جنگ شروع ہو جاتی۔

بعض اوقات جنگ کے لئے کسی بہانے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی جاتی تھی۔ جب کوئی قبیلہ بھوکا ہوتا تو وہ دوسرے قبیلے پر حملہ کر دیتا تھا اور ان کو لوٹ کر اپنا پیٹ بھر لیتا تھا۔ الغرض اس وقت پورے جزیرۃ العرب پر جنگل کے قانون کی حکمرانی تھی۔

عربوں کی بدبختی اور جہالت کو سمجھنے کے لئے نعمان بن منذر کے زمانے میں ہونے والی جنگ داحس وغبرا کا تذکرہ ہی کافی ہے جس میں ایک معمولی واقعہ کئی قبیلوں کے درمیان طولانی قتل و غارت کا باعث ہوا۔

۱۔ الغدیر، ج ۶، ص ۲۵۷۔

جنگ داحس وغبرا

قیس بن زہیر کا تعلق بنی عبس سے تھا۔ اس کے پاس ایک گھوڑا تھا جسے وہ داحس کے نام سے پکارا کرتا تھا اور بنی فزارہ کے سردار حذیفہ بن بدر کے پاس ایک گھوڑی تھی جسے وہ غبرا کے نام سے یاد کرتا تھا۔

الغرض تیز رفتاری میں دونوں جانور ضرب المثل سمجھے جاتے تھے۔ بنی عبس کے ایک شخص نے حذیفہ کے بھائی کے سامنے داحس کی تیز رفتاری کا تذکرہ کیا اور جواب میں اس نے اپنے بھائی کی گھوڑی کی برق رفتاری کی داستانیں بیان کیں اور پھر ان میں یہ طے پایا کہ ان دونوں کا ایک دن مقابلہ کرایا جائے اور انہیں ایک ساتھ دوڑا کر دیکھ لیا جائے کہ ان میں سے زیادہ تیز رفتار کون ہے اور جو جانور گھوڑ دوڑ میں جیت جائے تو اس کے مالک کو فریق ثانی دس اونٹ انعام میں دے۔

مذکورہ شرط باندھنے کے بعد عبسی شخص قیس بن زہیر کے پاس آیا اور اس سے کہا: میں تجھ سے مشورہ کیے بغیر دس اونٹوں کی شرط لگا کر آیا ہوں۔ جب قیس نے یہ بات سنی تو اس نے اسے سرزنش کی اور کہا کہ تو نے یہ اچھا نہیں کیا کیونکہ بنی فزارہ ظالم قسم کے لوگ ہیں وہ عدل و انصاف سے کوسوں دور ہیں اور میں اس طرح کے کسی مقابلے میں حصہ لینا پسند نہیں کرتا۔

عبسی شخص حذیفہ کے بھائی کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ میں آپ سے معذرت چاہتا ہوں کیونکہ داحس کا مالک مقابلہ پر آمادہ نہیں ہے۔

حذیفہ کے بھائی نے کہا: میں تمہاری معذرت پر صرف اس صورت میں غور کر سکتا ہوں کہ پہلے مجھے دس اونٹ بطور جرمانہ ادا کرو۔

وہ شخص اس کے پاس سے اٹھ کر دوبارہ قیس کے پاس آیا اور اس مرتبہ

قیس کو زیادہ جوش آیا اور اس نے کہا کہ اب مقابلہ ہوگا لیکن جیتنے والے کو دس کی بجائے سو اونٹ دیئے جائیں گے۔ اگر حذیفہ اور اس کے بھائی کو میری شرط منظور ہو تو میں مقابلے کے لئے تیار ہوں۔

حذیفہ کے بھائی کو قیس کی شرط بتائی گئی تو اس نے اس پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا اور فریقین نے باہمی رضامندی سے چالیس دن بعد کی تاریخ مقرر کی۔ اس دوران فریقین اپنے اپنے جانوروں کو مقابلے کے لئے تیار کرتے رہے۔

پھر گھوڑ دوڑ کے لئے ایک میدان مقرر کیا گیا اور ایک حد اختتام مقرر کی گئی۔ فریقین نے سو سو اونٹ پیشگی بنی ثعلبہ کے ایک شخص ابن علاق کے پاس جمع کرائے اور اس سے کہا کہ وہ جیتنے والے فریق کو سو اونٹ انعام میں دے۔

حذیفہ کے بھائی کو خطرہ تھا کہ غبرا، داحس کا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔ اسی لئے اس نے راستے میں اپنے چند آدمی چھپا کر بٹھا دیئے اور انہیں ہدایت کی کہ جب وہ دیکھیں کہ داحس بازی لے جا رہا ہے تو وہ اسے ڈرائیں اور خوفزدہ کریں تاکہ غبرا کے لئے میدان صاف ہو سکے۔

الغرض مقابلہ شروع ہوا۔ کچھ ہی لمحات کے بعد داحس آگے بڑھنے لگا اور جب وہ اس مقام سے گزرا جہاں غبرا کے حامی چھپے بیٹھے تھے، تو انہوں نے یکدم اسے ڈرایا جس کی وجہ سے وہ بدک گیا اور اس کا سوار ایک قریبی تالاب میں جا گرا اور نتیجے میں غبرا آگے نکل گئی۔[1]

غبرا کے حامیوں نے شور مچا دیا کہ غبرا مقابلہ جیت چکی ہے۔ لہذا قیس کو چاہئے کہ وہ ایک سو اونٹ اس کے مالک کے حوالے کرے جبکہ قیس نے کہا کہ جیت اس کے گھوڑے کی ہوئی اور اسے جھاڑیوں میں بیٹھے ہوئے افراد نے بدکایا

۱۔ ابن اثیر، ج۱، ص۳۶۷۔

اسی لئے ایک سو اونٹ اسے ملنے چاہئیں اور یوں موقع پر کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ فریقین کسی ہار جیت کے بغیر اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ دوسرے دن حذیفہ نے اونٹ لینے کے لئے اپنے بیٹے کو قیس کے پاس بھیجا اور جب اس نے قیس سے اونٹوں کا مطالبہ کیا تو قیس نے اسے نیزہ مار کر ہلاک کر دیا۔

اس کے بعد دونوں قبیلوں میں قتل و غارت کی آگ بھڑک اٹھی جو چالیس سال تک وقفے وقفے سے جاری رہی۔ اس میں فریقین کے ہزاروں افراد قتل ہوئے اور لاکھوں بچے یتیم ہوئے۔

اس جنگ میں ایک مرتبہ قیس نے محسوس کیا کہ مسلسل جنگ کی وجہ سے اس کا قبیلہ کمزور ہو رہا ہے تو اس نے جنگ بندی کی درخواست کی اور اس نے امن قائم کرنے کی غرض سے اپنے قبیلے کے کچھ لڑکے فریق مخالف کے حوالے کئے اور کہا کہ جب تک ہمارے اندر مکمل مصالحت نہیں ہوتی اس وقت تک ہمارے یہ لڑکے تمہارے پاس گروی رہیں گے۔

قیس کی اس تدبیر سے چند دنوں کے لئے جنگ بند ہوگئی لیکن ایک دن حذیفہ کو اس کے مقتول بیٹے کی یاد نے ستایا تو اس نے ان لڑکوں کو ایک میدان میں جمع کیا اور اپنے قبیلے والوں سے کہا کہ جس کے بھی خاندان کا کوئی شخص بنی عبس کے ہاتھوں قتل ہوا ہو تو وہ اس کا انتقام ان لڑکوں سے لے سکتا ہے۔

اعلان کرنے کی دیر تھی کہ چاروں طرف سے لوگوں نے ان لڑکوں پر تیروں کی بارش کر دی اور سب کو آن واحد میں ہلاک کر دیا۔

حذیفہ کی اس حرکت سے جنگ کی چنگاریاں پھر پوری قوت سے بھڑک اٹھیں اور فریقین میں دوبارہ زور و شور سے جنگ شروع ہوگئی۔ جنگ میں جتنی طوالت ہوتی گئی اس کے دائرۂ کار میں بھی اتنی وسعت پیدا ہوتی گئی۔ ابتدا میں یہ جنگ

صرف دو قبیلوں کے درمیان تھی بعد میں دونوں قبیلوں کے بہی خواہ قبیلے بھی اس میں شامل ہوتے گئے اور یوں جنگ کی تباہ کاریوں میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔

جنگ کی شدت کے اعتبار سے عربوں میں تین دن ضرب المثل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان تین دنوں میں سے ایک دن ''یوم جبلہ'' بھی ہے اور ''یوم جبلہ'' کا تعلق اسی چالیس سالہ لا حاصل جنگ سے ہے۔

بنی عبس نے اپنے دوست قبائل کی مدد سے بہت بڑا لشکر تشکیل دیا اور وہ فیصلہ کن جنگ کے لئے آمادہ ہو گئے۔ مورخین بیان کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت کا وہ سب سے بڑا لشکر تھا۔

بنی فزارہ نے جب مخالفین کا اتنا بڑا اجتماع دیکھا تو وہ گھبرا گئے اور انہوں نے باہمی مشورے سے یہ طے کیا کہ انہیں اپنا علاقہ چھوڑ کر یمن چلے جانا چاہئے۔ پھر وہ اپنے بیوی بچوں کو لے کر یمن کی طرف چل پڑے۔

ابھی انہوں نے تھوڑا سا فاصلہ ہی طے کیا تھا کہ ان کے قبیلے کے ایک شخص نے ان سے کہا: ہمارا یوں وطن چھوڑ کر یمن چلے جانا ہماری ہمیشہ کی شکست اور ذلت پر محمول کیا جائے گا۔ ہمیں مردانہ وار مقابلہ کرنا چاہئے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہمیں کھلے میدان کی بجائے پہاڑ کا سہارا لینا چاہئے اور اپنی عورتوں اور بچوں کو پہاڑ کی چوٹی پر لے جانا چاہئے اور پہاڑ کے درمیان ہمیں اپنے اونٹ اور جنگی جوان کھڑے کرنے چاہئیں اور جب ہمارا دشمن فوج لے کر آئے تو ہم اونٹوں کو ان کی طرف دوڑا دیں اور اونٹوں کے پیچھے ہمارے جنگی جوان پتھروں کی شدید بارش کریں۔ اگر ہم نے ایسا کیا تو پھر ہم جیت جائیں گے ادر دشمن کے حوصلے ہمیشہ کے لئے پست ہو جائیں گے۔

قبیلے کے سرداروں کو اس کی تجویز پسند آئی اور انہوں نے اس کے کہنے پر

عمل کیا۔ جب بنی عبس اپنا لشکر لیکر سامنے آئے تو بنی فزارہ پہاڑ کے اوپر تھے اور بنی عبس پہاڑ کے نیچے کھڑے تھے۔ بنی فزارہ نے تیزی سے اپنے اونٹوں کو ان کی طرف دوڑایا اور اونٹوں کے پیچھے ان کے جنگی جوان پتھر لیکر دشمن کی طرف بھاگے۔

جب اونٹ پہاڑ کی بلندی سے دوڑتے ہوئے نیچے ائے تو ان کی رفتار بڑی تیز تھی اور وہ کسی کے روکنے پر رک نہیں سکتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنی عبس کے لشکر کے بہت سے لوگ اونٹوں کے پاؤں میں آکر کچلے گئے، بہت سے افراد سنگ باری کے نتیجے میں ہلاک ہوئے اور مخالفین کے بہت سے سرکردہ افراد کو قیدی بنالیا گیا۔ الغرض واقعہ جبلہ بنی فزارہ کی فتح پر منتج ہوا اور اس سے بنی عبس کی کمر ٹوٹ گئی۔

اس واقعے کے بعد بنی عبس نے بنی عامر کے ہاں پناہ لے لی۔ پھر بنی ذبیان کے چند سرداروں نے مداخلت کی اور کچھ دنوں کے لئے جنگ کے شعلوں میں کمی پیدا ہوئی۔ دونوں گروہوں میں مصالحت ہونے کو تھی کہ اس دوران بنی فزارہ کا ایک شخص جس کا نام حصین بن ضمضم تھا اور اس کے باپ کو بنی عبس نے قتل کیا تھا، اس نے اپنے باپ کے قتل کا انتقام لینے کے لئے بنی عبس کے ایک شخص تیجان بن ربیع کو قتل کردیا۔ اس واقعے کی وجہ سے جنگ کی دبی ہوئی چنگاریاں دوبارہ بھڑک اٹھیں۔

پھر سنان بن ابی حارثہ نے جنگ کے روکنے میں اہم کردار ادا کیا۔ وہ اپنے جوان بیٹے کو تیجان کے والد ربیع کے پاس لے کر گیا اور کہا کہ اگر تو نے خواہ مخواہ اپنے بیٹے کے خون کا انتقام ہی لینا ہے تو پھر حصین بن ضمضم کی بجائے میرے بیٹے کو اس کے بدلے میں قتل کردے اور اگر تو خون بہا پر راضی ہونا چاہے تو میرا بیٹا اس وقت تک تیری ہی تحویل میں رہے گا جب تک میں تیرے بیٹے کے

مناسب خون بہا کا انتظام نہیں کرتا۔

مقتول کا باپ خون بہا پر راضی ہوگیا۔ سنان نے اپنے بیٹے کو اس کی تحویل میں دیا اور پھر چند دنوں بعد اس نے خون بہا کے طور پر اس کے پاس دو سو اونٹ روانہ کیئے۔ مقتول کے باپ نے ان میں سے ایک سو اونٹ اپنے پاس رکھ لئے اور باقی سو اونٹ اس نے سنان کے پاس واپس بھیج دیئے۔

یوں گھوڑا دوڑانے پر شروع ہونے والی چالیس سالہ لاحاصل جنگ کا خاتمہ ہوا۔[1]

عربوں کی نفسیات

بنی بکر و بنی تغلب میں بھی ایک ہولناک جنگ ہوئی تھی جس کے شعلے چالیس سال تک بلند ہوتے رہے۔ یہ جنگ ''کُلَیب'' کے قتل کی وجہ سے شروع ہوئی تھی۔ واضح رہے کہ عربی زبان میں کتے کو ''کَلب'' کہا جاتا ہے اور اس کی تصغیر ''کُلَیب'' ہے جس کے معنی ہیں چھوٹا کتا۔

لفظ ''کُلَیب'' دراصل کسی شخص کا اصلی نام نہیں تھا۔ یہ بنی تغلب کے ایک سردار جس کا نام وائل تھا کا لقب تھا۔

وائل اتنا سرکش اور متکبر تھا کہ وہ جہاں کہیں جاتا تو ایک چھوٹا سا کتا اپنے ساتھ لے جاتا تھا اور راستے میں اگر اسے کوئی جگہ پسند آجاتی اور وہ وہاں ڈیرہ لگانے یا قبضہ جمانے کا خواہش مند ہوتا تو وہ اپنے کتے کو زور زور سے مارتا تھا۔ کتاب زور سے بھونکتا اور آوازیں نکالتا تھا۔

اس زمانے کے لوگ جو کہ اس کی نخوت و تکبر سے واقف تھے وہ ایک

۱۔ نقل باختصار از ناسخ التواریخ، ج ۳، ص ۱۹۳ تا ۲۱۲۔ کامل ابن اثیر، ج ۱، ص ۳۶۶ تا ۳۷۵۔

دوسرے سے کہتے تھے: ھذا کلیب وائل. یہ وائل کا کتا ہے۔ چنانچہ کتے کی آواز کی وجہ سے کوئی بھی شخص اس علاقے سے گزرنے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔

ابتدا میں تو لوگ ''کلیب وائل'' کہتے تھے لیکن بعد میں آہستہ آہستہ لفظ وائل حذف ہوگیا اور لفظ کلیب باقی رہ گیا۔ چنانچہ آج تک تاریخ کے اوراق میں اس شخص کو کلیب کے مختصر نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

کلیب اتنا خود پسند اور متکبر شخص تھا کہ بعض اوقات وہ بیٹھے بیٹھے اعلان کردیتا تھا کہ فلاں جنگل یا صحرا کے جانور میری امان میں ہیں۔

کلیب کے اعلان کے بعد کسی شکاری میں یہ حوصلہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ اس کے ممنوعہ علاقے میں جاکر شکار کرسکے۔

اس کے علاوہ اس کی خود پسندی کی انتہا یہ تھی کہ اس نے اعلان کر رکھا تھا کہ جب اس کے مہمان خانے سے دھواں اٹھ رہا ہو تو علاقے میں کوئی شخص کسی مہمان کو اپنے پاس نہ ٹھہرائے بلکہ اس کے مہمان خانے پر اسے لے آئے۔

اس کے دور میں بنی جشم اور بنی شیبان ایک ہی جگہ پر قیام کرتے تھے تاکہ وہ کسی زبردست کے حملے سے محفوظ رہ سکیں۔

کلیب نے مرہ بن شیبان کی بیٹی حلیلہ سے نکاح کیا۔ اس کے دو برادر نسبتی تھے جن کے نام بالترتیب جساس اور ہمام تھے۔ کلیب کا ایک بھائی بھی تھا جس کا نام مہلہل تھا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کلیب نے ایک جگہ کو اپنے اونٹوں کی چراگاہ کے طور پر منتخب کیا جہاں صرف اس کے اپنے اونٹ چرا کرتے تھے اس کے علاوہ کسی دوسرے کو وہاں اونٹ چرانے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔

ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ بنی جرم کا ایک شخص کلیب کے برادر نسبتی جساس

کا مہمان بنا۔ اس کا اونٹ جساس کے اونٹوں کے ساتھ چرنے کے لئے کلیب کی چراگاہ میں چلا گیا۔

کلیب چراگاہ دیکھنے آیا تو اس نے وہاں اپنے اور اپنے برادر نسبتی کے اونٹوں کے علاوہ ایک اجنبی اونٹ دیکھا تو اس نے جساس سے کہا: یہ کس کا اونٹ ہے؟

جساس نے کہا: یہ میرے ایک مہمان کا اونٹ ہے جو میرے اونٹوں کے ساتھ چرتے ہوئے یہاں آ گیا۔

کلیب نے کہا: خیر کوئی بات نہیں۔ آئندہ یہ اونٹ یہاں قدم نہ رکھے۔

جساس نے کہا: ایسا نہیں ہوسکتا جہاں میرے اونٹ چرنے جائیں گے وہاں یہ بھی ضرور چرنے جائے گا۔

اس چھوٹی سی بات پر برادر نسبتی اور بہنوئی میں تھوڑی سی تو تو میں میں ہوئی۔ ایک دن جساس نے موقع پا کر کلیب پر پیچھے سے وار کیا اور اسے قتل کر دیا۔ جس وقت کلیب قتل ہوا اس وقت قاتل کا بھائی ہمام بن مرہ مقتول کے بھائی مہلہل کے ساتھ شراب نوشی میں مصروف تھا اور شراب نوشی کے دوران دونوں نے ایک دوسرے سے عہد کیا کہ وہ آئندہ ایک دوسرے سے کوئی بات نہیں چھپائیں گے۔

جساس کی ایک کنیز دوڑتی ہوئی ہمام کے پاس آئی اور آہستہ سے اس کے کان میں کہا کہ تمہارا اب یہاں بیٹھنا صحیح نہیں اور خطرے سے خالی نہیں ہے کیونکہ بھائی جساس نے مہلہل کے بھائی کلیب کو قتل کر دیا ہے۔

مہلہل نے ہمام سے پوچھا کہ کنیز کیا پیغام لے کر آئی ہے؟

ہمام نے کہا: کنیز نے آکر مجھے یہ خبر دی ہے کہ میرے بھائی جساس نے تیرے بھائی کلیب کو قتل کر دیا ہے۔

مہلہل نے جب یہ سنا تو اس نے کہا: کوئی بات نہیں میرا تجھ سے کوئی

جھگڑا نہیں ہے تو مطمئن ہو کر میرے ساتھ مے کشی کر سکتا ہے۔

پھر قاتل اور مقتول کے بھائی مل کر مے نوشی میں مصروف ہو گئے۔

مہلہل نے کہا: آج دل کھول کر شراب پی لے کیونکہ کل میں اور تو ایک دوسرے کے مقابلے پر آ جائیں گے۔

بہرنوع کافی دیر تک شراب کا دور چلتا رہا۔ آخرکار شراب کا دور ختم ہوا اور مہلہل اس وقت اپنے قبیلے میں واپس آیا جب اس کا بھائی کلیب دفن ہو چکا تھا۔

کلیب کے خاندان نے رو رو کر اپنا برا حال کیا ہوا تھا اور عورتوں نے اپنے سر کے بال نوچ ڈالے تھے۔

مہلہل نے جب اپنے خاندان کو غم و اندوہ میں ڈوبا ہوا دیکھا تو اس نے پہلا کام یہ کیا کہ اس نے مقتول کی بیوہ کو جو کہ قاتل کی بہن تھی میکے جانے کا حکم دیا اور کہا کہ میں اپنے بھائی کے قاتل کی بہن کو اپنے گھر میں برداشت کرنے پر آمادہ نہیں ہوں۔ اس کے بعد اس نے اپنا گریبان چاک کیا اور مقتول کی قبر پر کھڑے ہو کر عہد کیا کہ جب تک میں اپنے مقتول بھائی کا بدلہ نہ لوں گا اس وقت تک میں اپنی بیوی کے قریب نہیں جاؤں گا اور اس وقت تک جوا اور شراب کو ہاتھ تک نہ لگاؤں گا۔

اس عہد کے بعد اس نے اپنے بھائی کے سسر کو پیغام بھیجا کہ اگر وہ چار میں سے کسی ایک شرط کو مان لے تو وہ اس کے ساتھ جنگ نہیں کرے گا:

۱۔ اس کے بھائی کلیب کو زندہ کر دے۔

۲۔ یا کلیب کے قاتل جساس کو اس کی تحویل میں دے۔

۳۔ یا جساس کے بھائی ہمام کو اس کی تحویل میں دے۔

۴۔ یا اگر وہ اپنے دونوں میں سے کسی کو بھی تحویل میں دینے پر آمادہ نہ ہو تو

پھر وہ اپنے آپ کو اس کی تحویل میں دے دے۔

قاتل کے باپ نے اس کے تمام مطالبات مسترد کر دیئے اور کہلا بھیجا کہ اگر مقتول کے وارث راضی ہوں تو وہ انہیں دیت میں ایک ہزار اونٹ دینے پر آمادہ ہے۔

بنی تغلب خون بہا پر راضی نہ ہوئے جس کی وجہ سے فریقین میں جنگ چھڑ گئی اور آخرکار ہمام اور جساس اس جنگ میں مارے گئے۔ یہ جنگ کم و بیش چالیس برس تک جاری رہی جس میں ہزاروں افراد کھیت رہے۔

جب کلیب کا قاتل جساس اور اس کا بھائی قتل ہوگیا تو اس کے بعد کلیب کے بھائی مہلہل نے اپنی قوم کا اجلاس بلایا اور ان سے کہا: میری نظر میں اب جنگ کو مزید طُول دینا نامناسب ہے۔ اگر کوئی انسان چالیس سال تک مسلسل عیش و آرام کی زندگی بھی بسر کرے تو وہ بھی عیش و آرام سے اکتا جاتا ہے جبکہ تمہیں چالیس سال کا عرصہ جنگ کی سختیاں جھیلتے ہوئے گزر چکا ہے۔ اس وقت ہمارے قبیلے میں کوئی ماں ایسی نہیں ہے جس نے بیٹے کی موت کا صدمہ برداشت نہ کیا ہو۔ اس وقت ہماری قوم میں یتیم بچوں کی تعداد بڑھ چکی ہے۔ لہذا میں اس سرزمین کو چھوڑ کر یمن جارہا ہوں کیونکہ میں اپنے بھائی کے قاتلوں کے لواحقین کو برداشت نہیں کرسکتا اور تم سب سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ تم اپنی سرزمین پر رہو اور آج کے بعد جنگ دوبارہ نہیں ہونی چاہئے۔

اس کے بعد مہلہل نے اپنا علاقہ چھوڑ دیا اور وہ یمن کی طرف روانہ ہوگیا اور اس کے جانے سے جنگ کا باب بند ہوا۔[۱]

۱۔ نقل باختصار از کامل ابن اثیر، جلد اول، ص۳۳۶ تا ۳۴۴۔

اوس وخزرج کی جنگ

طولانی جنگوں میں سے اوس وخزرج کی جنگ کو باقی تمام جنگوں پر فوقیت حاصل ہے کیونکہ اس جنگ کی چنگاریاں ایک سو سال تک سلگتی رہیں۔ اس صدی کے دوران کبھی آتش جنگ بھڑک اٹھتی اور کبھی مدھم پڑ جاتی تھی۔ اس جنگ کی ابتدا ایک سادہ اور جاہلانہ واقعے سے ہوئی۔

بنی ثعلبہ کا ایک شخص اپنی قوم و قبیلے کو چھوڑ کر مدینے آیا۔ وہ مالک بن عجلان کا حلیف بن گیا اور مدینے میں ہی رہائش اختیار کرلی۔

ایک مرتبہ مالک بن عجلان اس شخص کو ساتھ لے کر بنی قینقاع کے بازار میں گیا وہاں ایک شخص ایک گھوڑے کی باگ پکڑ کر بازار میں آیا اور اس نے کہا: اے لوگو! میں یہ گھوڑا مدینے کے معزز ترین شخص کے لئے ہے۔

ایک شخص نے کہا: فلاں شخص مدینے کا سب سے معزز ہے۔

دوسرے شخص نے کسی دوسرے کا نام لیا۔ تیسرے شخص نے ایک یہودی کا نام لیا۔ الغرض لوگ اپنی طرف سے معززین کی فہرست پیش کرنے میں مصروف تھے کہ اس شخص نے گھوڑے کی لگام مالک بن عجلان کے ہاتھ میں پکڑائی اور کہا: لیجئے آج سے یہ گھوڑا آپ کا ہوا۔

مالک کے ساتھ اس کا حلیف موجود تھا اس نے چیخ کر کہا: اے لوگو! تم نے دیکھ لیا کہ میرا حلیف مالک بن عجلان مدینے کا معزز ترین فرد ہے اور اس کی عظمت کے سامنے کسی دوسرے کا چراغ نہیں جل سکتا۔

قبیلہ اوس کا ایک شخص جس کا نام سمیر تھا اس نے اس شخص کو برا بھلا کہا اور چند لمحات بعد بات آئی گئی ہوگئی۔

اس واقعے کے بعد سمیر، مالک بن عجلان کے حلیف کے تعاقب میں رہنے لگا۔ آخر کار ایک بار اسے بازار قبا میں موقع مل گیا۔ اس وقت بازار میں کوئی دوسرا نہیں تھا تو سمیر نے مالک بن عجلان کے حلیف کو قتل کر دیا۔

جب مالک بن عجلان نے اپنے حلیف کے قتل کی خبر سنی تو اس نے قبیلہ اوس سے قاتل کو طلب کیا۔

قبیلہ اوس نے کہا: ہمیں قاتل کا کوئی پتا نہیں ہے۔ آخر میں قبیلہ اوس مقتول کی دیت ادا کرنے پر راضی ہوگیا اور اس وقت یہ رواج تھا کہ حلیف بننے والے کی دیت نصف ادا کی جاتی تھی جبکہ مالک بن عجلان نے پوری دیت پر اصرار کیا لیکن اوس نے نصف دیت سے ایک اونٹ بھی زیادہ دینا گوارا نہ کیا جس کی وجہ سے مالک بن عجلان کے قبیلے خزرج اور قبیلہ اوس میں جنگ بھڑک اٹھی۔

ابن اثیر کامل التواریخ جلد اول، صفحہ ۴۳۷ میں لکھتے ہیں:

مالک و سمیر کی جنگ کے ایک سو سال بعد اہل مدینہ میں ایک اور جنگ ہوئی جس کو ''جنگ حاطب'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس جنگ کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حاطب ایک معزز اور مہمان نواز شخص تھا۔

ایک مرتبہ اس کے پاس بنی ثعلبہ کا ایک شخص آ کر مہمان ٹھہرا۔ ایک دن حاطب کا مہمان بازار میں گیا تو زید بن حرث خزرجی کو شرارت سوجھی اور اس نے ایک یہودی سے کہا کہ اگر تو اس مہمان کی بے عزتی کر دے تو میں اپنی یہ چادر تجھے بخش دوں گا۔

یہودی نے چادر کے لالچ میں حاطب کے مہمان کی چادر کو اس زور سے کھینچا کہ اس نے چیخ کر اپنے میزبان کو آواز دی اور کہنے لگا: میرے معزز میزبان! تو کہاں ہے؟ آج تیرے مہمان کو سرِ بازار رسوا کیا جا رہا ہے؟

حاطب نے یہ پکار سنی تو تلوار لے کر بازار میں آیا اور پوچھا کہ اس کے مہمان کی کس نے بے عزتی کی ہے؟

لوگوں نے بتایا کہ فلاں یہودی نے تیرے مہمان کی بے عزتی کی ہے۔

حاطب نے اپنی تلوار سے یہودی کا کام تمام کردیا۔ جب یزید بن حارث نے سنا تو وہ بھی حاطب کو قتل کرنے کے لئے تلوار لے کر چل پڑا مگر اس وقت حاطب اپنے گھر میں داخل ہو چکا تھا۔ یزید بن حارث نے حاطب کی بجائے بنی معاویہ کے ایک شخص کو قتل کردیا۔

اس کے بعد اوس و خزرج میں دوبارہ لڑائی کے شعلے بھڑک اٹھے اور کئی سال تک جنگ جاری رہی۔ آخرکار جب دونوں قبیلے فنا ہونے کو تھے تو اس وقت چند معززین نے ان کے درمیان مصالحت کے لئے قدم بڑھایا اور کہا کہ فریقین کے مقتولین کو شمار کیا جائے جس قبیلے کے مقتول زیادہ ہوں تو اسے اضافی مقتولین کا خوب بہا ادا کیا جائے۔

جب مقتولین کو شمار کیا گیا تو قبیلہ اوس کے قبیلہ خزرج سے تین مقتول زیادہ تھے۔

قبیلہ خزرج کے پاس اس وقت دیت کی رقم موجود نہیں تھی انہوں نے بطور ضمانت اپنے تین لڑکے قبیلہ اوس کے حوالے کئے اور کہا کہ ہم عنقریب دیت کا انتظام کر کے تم سے اپنے لڑکے واپس لے لیں گے۔

قبیلہ اوس نے معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے خزرج کے لڑکوں کو قتل کردیا۔ اس کے بعد اوس و خزرج میں دوبارہ جنگ چھڑ گئی۔

قبیلہ اوس کے کچھ افراد مکہ گئے اور انہوں نے قریش سے جنگ و صلح میں ساتھ رہنے کا عہد و پیمان کیا۔ مذکورہ دفاعی معاہدہ ابوجہل کی غیر موجودگی میں طے

پایا تھا۔ جب ابوجہل آیا تو اس نے قریش کے سرداروں سے کہا کہ تم نے اوس سے دفاعی معاہدہ کر کے صحیح نہیں کیا لہذا میری مانو اور اس معاہدے کو ختم کردو۔

قریش سرداروں نے کہا: مگر اب تو ہم معاہدہ کر چکے ہیں اس سے انحراف کیسے کریں؟

ابوجہل نے کہا: یہ کام تم مجھ پر چھوڑ دو میں ان کے پاس جا کر ایسی بات کروں گا کہ تم پر معاہدے سے انحراف کا کوئی الزام نہیں آئے گا۔

ابوجہل مدینے گیا اور اس نے اوس کے سرداروں سے ملاقات کی اور ان سے کہا: تم نے ہم سے دفاعی معاہدہ کر کے اچھا کیا لیکن ایک بات یاد رکھو کہ اگر ہم سے دفاعی معاہدہ کرتے ہو تو تمہیں ہماری تہذیب و ثقافت بھی اپنانا ہوگی اور ہم قریش تو ایسے لوگ ہیں جب ہماری کنیزیں ہمارے گھروں سے کام کاج کے لئے باہر نکلتی ہیں تو لوگ ان کے پستان پکڑتے ہیں اور ہم کسی کو کچھ نہیں کہتے اور اگر تم راضی ہو کہ تمہاری عورتوں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہو تو ہم معاہدے کو پختہ کرنے پر آمادہ ہیں۔

انصار غیور طبع لوگ تھے۔ انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کردیا اور یوں قبیلہ اوس اور قبیلہ قریش کا دفاعی معاہدہ خود بخود ٹوٹ گیا۔

اوس و خزرج میں جو آخری لڑائی ہوئی اسے ''جنگ بعاث'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ''بعاث'' ایک میدان کا نام ہے جو کہ بنی قریظہ کی ملکیت تھا۔ اس میدان میں فریقین میں زور کا رن پڑا تھا۔ اس جنگ کے آغاز میں اوس کے جوان بھاگ گئے مگر ان کا سردار پوری استقامت سے جنگ میں مصروف رہا اور اس نے خزرج کے سردار کو قتل کردیا۔ جب خزرجی سردار قتل ہوا تو ان کے جوان میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس کے بعد اوس کے جنگ آزماؤں کا حوصلہ بڑھا انہوں

نے ان کا تعاقب کیا اور قتل عام میں مصروف ہو گئے۔

اتنے میں ایک شخص نے آواز دے کر کہا: اوس کے جوانو! کچھ شرم کرو یہ تمہارے بھائی ہیں۔ اپنے بھائیوں کو اپنے ہاتھ سے قتل نہ کرو۔[1] کیا تم اپنے بھائیوں کی ہمسائیگی سے روباہ صفت یہودیوں کی ہمسائیگی کو پسند کرو گے؟ تمہارے یہ بھائی لاکھ برے سہی لیکن مکار یہودیوں سے تو کہیں بہتر ہیں۔

اس آواز کو سن کر اوس کے جنگجو رک گئے اور مزید قتل عام سے باز آ گئے۔

اس جنگ میں قبیلہ اوس نے قبیلہ خزرج کے مکانوں اور کھجور کے درختوں کو آگ لگادی تھی۔اس جنگ کے بعد اوس وخزرج میں کوئی جنگ نہ ہوئی کیونکہ اس جنگ کے کچھ ہی عرصے بعد جزیرۃ العرب میں اسلام کی شعائیں پھوٹیں اور اوس وخزرج مسلمان ہو گئے اور وہ لوگ جو پہلے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے اسلام کی برکت سے عقد مواخات میں منسلک ہو گئے اور ایک دوسرے پر جان چھڑکنے لگے۔

انصار کا مشرف بہ اسلام ہونا

اسعد بن زرارہ اور ذکوان بن عبدقیس کا تعلق شہر مدینہ کے قبیلے خزرج سے تھا اور وہ عمرہ رجب کے لئے مکہ آئے۔عمرہ سے فارغ ہو کر انہوں نے سوچا کہ کیوں نہ یہاں کے کچھ قریش سرداروں سے ملاقات کی جائے اور ان سے قبیلہ اوس کے خلاف مدد طلب کی جائے۔

اسعد کی عتبہ بن ربیعہ سے پرانی جان پہچان تھی۔ وہ اپنے ساتھی ذکوان کو لے کر عتبہ کے پاس آیا اور رسمی گفتگو کے بعد اس نے کہا: ہم لوگ قبیلہ اوس کی چیرہ

۱۔ اوس اور خزرج دو بھائی تھے جن سے یہ دو قبیلے وجود میں آئے۔

دستیوں سے تنگ آ چکے ہیں اور قریش کے ساتھ دفاعی معاہدہ کرنے کے خواہش مند ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ قریش قبیلہ اوس کے خلاف جنگ میں ہماری بھرپور مدد کریں تا کہ انہیں ہمیشہ کے لئے سبق مل سکے۔

عتبہ نے جواب میں کہا: ایسا ہونا دو وجوہات کی بناپر بہت مشکل ہے۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ تمہارا شہر یہاں سے بہت زیادہ فاصلے پر واقع ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم خود اس وقت ایک سخت مصیبت میں گرفتار ہیں اور ہمارا اپنا اتحاد و اتفاق ختم ہو چکا ہے اور ہمارا قبیلہ اندرونی طور پر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکا ہے۔

اسعد نے حیران ہو کر کہا: تم پر کیا افتاد آ پڑی ہے؟

عتبہ نے کہا: ہم میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ وہ ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہتا ہے۔ ہمارے بہت سے نوجوان اس کی حمایت کر رہے ہیں۔

اسعد نے جیسے ہی عتبہ کی یہ گفتگو سنی تو اسے اپنے شہر کے یہودیوں کی بات یاد آ گئی جو وہ ایک مدت سے کر رہے تھے کہ عنقریب مکے میں ایک پیغمبر مبعوث ہوگا، پھر وہ مکے سے ہجرت کر کے مدینے آئے گا اور مشرکین کو قتل کرے گا۔

اسعد نے عتبہ سے کہا: وہ نبوت کا دعویدار اس وقت کہاں ہوگا؟

عتبہ نے کہا: وہ اس وقت حجر اسماعیلؑ کے پاس بیٹھا ہوگا لیکن تم خیال رکھنا وہ بہت بڑا جادوگر (نعوذ باللہ) ہے۔ اس کی باتیں لوگوں کو موہ لیتی ہیں۔ اب جب تم طواف کے لئے جاؤ تو اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لینا۔ اس کی باتیں ہرگز نہ سننا ورنہ اس کا جادو تم پر بھی اثر کر جائے گا۔

اسعد نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونسی اور بیت اللہ کے طواف کے لئے روانہ ہوا۔ جب وہ بیت اللہ میں داخل ہوا تو اس وقت رسول اکرمؐ چند افراد کے ساتھ حجر اسماعیل میں تشریف فرما تھے۔ اس نے بیت اللہ کا طواف کیا۔ جب اس کا

گزر آنحضرتؐ کے سامنے سے ہوا تو آپ نے اس پر ایک شفیق مسکراہٹ ڈالی۔ دوسرا چکر لگاتے وقت اس نے دل میں سوچا کہ میں بھی کتنا بدنصیب ہوں کہ مکے میں اتنا بڑا واقعہ ہوا ہے اور میں اس واقعے کے کردار سے بھی نہیں ملا اور جب میں مدینے جاؤں گا تو اہل مدینہ کو اس کے متعلق کیا بتاؤں گا؟ یہ سوچ کر اس نے اپنے کان سے روئی باہر نکالی اور آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہیں رسم جاہلیت کے مطابق ''انعم صباحا'' کہہ کر سلام کیا۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جنت سے ہمارے لئے اس سے بہتر سلام بھیجا ہے اور وہ ہے ''السلام علیکم۔''

اسعد نے پوچھا: آپ کس بات کی دعوت دیتے ہیں؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: میں اللہ کی توحید اور اپنی نبوت کے اقرار کی دعوت دیتا ہوں، لوگوں سے کہتا ہوں کہ وہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں، اپنے والدین سے بھلائی کریں، بھوک کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کریں، اپنے معاملات میں عدل و راستی اپنائیں، وعدہ وفائی کریں اور ناپ تول میں کمی نہ کریں۔

اسعد نے جیسے ہی آنحضرتؐ کی تعلیمات سنیں تو اس نے آپ سے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان! میں آپ کی نبوت پر ایمان لاتا ہوں اور احبار یہود نے ہمیں آپ کی نبوت کی بہت پہلے سے خبر دی ہے۔ میرا تعلق یثرب کے خزرج قبیلے سے ہے اور ہمارے اور قبیلہ اوس کے درمیان ایک طویل عرصے سے جنگ چل رہی ہے۔[۱] اگر آپ کی برکت سے ہماری یہ دشمنی ختم ہو جائے تو یہ آپ کا عظیم کارنامہ ہوگا اور اس صورت میں آپ ہی تمام لوگوں سے ہمیں زیادہ

۱۔ بحار الانوار، ج۱۸، ص۱۵۵ پر مرقوم ہے کہ اوس و خزرج دو بھائی تھے۔ ان کی اولاد میں ایک سو بیس سال تک جنگ ہوتی رہی یہاں تک کہ اسلام کی برکت سے ختم ہوئی۔

عزیز ہوں گے۔ اب اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے ایک ساتھی کو بھی آپ کی خدمت میں لے آؤں تا کہ وہ بھی دولت ایمان سے محروم نہ رہے اور ہم زیادہ طاقت حاصل کرسکیں؟

آنحضرتؐ نے اجازت دی۔ اسعد اپنے ساتھی ذکوان کو بھی آپ کی خدمت میں لے آئے اور ذکوان نے بھی اسلام قبول کیا۔ دونوں دوست دنیا کی عظیم نعمت سے مالا مال ہو کر مدینے واپس چلے گئے اور وہاں کے لوگوں کو ظہور پیغمبر سے آگاہ کیا۔

جاہلانہ رسوم کو اسلام نے کس طرح ختم کیا؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے عربوں میں رسم حج جاری تھی۔ مگر انہوں نے اپنی جہالت کی وجہ سے اس میں عجیب وغریب خرافات داخل کردی تھیں۔ اسلام نے تمام خرافات کو ختم کیا اور حج کو عظمت اسلام کا نمونہ بنادیا۔

حج وعمرہ کے متعلق عربوں میں جہاں اور بہت سی خرافات پائی جاتی تھیں وہاں ایک یہ بھی تھی کہ جب وہ حج وعمرہ سے فارغ ہو کر گھر آتے تو گھر کے دروازے سے داخل ہونے کو حرام سمجھتے تھے۔ وہ اپنے گھروں کے پچھواڑے سے سیڑھی کی مدد سے داخل ہوتے تھے اور دروازے سے داخل ہونے کو اپنے لئے بدترین گناہ سمجھتے تھے۔ خیمہ نشین لوگ خیمے کی پچھلی طرف سے داخل ہوتے تھے۔ البتہ قریش، بنی خزاعہ اور بنی عامر اس قانون سے مستثنٰی شمار کئے جاتے تھے کیونکہ انہیں مجاور کعبہ ہونے کی وجہ سے چند خصوصیات حاصل تھیں۔

اللہ تعالٰی نے قرآن مجید میں لوگوں کو اس اوہام پرستی سے منع کیا اور ارشاد فرمایا:

لَیۡسَ الۡبِرُّ بِاَنۡ تَاۡتُوا الۡبُیُوۡتَ مِنۡ ظُهُوۡرِهَا وَلٰكِنَّ الۡبِرَّ مَنِ اتَّقٰى وَ اۡتُوا الۡبُیُوۡتَ مِنۡ اَبۡوَابِهَا. نیکی یہ نہیں ہے کہ تم گھروں کے پچھواڑے سے گھروں میں داخل ہو بلکہ نیکی تو یہ ہے جو پرہیزگاری اختیار کرے اور گھروں میں دروازوں سے داخل ہوا کرو۔ (البقرة: ۱۸۵)

اس کے علاوہ حج کے طواف کے لئے ایک خود ساختہ شرط یہ تھی کہ طواف کرنے والا قریشی یا بنی خزاعہ و بنی عامر کا مخصوص لباس پہنے اور اگر کوئی مذکورہ قبائل کا مخصوص لباس نہ پہنے تو پھر اپنے لباس میں طواف کرے۔ البتہ طواف کے بعد اس لباس سے استفادہ نہ کرے، اس لباس کو خیرات کر دے۔ اگر کوئی مذکورہ قبائل کا مخصوص لباس نہ پہنے اور اپنا لباس صدقہ بھی نہ کرسکتا ہو تو اس کو چاہئے کہ ننگا ہو کر طواف کرے۔

ایک بار فتح مکہ کے بعد ایسا اتفاق ہوا کہ ایک حسین وجمیل عورت طواف کعبہ کے لئے آئی۔ مگر غربت کی وجہ سے قریش کا لباس کرائے پر حاصل کرنے سے قاصر تھی۔ کعبے کے پروہتوں نے اس سے کہا کہ تم اپنے اسی لباس میں طواف کرو لیکن طواف کے بعد یہ لباس خیرات کردو۔

اس عورت نے کہا: میں غریب ہوں میں ایسا نہیں کرسکتی۔

چنانچہ اس عورت نے اپنے تمام کپڑے اتار ڈالے اور ایک ہاتھ آگے اور ایک ہاتھ پیچھے رکھا اور اس نے یہ شعر پڑھا:

الیوم یبدو بعضه او کله　　فما بدا منه فلا احله

آج کچھ یا پورا بدن ظاہر ہو جائے گا اور جو ظاہر ہوگا اسے میں کسی کے لئے حلال نہیں کروں گی۔

حاضرین اس منظر کو بڑے شوق سے دیکھنے لگے اور دل آویز پیکر کے

دیدار میں غرق ہوگئے اور اس کے گرد مجمع لگا لیا۔ جیسے ہی وہ عورت طواف سے فارغ ہوئی تو ہر طرف سے اسے رشتے کی پیشکش ہونے لگی۔

عورت نے رشتے کے خواہش مندوں سے کہا: محترم حضرات! آپ کی خواہش کبھی پوری نہیں ہوسکتی کیونکہ میں پہلے سے شادی شدہ ہوں۔

ہجرت کے نویں سال جنگ تبوک کے بعد جب سورۂ برأت کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں تو رسول اکرمؐ نے وہ آیات حضرت ابوبکرؓ کے حوالے کیں اور فرمایا: تم یہ آیات لے جاؤ اور حج کے موقع پر لوگوں کو یہ احکام سناؤ۔

حضرت ابوبکرؓ آیات لے کر روانہ ہوئے بعدازاں جبرئیل امینؑ نازل ہوئے اور رسول خداؐ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے: لا یؤدیھا الا انت او رجل منک. ان آیات کی تبلیغ کے لئے یا تو آپ خود جائیں یا اسے روانہ کریں جو آپ میں سے ہو اور اس کا قول آپ کا قول شمار ہوتا ہو۔

اس حکم الٰہی کے بعد رسول اکرمؐ نے حضرت علیؑ کو روانہ کیا اور ان سے فرمایا: تم جاؤ اور ابوبکرؓ سے وہ آیات لے لو اور حج کے مجمع میں لوگوں کو وہ آیات پڑھ کر سناؤ اور ان آیات کے ضمن میں یہ چار باتیں لوگوں کو بتاؤ:

۱۔ اہل ایمان کے علاوہ آئندہ کوئی مشرک خانہ کعبہ میں داخل نہیں ہوگا۔

۲۔ کوئی شخص آئندہ برہنہ ہوکر طواف نہیں کرے گا اور کوئی شخص یہ تصور نہ کرے کہ برہنہ ہوکر طواف کرنے سے انسان گناہوں سے یوں پاک صاف ہو جاتا ہے جیسے آج ہی شکم مادر سے برآمد ہوا ہو۔

۳۔ آئندہ کسی بھی مشرک کو حج کی اجازت نہیں ہوگی۔

۴۔ جس کافر نے پیغمبر اسلامؐ سے کوئی معاہدہ کر رکھا ہے تو معاہدے کی مدت پوری ہونے تک اس سے معاہدہ قائم رہے گا اور جس معاہدے میں کسی

مدت کا تعین نہیں کیا گیا تو اس معاہدے کی مدت چار ماہ تک ہوگی۔ اس کے بعد انہیں مسلمان ہو جانا چاہئے۔

امام محمد باقر علیہ السلام کا فرمان ہے کہ حضرت علیؑ نے حضرت ابوبکرؓ سے وہ آیات لے لیں اور حج کے مجمع میں لوگوں کو پڑھ کر سنائیں۔[1]

غرور کے پتلے کا انجام

عمرو بن منذر حیرہ کا بادشاہ تھا اور وہ انتہائی خودخواہ اور متکبر شخص تھا۔ اسے پتھر مارنے والے کا لقب دیا گیا تھا۔

ایک دفعہ اس نے اپنے درباریوں سے کہا: کیا میری سلطنت میں کوئی ایسا شخص بھی موجود ہے جس کی ماں میری ماں کی خدمت گزاری سے انکار کردے اور میری ماں کا فرمان سن کر اسے اذیت محسوس ہو؟

درباریوں نے کہا: آپ کی پوری سلطنت میں ایسا شخص صرف عمرو بن کلثوم ہی ہوسکتا ہے کیونکہ اس کی ماں لیلیٰ، مہلہل بن ربیعہ کی بیٹی ہے اور کلیب وائل کی بھتیجی ہے، اس کا شوہر کلثوم اور بیٹا عمرو ہے۔

یہ سن کر حیرہ کا حکمران خاموش ہوگیا لیکن اس نے دل میں یہ پختہ ارادہ کرلیا کہ وہ عمرو بن کلثوم کی ماں سے اپنی ماں کی خدمت گزاری ضرور کرائے گا۔ کچھ دن گزرنے کے بعد اس نے عمرو بن کلثوم کے پاس قاصد بھیجا کہ میں آپ سے ملنے کا خواہش مند ہوں اور میری والدہ آپ کی والدہ سے ملنے کی خواہش مند ہے۔ لہذا آپ اپنی والدہ کو ساتھ لے کر ہمارے پاس آئیں۔

عمرو بن کلثوم نے اپنی والدہ کو ساتھ لیا اور اپنے ساتھ بنی تغلب کے

۱۔ ناسخ التواریخ، جلد دوم، ص ۳۱۷۔ جلد سوم، ص ۲۴۸۔

بہت سے جوان لے کر شاہِ حیرہ کی طرف روانہ ہوا۔

جب شاہِ حیرہ کو معلوم ہوا کہ عمرو بن کلثوم اس کی طرف روانہ ہے تو اس نے حکم دیا کہ حیرہ شہر سے کچھ فاصلے پر خیموں کا ایک شہر آباد کیا جائے اور اس نے اپنے اعیان سلطنت سے کہا کہ وہ عمرو بن کلثوم کا پرتپاک استقبال کریں۔

شاہِ حیرہ نے اپنی والدہ سے کہا کہ عمرو بن کلثوم کی ماں لیلیٰ بھی آ رہی ہے۔ آپ اسے اپنے پاس خیمے میں بٹھائیں اور ایک ہی دسترخوان پر اس کے ساتھ روٹی کھائیں اور جیسے ہی کھانا تمام ہو اپنی تمام نوکرانیوں کو رخصت کر دیں۔ پھر اس کے ساتھ ادھر ادھر کی باتیں کریں اور باتوں کے دوران اس سے کام کرائیں اور جب وہ تمہارا ایک کام کر چکے تو پھر اس سے دوسرا کام کرائیں تا کہ ثابت ہو جائے کہ عمرو بن کلثوم کی ماں تمہاری ایک خدمت گزار ہے۔

الغرض عمرو بن کلثوم اپنی والدہ اور شہسواروں کے ساتھ حیرہ کے قریب پہنچا جہاں شاہِ حیرہ سمیت تمام اعیان حکومت نے اس کا پرتپاک استقبال کیا۔

شاہِ حیرہ اسے اپنے خیمے میں لے آیا اور اس کی والدہ کو اپنی والدہ کے خیمے میں بھیج دیا۔ کچھ دیر بعد کھانا چنا گیا۔ شاہِ حیرہ نے عمرو بن کلثوم کے ساتھ کھانا کھایا اور اس کی والدہ نے عمرو بن کلثوم کی والدہ کے ساتھ کھانا کھایا۔ جیسے ہی کھانا مکمل ہوا تو پہلے سے طے شدہ منصوبے کے مطابق شاہِ حیرہ کی والدہ نے اپنی تمام نوکرانیوں کو رخصت کر دیا اور بعدازاں وہ اپنی مہمان خاتون سے باتیں کرنے لگی۔ باتوں باتوں میں اس نے مہمان خاتون سے کہا: آپ وہ سامنے والی چیز اٹھا کر مجھے دیں۔

عمرو بن کلثوم کی والدہ نے تنک کر جواب دیا: جسے ضرورت ہوتی ہے وہ خود اٹھاتا ہے۔

شاہِ حیرہ کی والدہ نے بار بار اصرار کیا اور ہر بار مہمان خاتون نے سابقہ جواب دہرایا۔ پھر اس نے چیخ کر اپنے بیٹے اور قبیلے کو آواز دی کہ یہاں میری بے عزتی ہو رہی ہے۔

عمرو بن کلثوم نے جیسے ہی اپنی والدہ کی آواز سنی تو بے چین ہوگیا اور اس کے چہرے سے شدید غصے کے آثار ظاہر ہوئے۔ شاہ حیرہ عمرو بن کلثوم کو دیکھ رہا تھا کہ شدید بے چین ہے لیکن وہ شراب پینے میں مصروف رہا۔ یکا یک عمرو نے خیمے کے دروازے پر لٹکی ہوئی تلوار پکڑی اور چشم زدن میں شاہِ حیرہ کا سر قلم کردیا۔ پھر اس نے شاہِ حیرہ کے خیمے سے نکل کر اپنے شہسواروں سے کہا کہ میں نے اسے قتل کردیا ہے تم ان خیموں کا مال و اسباب لوٹ لو اور ان کی عورتوں کو قیدی بنا کر اپنے علاقے میں لے چلو۔[1]

اسلام نے رنگ ونسب کے بتوں کو کیسے توڑا؟

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد نبوی کی ایک سمت میں ایک چبوترا تعمیر کرایا تھا جسے عرف عام میں ''صُفّہ'' کہا جاتا تھا اور دور دراز سے غریب و مسکین افراد آتے اور وہ وہاں تعلیم دین کے لئے قیام کرتے تھے۔ ایسے افراد کو ''اصحاب صُفّہ'' کہا جاتا تھا۔ اصحاب صُفّہ کی تعداد کبھی بڑھ جاتی تھی اور کبھی کم ہوجاتی تھی۔

اصحاب صفہ میں سے پہلا شخص ''جویبر'' تھا۔ اس کے متعلق محدثین و مورخین نے یہ الفاظ تحریر کئے:

''كان رجلاً فقير ادميما محتاجا عاريا و كان من قبايح

۱۔ تاریخ کامل ابن اثیر، جلد اول، ص ۳۵۱۔

السودان." جویبر پست قد، بدشکل، تنگدست، برہنہ اور سوڈانیوں میں سے انتہائی بدصورت انسان تھا۔

ایک دن پیغمبر اکرمؐ نے جویبر سے فرمایا: جویبر! اگر تو شادی کرلے تو یہ تیرے حق میں بہتر ہوگا کیونکہ تیری بیوی دنیا و آخرت کے امور میں تیری مددگار ہوگی اور اس سے تجھے جنسی تسکین بھی فراہم ہوسکے گی۔

جویبر نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! میں ایک غریب، بدصورت اور بغیر خاندان و قبیلے کا ہوں بھلا مجھے کون رشتہ دے گا اور دنیا کی کون سی عورت میری بیوی بننا پسند کرے گی؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

یاجویبر! ان اللّٰہ قد وضع بالاسلام من کان شریفا فی الجاهلیة و شرف بالاسلام من کان فی الجاهلیة وضیعا و اعز بالاسلام من کان فی الجاهلیة ذلیلا و اذهب بالاسلام ماکان من نخوة الجاهلیة و تفاخرها بعشائرها و باسق انسابها فالناس کلهم ابیضهم و اسودهم و قرشیهم و عربیهم و عجمیهم من آدم و ان آدم خلقه اللّٰہ من طین و ان احب الناس الی اللّٰہ عزوجل یوم القیامة اطوعهم و اتقاهم وما اعلم. یاجویبر! لاحد من المسلمین علیک الیوم فضلا الا لمن کان اتقی للّٰہ منک و اطوع.

اے جویبر! زمانہ جاہلیت کے جن معززین نے اسلام قبول نہیں کیا خدا نے انہیں پستی دی اور زمانہ جاہلیت میں جو لوگ پست شمار کئے جاتے تھے اللہ نے انہیں قبول اسلام کی برکت سے بلندی عطا کی اور جو لوگ زمانہ جاہلیت میں ذلیل تصور کئے جاتے تھے اسلام کی وجہ سے اللہ نے انہیں عزت دی۔ زمانہ جاہلیت کے معززین کو اللہ نے ذلت دی اور دین کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کے تکبر اور

خودخواہی کو ختم کر دیا اور قوم قبیلے اور دوسری نسبتوں کے ہر قسم کے افتخار کو اللہ نے ہمیشہ کے لئے مٹا دیا۔ تمام لوگ چاہے وہ سفید فام ہوں یا سیاہ فام، قریشی ہوں یا عربی و عجمی ہوں، سب کے سب آدمؑ کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا۔ خدا کے ہاں محبوب ترین شخص وہ ہے جو زیادہ اطاعت گزار اور زیادہ پرہیزگار ہو۔ اے جویبر! اس وقت میں تجھ سے کسی کو برتر نہیں سمجھتا۔ ہاں جو تجھ سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا اور خدا کا فرمانبردار ہو۔

اس کے بعد آپ نے جویبر سے فرمایا: تم بنی بیاضہ کے سردار زیاد بن لبید کے پاس جاؤ اور اس سے جا کر کہو کہ مجھے رسول خداؐ نے تیرے پاس بھیجا ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ تو اپنی بیٹی ذلفا کا مجھ سے عقد کر دے۔

رسول اکرمؐ کا فرمان سن کر جویبر، زیاد بن لبید کے پاس آیا اور اسے رسول خداؐ کا فرمان سنایا۔

زیاد بن لبید نے تعجب کرتے ہوئے کہا: کیا تجھے پیغمبر اکرمؐ نے بھیجا ہے؟

اس نے جواب میں کہا: جی ہاں! مجھے رسول خداؐ نے بھیجا ہے۔

زیاد بن لبید نے کہا: مگر ہم گروہ انصار کا طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنے جیسوں میں رشتہ دیا کرتے ہیں۔ تم چلے جاؤ اور میں خود رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں۔

جویبر یہ سن کر واپس پلٹا۔ زیاد بن لبید کی بیٹی ذلفا نے باپ کو بلا کر پوچھا کہ ماجرا کیا ہے؟ زیاد نے بیٹی کو سارا واقعہ سنایا۔

بیٹی نے باپ سے کہا: اے اباجان! جویبر رسول خداؐ پر کبھی بھی جھوٹ نہیں تراش سکتا۔ آپ ایک شخص کو بھیج کر اسے واپس بلوائیں۔

زیاد نے کسی کو بھیج کر جویبر کو اپنے پاس واپس بلا لیا اور اس سے کہا:

آپ یہاں بیٹھیں تاکہ میں رسول خداؐ سے جا کر ملاقات کروں۔

زیاد، رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جویبر کے پیغام کا ذکر کیا اور اس کے ضمن میں اس نے کہا: آپ تو جانتے ہیں کہ ہم انصار اپنے جیسے لوگوں کو رشتہ دیا کرتے ہیں۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: **یازیاد! جویبر مؤمن و المؤمن کفو للمؤمنة والمسلم کفو للمسلمة فزوجه یازیاد ولا ترغب عنه.**

اے زیاد! جویبر صاحب ایمان شخص ہے اور ایک مومن مرد، مومنہ عورت کا کفو ہے اور ایک مسلمان عورت صاحب اسلام سے شادی کر سکتی ہے۔ اے زیاد! اپنی بیٹی کا جویبر سے عقد کردو اور اس سے منہ نہ موڑو۔

پیغمبر اکرمؐ کا یہ فرمان سن کر زیاد گھر واپس آیا اور اپنی بیٹی کو آنحضرتؐ کے فرمان سے مطلع کیا۔

ذلفا نے باپ سے کہا: اے ابا جان! آپ خوش دلی سے رسول خداؐ کے فرمان پر عمل کریں اور اگر آپ نے خدانخواستہ حکم پیغمبر کی مخالفت کی تو آپ کافر ہوجائیں گے۔

زیاد نے بیٹی کا حق مہر بھی خود ادا کیا، اس کے لئے حجرۂ عروسی تشکیل دیا اور اس کے لئے لوازم زندگی فراہم کئے۔ زیاد نے اپنے داماد جویبر کو بھی دو نئے لباس دیئے۔ جب نکاح کے مراحل طے ہوگئے، جویبر اپنی دلہن کے حجلۂ عروسی میں داخل ہوا اور اس نے ایک آراستہ گھر اور خوبصورت دلہن کو دیکھا تو وہ ساری رات رکوع و سجود میں مصروف رہا۔ پھر اس نے پورے تین تک دلہن سے کوئی بات تک نہ کی اور مسلسل عبادت میں مصروف رہا۔

ذلفا نے باپ سے کہا: آپ کا داماد تین دن سے عبادت میں مصروف

ہے اور اس عرصے میں اس نے مجھ سے بات تک نہیں کی۔

زیاد نے جویبر کے رویے کی رسول اکرمؐ سے شکایت کی۔

آنحضرتؐ نے جویبر کو بلا کر فرمایا: اے جویبر! تم اپنی دلہن سے باتیں کیوں نہیں کرتے اور تم نے حقوق زوجیت ابھی تک ادا کیوں نہیں کیے؟

جویبر نے کہا: یارسول اللہؐ! آپ تو جانتے ہیں کہ میں ایک انتہائی مفلس اور قلاش شخص تھا، جب اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنی نعمات عطا کیں تو میں نے دل میں عہد کیا کہ میں تین دن لگاتار اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں گا اور اس کے بعد ان نعمات سے استفادہ کروں گا۔

رسول اکرمؐ نے جویبر کے احساسات سے زیاد کو مطلع کیا۔ جب تین دن گزر گئے تو اس نے چوتھی شب ذلفا سے حقوق زوجیت ادا کیے۔[1]

قصاص در اسلام

ابھی رسول اکرمؐ مدینے تشریف نہیں لائے تھے اور اوس و خزرج زیور ایمان سے آراستہ نہیں ہوئے تھے۔

اسی زمانے کا واقعہ ہے کہ اسید کے والد حُضیر نے بنی عمرو بن عوف کے تین افراد سوید بن صامت، خوات بن جبیر اور ابولبابہ بن عبدالمنذر کو اپنے ہاں دعوت دی اور اس نے اونٹ ذبح کیا اور انہیں شراب و کباب فراہم کیے۔

تین دن تک مہمانی جاری رہی اور جب چوتھے دن مہمان رخصت ہوئے تو شراب کی وجہ سے ایک بوڑھے مہمان سوید بن صامت کی حالت انتہائی خراب ہوگئی، وہ اپنے پاؤں پر چلنے کے قابل نہیں رہا۔ چنانچہ اس کو پشت پر لاد کر لے جایا گیا۔

۱۔ سفینۃ البحار، جلد اول، ص۱۴۲۔ ناسخ التواریخ، جلد۴، ص۸۱۔

قبیلہ خزرج کے ایک شخص نے جب اس کی یہ حالت دیکھی تو وہ دوڑ کر مجذر بن زیاد کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ خدا نے تجھے آج ایک نایاب موقع دیا ہے۔ اس وقت سوید بن صامت نشے میں دھت ہے اور اسے اپنے گردو پیش کا کوئی شعور نہیں ہے، نہ ہی اس کے پاس اسلحہ ہے۔

مجذر نے اس سے قدیمی عداوت کی بنا پر جو اوس وخزرج میں تھی، موقع کو غنیمت جانا اور تلوار سے اس پر حملہ کر کے زخمی کر دیا۔

سوید نے مرنے سے پہلے کچھ اشعار پڑھے جس میں اپنی اولاد کو اپنے خون کا انتقام لینے کی ترغیب دی۔

کچھ عرصے بعد رسول اکرمؐ نے مدینے ہجرت فرمائی اور اوس وخزرج نے اسلام قبول کیا۔ اسلام قبول کرنے والوں میں سوید بن صامت کا بیٹا حارث بھی شامل تھا اور اس کے باپ کے قاتل مجذر بن زیاد نے بھی اسلام قبول کیا۔

مقتول کا بیٹا حارث ایک عرصے سے اپنے باپ کے قاتل سے انتقام لینے کا خواہش مند تھا لیکن اسے مناسب موقع نہیں مل رہا تھا۔

ہجرت کے تیسرے سال جنگ احد واقع ہوئی۔ اس جنگ میں قاتل یعنی مجذر بھی موجود تھا اور مقتول کا بیٹا حارث بھی موجود تھا۔ جنگ احد میں جب شدت پیدا ہوئی اور مسلمانوں کی صفیں منتشر ہوگئیں تو حارث نے موقع کو غنیمت جانا اور اس نے اپنے باپ کے قاتل مجذر پر پیچھے سے حملہ کر کے قتل کر دیا۔ جنگ ختم ہوئی اور ہر کسی نے یہی سمجھا کہ مجذر کفار کے ہاتھوں شہید ہوا ہے۔

غزوہ احد کے بعد رسول خداؐ اپنے زخمی لشکر کو کفار کے تعاقب میں حمراء الاسد کے مقام تک لے گئے اور جب آپ حمراء الاسد سے واپس مدینے تشریف لائے تو جبرئیل امینؑ نے آپ کو خبر دی کہ مجذر کو کسی کافر نے نہیں بلکہ حارث نے

اپنے باپ کے انتقام میں قتل کیا ہے۔

جیسے ہی آپ نے یہ خبر سنی تو آپ گدھے پر سوار ہو کر قبا تشریف لے گئے۔ آپ کا دستور تھا کہ آپ ہمیشہ ہفتہ اور پیر کے دنوں میں قبا جایا کرتے تھے اور اس مرتبہ جب آپ قبا تشریف لے گئے تو وہ نہ تو ہفتے کا دن تھا اور نہ ہی پیر کا دن تھا۔ اسی لئے صحابہ چاروں طرف سے دوڑ کر آپ کے ساتھ ہو لئے کہ آج آپ خلاف معمول قبا جارہے ہیں۔ لازمی طور پر کوئی اہم معاملہ درپیش ہے۔ بہرنوع آپ قبا تشریف لائے۔ اسی اثناء میں حارث بن سوید بھی قبا پہنچ گیا۔

جیسے ہی آپ نے حارث کو دیکھا تو آپ نے عویم بن ساعدہ سے فرمایا: حارث کو مسجد سے باہر لے جا کر قتل کردو کیونکہ اس نے مجذر بن زیاد کو جنگ احد میں قتل کیا ہے۔

یہ الفاظ کہہ کر آپ دوبارہ اپنے گدھے پر سوار ہوئے اور مدینے کی طرف چل پڑے۔ عویم بن ساعدہ نے حارث کو پکڑا اور چاہا کہ اسے قتل کرے کہ حارث نے اس سے کہا: مجھے ایک بار آنحضرتؐ سے گفتگو کا موقع دو اور اگر اس کے بعد بھی حضور نے میرے قتل کرنے کا فرمان جاری کیا تو تم مجھے بے دریغ قتل کر دینا۔

اس کے بعد حارث دوڑتا ہوا رسول اکرمؐ کے پاس آیا اور آپ سے عرض کیا: یارسول اللہؐ! یہ سچ ہے کہ میں نے مجذر کو قتل کیا لیکن میں نے اسلام سے انحراف کرتے ہوئے اسے قتل نہیں کیا تھا۔ میں اس کا خون بہا دینے پر آمادہ ہوں اور میں اپنے غلط کام کے لئے خدا کے حضور توبہ کرتا ہوں۔

رسول خداؐ نے اس کی درخواست کو مسترد کردیا اور آپ نے عویم کو حکم دیا کہ اسے قتل کردو۔ عویم نے آپ کے حکم کی تعمیل کی اور اسے قتل کردیا۔[1]

۱۔ ناسخ التواریخ، جلد دوم، ص ۱۲۔ اسد الغابہ باختصار، جلد اول، ص ۳۳۲۔ جلد چہارم، ص ۳۰۲۔

قارئین توجہ فرمائیں:

اوس وخزرج کے قبائل جو ایک معمولی سی اہانت کو برداشت نہیں کرتے تھے اور ایک مہمان کی اہانت یا ایک اونٹ کے ذبح کردینے پر تلواریں نیاموں سے باہر آجاتی تھیں کہ سو سال تک بلکہ اس سے بھی زیادہ طویل عرصے تک جنگ رکنے میں نہیں آتی تھی، تو کس طرح ہوا کہ پیغمبر اکرمؐ تنہا حارث کے قبیلے میں آئے اور اس کے رشتہ داروں اور وابستگان کے درمیان حکم دیا کہ اس کے جسم سے اس کا سر جدا کر دیا جائے اور پھر تنہا ہی واپس ہو گئے۔

ان بدوؤں میں کیا انقلاب پیدا ہوا کہ جو چند سال قبل جہل و نادانی کے غلام تھے لیکن انہوں نے اب فقط دین و ایمان کے حکم کے تحت سر جھکا دیئے تھے اور تمام ناپسندیدہ رسوم و عادات کو چھوڑ دیا تھا یہاں تک کہ اپنے عزیز ترین فرد کو اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا لیکن خدا و رسولؐ کے حکم سے معمولی سی سرتابی بھی نہ کی۔ یہ اسلام کا پرتو اور خورشید ایمان کی روشنی تھی کہ جاہلیت کی بنیاد اور پرانے کینے انہوں نے فراموش کر دیئے تھے۔

انصار مدینہ

حارثہ بن ثعلبہ کو خدا نے دو بیٹے عطا کئے۔ اس نے ایک کا نام اوس اور دوسرے کا نام خزرج رکھا۔

جب دونوں بھائی جوان ہوئے تو انہوں نے اپنے وطن کو چھوڑ کر یثرب میں رہائش اختیار کی۔ اوس وخزرج انصار مدینہ کے مورث اعلیٰ تھے۔

جس زمانے میں دونوں بھائیوں نے یثرب میں سکونت اختیار کی تو اس وقت یثرب شہر پر یہودی قبائل کا راج تھا۔

اوس وخزرج سے کافی اولاد ہوئی اور ان کے علاوہ کچھ دور دراز سے عرب قبائل یثرب آئے اور اوس وخزرج کی اولاد سے انہوں نے حلف الدلاء کا سلسلہ قائم کیا اور یوں یثرب میں عرب آبادی بھی قائم ہونے لگی۔ مگر یہودی اتنے طاقتور تھے کہ وہ عربوں کو کسی خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ جب بھی کسی یہودی کا دل چاہتا کسی روک ٹوک کے بغیر کسی بھی عربی کے گھر میں چلا جاتا اور جو چاہتا وہ سرانجام دیتا تھا۔[1]

اوس وخزرج کے قبائل ایک عرصے تک یہودیوں کے ظلم وستم کو برداشت کرتے رہے۔ پھر ایک یہودی بادشاہ نے یثرب کا اقتدار سنبھالا۔ اس کا نام فطیون تھا۔ وہ اتنا بدسیرت اور نابکار تھا کہ اس نے حکم دیا کہ یثرب میں جس عورت کی شادی ہو وہ شادی کی پہلی رات اس کے پاس گزارے۔

لوگ مجبور ہو کر اپنی عزتیں برباد کراتے رہے۔ کہا گیا ہے کہ یہ عمل اوس وخزرج کے ساتھ بھی انجام دیا جاتا تھا۔ مالک بن عجلان کی بہن کی شادی ہوئی اور نکاح کے شرکاء ایک بڑی تعداد میں اس کے گھر پر جمع ہوئے۔ دلہن اپنے گھر سے نکلی اور اس نے اپنے پائنچوں کو اوپر اٹھایا ہوا تھا اور اس حالت میں وہ حاضرین سے سامنے سے گزر کر دوبارہ اپنے کمرے میں داخل ہوئی۔

دلہن کے بھائی مالک کو بہن کی یہ حرکت ناگوار گزری اور وہ اپنی بہن کے پاس گیا اور اس سے کہا: تو نے شلوار کے پائنچے اٹھا کر اچھا نہیں کیا۔ تیرے اس عمل سے میری غیرت کو بٹہ لگا ہے۔

بہن نے بھائی سے کہا: ابھی تو تیری غیرت کو بٹہ لگا ہے لیکن آج رات تیری غیرت کا جنازہ نکلے گا۔ آج رات میرے لئے قیامت کی رات ہوگی کیونکہ یہ

۱۔ تاریخ یعقوبی، جلد اول، ص ۲۳۱۔

رات مجھے اس کے ساتھ بسر کرنی ہے جو میرا شوہر نہیں ہے۔

مالک نے بہن سے کہا: تو مت گھبرا۔ آج رات جب عورتیں تجھے اپنے ساتھ فطیون کے کمرے میں لے جائیں گی تو میں بھی زنانہ لباس پہن کر تیرے ساتھ چلوں گا اور جیسے ہی عورتیں وہاں سے باہر نکلیں گی تو میں فطیون کو قتل کر دوں گا۔

بارات فطیون کے گھر روانہ ہوئی۔ مالک زنانہ لباس پہن کر عورتوں کے جلوس میں شامل تھا اور اس نے اپنی تلوار کپڑوں میں چھپا رکھی تھی۔ مالک کی بہن کو فطیون کی مسہری پر بٹھایا گیا اور عورتیں آہستہ آہستہ واپس جانے لگیں۔ جب سب عورتیں واپس چلی گئیں تو مالک نے اٹھ کر فطیون پر حملہ کیا اور اسے قتل کر دیا۔

اسے قتل کر کے وہ شام کی طرف بھاگ گیا۔ حاکم شام کے ایک وزیر سے اس کے اچھے تعلقات تھے۔ وہ سیدھا اس کے پاس گیا اور اسے اپنی ساری بپتا سنائی۔ اتفاق سے حاکم شام کے وزیر کا سلسلہ نسب بھی خزرج سے ملتا تھا۔ وزیر نے حاکم شام کو یثرب کے یہودیوں کے مظالم سے آگاہ کیا۔

جب حاکم شام نے یہودیوں کے مظالم کو سنا تو اس نے کہا: جب تک میں یثرب کے یہودیوں کو سخت سزا نہیں دے لوں گا اس وقت تک نہ تو میں عطر لگاؤں گا اور نہ ہی بیوی کے قریب جاؤں گا۔

پھر اس نے یہودیوں کی قوت کو منتشر کرنے کے لئے ایک عظیم لشکر ساتھ لیا اور یثرب پر حملہ کر دیا۔ اس نے یہودیوں کا قتل عام کیا۔ بہت سے یہودی مدینے سے ہمیشہ کے لئے بھاگ گئے اور معدودے چند یہودی قبائل نے اس سے معافی مانگی اور آئندہ کے لئے بہتر طرز عمل کا یقین دلایا تو اس نے انہیں وہاں رہنے کی اجازت دی گئی۔

حاکم شام نے مکمل فتح حاصل کرنے کے بعد یہودیوں کے اکثر

باغات اوس وخزرج کے افراد کے سپرد کر دیئے اور یوں اوس وخزرج کو یہودی مظالم سے نجات ملی۔[1]

متبنّیٰ گیری کی جاہلانہ رسم کا خاتمہ

عربوں میں متبنّیٰ بنانے کا عام رواج تھا۔ وہ کسی کے لڑکے کے متعلق اعلان کر دیتے تھے کہ فلاں لڑکا آج سے میرا بیٹا ہے اور میں اس کا باپ ہوں، اگر وہ میری زندگی میں مر گیا تو میں اس کی میراث حاصل کروں گا اور اگر میں مر گیا تو وہ میری میراث حاصل کرے گا۔ اس اعلان کے ساتھ ہی وہ اس کا بیٹا بن جاتا تھا اور اس کی میراث حاصل کرتا تھا۔

زید بن حارثہ بازار عکاظ میں فروخت ہو رہا تھا۔ رسول خداؐ نے اسے ام المومنین خدیجہؓ کی غلامی کے لئے خریدا۔ کچھ عرصے بعد اس کا والد اور چچا آنحضرتؐ کے پاس آئے اور آپ سے عرض کیا: آپ شریف ترین انسان ہیں۔ ہمارا بیٹا زید آپ کے پاس ہے۔ ہم اسے لینے آئے ہیں اور آپ اس کی جتنی قیمت ادا کر چکے ہیں ہم وہ قیمت بھی ادا کرنے پر آمادہ ہیں۔ لہذا آپ اسے غلامی سے آزاد کر کے ہمارے حوالے کر دیں۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: میں تم سے اس کی کوئی قیمت نہیں لیتا البتہ اس کے لئے میری شرط یہ ہے کہ تم خود زید سے پوچھو اگر وہ تمہارے ساتھ جانے کا خواہش مند ہو تو تم اسے اپنے ساتھ لے جاؤ اور اگر وہ میرے پاس رہنا چاہے تو تم اسے مجبور نہیں کرو گے۔

جب زید کے والد اور چچا نے اس سے اس کی رائے دریافت کی تو اس

۱۔ کامل ابن اثیر، جلد اول، ص ۴۲۷۔

نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس رہنے کو ترجیح دی۔

اس کے بعد رسول خداؐ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور مسجد الحرام میں اعلان کیا کہ زید آج سے میرا بیٹا ہے۔

آپ کے اعلان کے بعد لوگ اسے زیدؓ بن محمدؐ کہہ کر پکارتے تھے۔ زیدؓ انتہائی لائق و فائق بچہ تھا اور جب رسول اکرمؐ نے نبوت کا اعلان کیا تو حضرت علیؑ و خدیجہؓ کے بعد زیدؓ نے آنحضرتؐ کی تصدیق کی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زید کے لئے اپنی پھوپھی زاد زینب بن جحش کا رشتہ طے کیا۔ جب زینب نے اس رشتے کا سنا تو اس نے زید کی بیوی بننے سے انکار کردیا اور کہا کہ میں بلند خاندان سے تعلق رکھتی ہوں جبکہ زید کی حیثیت ایک زرخرید غلام سے زیادہ کی نہیں ہے۔

زینب کا بھائی عبداللہ بن جحش بھی اس رشتے کا مخالف تھا۔ آنحضرتؐ نے عبداللہ کے پاس دوبارہ پیغام بھیجا کہ وہ اپنی بہن کا رشتہ زید سے کردے۔ اس نے سوچنے کے لئے آپ سے مہلت طلب کی۔ آپ نے اسے مہلت دے دی۔ اسی دوران قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی:

مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِيْنًا.

کسی مومن مرد اور عورت کو یہ اختیار نہیں کہ جب خدا و رسول کسی امر کے بارے میں فیصلہ کردیں تو وہ بھی اپنے امر کے بارے میں صاحب اختیار بن جائے اور جو بھی خدا و رسول کی نافرمانی کرے گا تو وہ کھلم کھلا گمراہی میں مبتلا ہو جائے گا۔ (الاحزاب: ۳۶)

اس آیت کے نزول کے بعد زینب و عبداللہ کے لئے رشتے سے انکار کی

کوئی گنجائش باقی نہ رہی اور عبداللہ نے اپنی بہن کے رشتے پر رضامندی کا اظہار کیا۔

رسول اکرمؐ نے زید کا زینب بنت جحش سے نکاح کیا اور حق مہر میں آپ نے دس دینار زر سرخ، ساٹھ چاندی کے درہم، ایک مقنعہ، ایک چادر و پیراہن، پچاس کلو گندم اور نوے کلوگرام خرما زینب کے حوالے کیا۔

زید اور زینب کی شادی ایک سال سے زیادہ عرصے جاری نہ رہ سکی اور میاں بیوی میں موافقت پیدا نہ ہوسکی۔ زید روزانہ زینب کی شکایتیں لے کر آنحضرتؐ کے پاس آتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ نکاح زیادہ عرصے تک قائم نہیں رہ سکتا، میں اسے طلاق دینا چاہتا ہوں۔

اس عرصے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرمؐ کو یہ اطلاع دی کہ عنقریب زینب ان کی زوجہ بننے والی ہے۔ مگر نبی اکرمؐ اس بات کا کسی سے اظہار نہیں کر سکتے تھے۔

زیدؓ جب بھی طلاق کا تذکرہ کرتے تو آپ اس سے فرماتے: اَمۡسِکۡ عَلَیۡکَ زَوۡجَکَ وَاتَّقِ اللّٰہَ. اپنی زوجہ کو اپنے ہاں رہنے دو اور اللہ سے ڈرو۔

حضور اکرمؐ یہ نہیں چاہتے تھے کہ زید طلاق جاری کرے اور بعد میں وہ زینب سے شادی کرلیں کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ اگر آپ نے ایسا کیا تو لوگ طعنے دیں گے کہ رسول اکرمؐ نے اپنی بہو سے نکاح کرلیا ہے کیونکہ دور جاہلیت میں بھی حقیقی بیٹے کی بیوی کی طرح سے متبنٰی بیٹے کی بیوی سے بھی نکاح جائز نہیں تھا۔

زینب کے رویے سے زید بہت تنگ آگئے اور وہ رسول اکرمؐ کی خدمت میں اپنا آخری فیصلہ سنانے کے لئے حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہؐ! میں اپنی بیوی کی زبان درازی اور درشت خوئی سے تنگ آ گیا ہوں لہذا میں اسے طلاق جاری دے رہا ہوں۔

الغرض زید نے زینب کو طلاق دے دی۔ جب زینب کی عدت پوری ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے متبنیٰ گیری کی رسم کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کے لئے آپ کو حکم دیا کہ وہ زینب کو اپنے لئے رشتے کا پیغام بھیجیں۔ چنانچہ پیغمبر اکرمؐ نے زیدؓ کو زینبؓ کے پاس پیغام دیکر بھیجا۔ زیدؓ، زینبؓ کے پاس گئے اور آپ کا پیغام پہنچایا۔

زینبؓ نے کہا: جب تک خدا سے نہ پوچھ لوں گی کچھ نہ کروں گی۔ کہا جاتا ہے کہ اسی وقت سجدے میں گئیں (یا دو رکعت نماز پڑھی) اور خدا سے کہا: خدایا! تیرے پیغمبرؐ نے مجھ سے رشتہ چاہا ہے اگر میں اس کے لئے ہوں تو اس کی زوجیت کے لئے مجھے منتخب کرلے۔ تب پیغمبر اکرمؐ پر یہ آیت نازل ہوئی:

فَلَمَّا قَضٰی زَیۡدٌ مِّنۡهَا وَ طَرًا زَوَّجۡنٰکَهَا لِکَیۡلَا یَکُوۡنَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ حَرَجٌ فِیۡۤ اَزۡوَاجِ اَدۡعِیَآئِهِمۡ اِذَا قَضَوۡا مِنۡهُنَّ وَ طَرًا وَ کَانَ اَمۡرُ اللّٰهِ مَفۡعُوۡلًا.

اس کے بعد جب زیدؓ نے اپنی حاجت پوری کرلی تو ہم نے اس عورت کا عقد تم سے کردیا تاکہ مومنین کے لئے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے عقد کرنے میں کوئی حرج نہ رہے جب وہ لوگ اپنی ضرورت پوری کرچکیں اور اللہ کا حکم بہرحال نافذ ہو کر رہتا ہے۔ (الاحزاب: ۳۷)

حضرت رسول اکرمؐ نے اپنی کنیز سلمیٰ کو نزول آیت کی بشارت کے ساتھ زینب کے پاس بھیجا۔ زینب آپ کا پیغام سن کر خوش ہوئیں کہ انہوں نے اپنے زیورات اتار کر کنیز کو انعام میں دیئے اور انہوں نے بطور شکرانہ دو ماہ روزہ رکھنے کا خدا سے معاہدہ کیا۔

انس بن مالک کا بیان ہے کہ رسول اکرمؐ نے میری والدہ ام سلیم کو پنیر، کھجور اور روغن سے ولیمہ کا کھانا تیار کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے آنحضرتؐ کی شادی کا ولیمہ تیار کیا۔ طعام اتنا قلیل تھا جو کہ ایک تھال میں آ گیا۔

ام سلیمؓ نے رسول اکرمؐ سے عرض کیا: یارسول اللہؐ! کھانا انتہائی کم ہے لہذا آپ بالکل مختصر افراد کو اس میں شریک کریں۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: خدا اس میں برکت دے گا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تمہیں جو بھی ملے اسے ولیمہ کی دعوت دو۔

ستر افراد ولیمہ کی روٹی کھانے کے لئے جمع ہوئے۔ رسول اکرمؐ نے غذا پر اپنا دست مبارک رکھا اور بسم اللہ کہا۔ پھر فرمایا: باری باری دس افراد کھانے پر بیٹھیں اور فرمایا کہ اپنے سامنے سے کھاؤ۔

میں حیرت زدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کھانے میں اتنی برکت ڈال دی کہ ستر افراد نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور کھانا ویسے کا ویسے ہی رہا۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا: اب برتن اٹھالو جب میں نے برتن اٹھایا تو سوچ رہا تھا کہ یہ اس وقت وزنی ہے یا اس وقت تھا جب میں اسے اٹھا کر لایا تھا۔ پھر میں اسے حضرت زینبؓ کے پاس لے گیا۔ انہوں نے بھی اس میں سے کھایا۔ پھر میں اپنی والدہ کے پاس آیا اور انہیں یہ ماجرا سنایا۔ انہوں نے کہا: حیرت نہ کرو، اگر خدا چاہے تو تمام انسان اس سے کھا کر پیٹ بھر سکتے ہیں۔

آنحضرتؐ چاہتے تھے کہ اپنی دلہن کے حجلہ عروسی میں جائیں لیکن شرکائے ولیمہ ٹولیوں میں بیٹھ کر یہاں وہاں باتیں کرنے لگے۔

آنجنابؐ خود گھر سے باہر چلے گئے۔ پھر سب لوگ چلے گئے صرف تین افراد رہ گئے جو آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ پیغمبر اکرمؐ اپنی بیبیوں کے گھر میں گئے ان کو سلام کیا تو ہر ایک نے پوچھا کہ آپ نے نئی دلہن کو کیسا پایا؟

بالآخر ان میں سے ایک آدمی چلا گیا لیکن دو آدمی اب بھی باتوں میں مشغول تھے۔ رسول اکرمؐ واپس آئے اور انہیں بدستور باتوں میں مصروف پایا۔

خدا خدا کر کے یہ دو بھی رخصت ہوئے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مجیدہ نازل فرمائی:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّا اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِيْنَ اِنٰهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَأْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِى النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيِ مِنَ الْحَقِّ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَا اَنْ تَنْكِحُوْا اَزْوَاجَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ اَبَدًا اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَاللّٰهِ عَظِيْمًا.

اے ایمان والو! تم پیغمبرؐ کے گھروں میں مت جاؤ مگر جب تمہیں کھانے کے لئے دعوت دی جائے تو جاؤ۔ لیکن اس کے پکنے کا انتظار نبی کے گھر بیٹھ کر نہ کیا کرو اور جب تم کو بلایا جائے تو جاؤ اور پھر جب کھا چکو تو چلے جایا کرو اور باتوں میں مت لگ جایا کرو کیونکہ اس سے پیغمبر کو تکلیف ہوتی ہے اور وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں جبکہ اللہ حق بات کہنے سے کوئی لحاظ نہیں کرتا اور جب پیغمبر کی بیویوں سے تمہیں کچھ مانگنا ہو تو پردے کے باہر سے مانگا کرو۔ یہی تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے واسطے بہت صفائی کی بات ہے اور تمہارے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ رسول اللہؐ کو اذیت دو اور نہ یہ جائز ہے کہ تم ان کے بعد کبھی ان کی بیویوں سے نکاح کرو۔ بے شک یہ خدا کے نزدیک گناہ ہے۔ (الاحزاب: ۵۳)

پیغمبرؐ اکرمؐ نے لوگوں کو یہ آیت مجیدہ سنائی اور حجاب کے واجب ہونے کا اعلان کیا۔[۱]

۱۔ ناسخ التواریخ، جلد۴، ص۳۱۰۔

اسلام میں حدود کی اہمیت

فتح مکہ کے بعد رسول خداؐ نے چند دن مکے میں قیام کیا اور اس دوران یہ واقعہ پیش آیا کہ ابوسلمہ کے بھتیجے اسود بن عبدالاسد مخزومی کی بیٹی فاطمہ نے چوری کی اور چوری کرتے وقت رنگے ہاتھوں پکڑی گئی۔ اسے رسول اکرمؐ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔

بنی مخزوم قریش کی معزز شاخ شمار کی جاتی تھی۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اگر ہمارے خاندان کی لڑکی پر حضور اکرمؐ نے حد شرعی جاری کردی اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا تو اس سے ہمارے خاندان کی بے حد بدنامی ہوگی۔ ہمیں چاہئے کہ ہم کسی سے سفارش کرائیں تا کہ حضور اکرمؐ اس پر حد شرعی جاری نہ کریں۔

آخر کار بنی مخزوم نے اسامہ بن زیدؓ کو سفارشی بنا کر آنحضرتؐ کے پاس بھیجا۔ اسامہؓ نے آپ سے عرض کی کہ آپ اس مخزومی عورت پر حد جاری نہ کریں کیونکہ اس سے اس کا معزز خاندان بدنام ہو جائے گا۔

اسامہؓ نے جیسے ہی سفارش کی تو آنحضرتؐ کے چہرۂ مبارک کا رنگ متغیر ہوگیا اور آپ کے چہرے پر غضب کے آثار نمایاں ہوئے۔

جب اسامہؓ نے آنحضرتؐ کی ناراضگی کو دیکھا تو کہا: یارسول اللہؐ! میں معافی کا طلبگار ہوں۔ آپ میرے لئے مغفرت کی دعا فرمائیں۔

اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا: **لا یشفع فی حد فان الحدود اذا انتهت الی فلیس لها مترک.** حدود کیلئے کوئی سفارش قابل قبول نہیں۔ جب معاملہ مجھ تک پہنچ چکا ہے تو اس کے بعد معافی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ تم سے پہلی امتیں اسی لئے ہلاک ہوئیں جب ان میں کوئی بااثر شخص جرم کرتا تو وہ اسے چھوڑ

دیتے تھے اور جب کوئی کمزور شخص جرم کرتا تو اس پر حد جاری کرتے تھے۔ خدا کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمدؐ بھی چوری کرتی تو محمدؐ اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔ [1]

اسلام نے لٹیروں کی کیسے تربیت کی

(۱)

جب جنگ حنین ختم ہوئی اور غنیمت کی تقسیم شروع ہوئی تو اس وقت کچھ ایسے عرب بھی غنیمت مانگنے کے لئے اٹھے جو جنگ میں شریک ہوئے تھے لیکن ابھی ان کا ایمان ناقص تھا۔ ایسے لوگوں کا آنحضرتؐ کے گرد اتنا ہجوم ہوگیا کہ آپ کو ایک درخت کا سہارا لینا پڑا۔ ان لوگوں نے آپ کی دوش مبارک سے ردا تک کھینچ لی۔

آپ نے ان سے فرمایا: میری ردا مجھے واپس کرو۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! اگر میرے پاس روئے زمین کے درختوں کی مقدار میں بھی اونٹ، گائیں اور بکریاں ہوتیں تو بھی میں انہیں تمہارے درمیان میں تقسیم کرتا۔ پھر آپ نے اونٹ کی کوہان سے کچھ بال اکھیڑ کر فرمایا کہ خدا کی قسم! میں مال غنیمت میں سے خمس کے علاوہ ان بالوں کی مقدار کو بھی اپنے پاس نہ رکھتا، وہ بھی تم میں تقسیم کر دیتا۔ تمہیں مال غنیمت میں خیانت نہیں کرنی چاہئے۔ اگرچہ وہ ایک سوئی یا دھاگے کی مقدار میں ہی کیوں نہ ہو کیونکہ مال غنیمت میں چوری باعث عار اور آتش دوزخ کا سبب ہے۔

آنحضرتؐ کا یہ فرمان سن کر ایک انصاری اٹھا اور وہ دھاگوں کا ایک گچھا لے آیا اور کہنے لگا: یارسول اللہؐ! میں نے دھاگوں کا یہ گچھا اپنے اونٹ کی چادر سینے کے لئے رکھا تھا۔ (کیا میں یہ بھی واپس کردوں؟)

۱۔ ناسخ التواریخ، جلد۴، ص۹۲۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: اس گچھے میں جو میرا حصہ بنتا ہے میں نے وہ تجھے حلال کیا ہے۔ (مقصد یہ ہے کہ میں تجھے اپنا حصہ تو چھوڑ سکتا ہوں لیکن میں دوسروں کا حصہ تجھے کیسے دے سکتا ہوں)۔

اس شخص نے کہا: یارسول اللہؐ! اگر معاملہ یہ ہے اور حساب اتنا دشوار ہے تو مجھے بھی اس گچھے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ کہہ کر اس نے وہ گچھا زمین پر ڈال دیا۔

(۲)

جنگ خیبر میں غنائم کی جمع آوری کے وقت آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ لوگوں میں ندا کی جائے کہ کوئی بھی شخص مال غنیمت میں ایک سوئی یا دھاگے جتنی بھی خیانت نہ کرے۔ فتح خیبر کے دن ایک سیاہ فام غلام مرگیا۔ یہ غلام سفر میں آنحضرتؐ کے سامان کی نگہبانی کیا کرتا تھا۔ بعض محدثین نے کہا ہے کہ وہ جنگ کے وقت آپ کے گھوڑے کی باگ تھاما کرتا تھا۔

رسول خداؐ نے فرمایا: اس غلام کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

جب لوگوں نے اس کی تدفین کے بعد اس کے سامان کی تلاشی لی تو انہوں نے دیکھا کہ اس نے اپنے حصے سے زیادہ ایک اونی چادر کو چھپایا ہوا تھا۔

اسی دن ایک اور فوجی بھی مرا۔ لوگوں نے آنحضرتؐ کو بتایا کہ آپ کا ایک صحابی اس دنیا سے رخصت ہوگیا ہے۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: تم اس کی نماز جنازہ نہ پڑھو۔

جب مرنے والے کے سامان کی تلاشی لی گئی تو اس میں چند ایسی چیزیں دکھائی دیں جو کہ اس نے خیانت کر رکھی تھیں اور ان اشیاء کی قیمت دو درہم کے برابر بھی نہیں تھی۔[1]

۱۔ پہلا واقعہ ناسخ التواریخ، جلد۳، ص۱۵۰ اور دوسرا ناسخ التواریخ، جلد۲، ص۲۹۲ سے نقل کیا گیا۔

حلاوت ایمان

کعب بن اشرف ایک یہودی سرمایہ دار تھا اور وہ ہمیشہ رسول اکرمؐ اور مسلمانوں کو اذیتیں دیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اس کی اذیتوں سے تنگ آ کر رسول اکرمؐ نے فرمایا: کوئی ہے جو مجھے کعب بن اشرف کے شر سے بچائے؟

آپ کا یہ فرمان سن کر محمد بن مسلمہ اور کچھ اور مسلمانوں نے اس کے قتل کا منصوبہ بنایا اور وہ اسے قتل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔

محیصہ ایک مسلمان تھا اور اس کی ہمسائیگی میں ایک یہودی تاجر رہائش پذیر تھا۔ محیصہ نے اپنی پہلی فرصت میں اپنے یہودی ہمسائے کو قتل کردیا۔

محیصہ کا ایک اور بھائی بھی تھا جس کا نام حویصہ تھا۔ حویصہ ابھی تک غیر مسلم تھا اور وہ یہودی متصور کیا جاتا تھا۔ اس نے اپنے بھائی کو ملامت کرتے ہوئے کہا: ہمارا گوشت پوست اسی یہودی تاجر کی مہربانیوں سے پیدا ہوا ہے۔ یہ شخص تمام یہودیوں سے بہتر اور زیادہ سخی تھا۔

محیصہ نے اپنے بھائی سے کہا: خاموش رہو۔ جس نے ہمیں یہودیوں کے قتل کا حکم دیا ہے اگر وہ مجھے تیرے قتل کا حکم دے دے تو میں تیرے قتل کرنے میں بھی ایک لمحے کی تاخیر نہیں کروں گا حالانکہ تو میرا سگا بھائی ہے۔

حویصہ نے جب بھائی کی یہ بات سنی تو اسے یقین ہوگیا کہ اس کا بھائی جو کچھ کہہ رہا ہے اس میں ذرہ برابر بھی مبالغہ نہیں ہے۔ وہ ساری رات یہ سوچتا رہا کہ جو دین سگے بھائی کی موت کی تلخی کو بھی شیریں بنادے تو وہ دین یقیناً سچا ہے۔ دوسرے دن وہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کرلیا۔[1]

۱۔ ناسخ التواریخ، جلد اول، ص ۲۸۳۔

اعشٰی کی بدنصیبی

''اعشٰی'' عربی زبان کا قادرالکلام شاعر تھا اور ادب جاہلی کے سات شہہ پارے جنہیں ''سبعہ معلقہ'' کہا جاتا ہے، ان میں ایک نظم اعشٰی کی بھی شامل ہے۔

جب اعشٰی نے آنحضرتؐ کی بعثت کا حال سنا تو اس نے آپ کی تعریف وتوصیف پر مبنی ایک قصیدہ لکھا اور پھر وہ آنحضرتؐ سے ملاقات کی خواہش لے کر اپنے گھر سے مکے کی طرف روانہ ہوا۔ وہ چاہتا تھا کہ آنحضرتؐ کی زیارت کا شرف حاصل کر کے ایمان لائے اور اپنا قصیدہ بھی حضرت کی نذر کرے۔

ابوسفیان کو پتا چلا کہ اعشٰی اپنے گھر سے اسلام لانے کی غرض سے مکے کی طرف روانہ ہوا ہے تو وہ اپنے ساتھ چند افراد کو لے کر اس کے راستے میں جا کر کھڑا ہوا اور اس کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔

آخرکار اعشٰی آیا تو ابوسفیان نے اس سے کہا: اعشٰی! مجھے تیرے متعلق یہ سن کر شدید صدمہ ہوا ہے کہ تو مسلمان ہونا چاہتا ہے اور تو ایک ایسے شخص کے پاس جانے کا ارادہ رکھتا ہے جو تجھے تیری زندگی کی سب سے بڑی خوشی سے محروم کرنا چاہتا ہے۔

اعشٰی نے کہا: مجھے بتاؤ وہ مجھے میری زندگی کی کس خوشی سے محروم کرنا چاہتا ہے؟

ابوسفیان نے کہا: تو زنا کا رسیا ہے جبکہ محمدؐ اس سے منع کرتا ہے اور کیا تو محمدؐ کی وجہ سے زنا کرنے سے باز آجائے گا؟

اعشٰی نے کہا: میں اس وقت عمر کے اس حصے میں داخل ہو چکا ہوں جہاں مجھے زنا چھوڑنے کی ضرورت نہیں بلکہ زنا ہی مجھے چھوڑ چکا ہے۔ اب تو میرے

اعضاء وقویٰ میں زنا کرنے کی سکت ہی نہیں رہی ہے۔ ہاں اس کے علاوہ اور کس چیز سے مجھے روکے گا۔

ابوسفیان نے کہا: وہ تجھے جوئے سے روکے گا کیونکہ اس کی نظر میں جوا فعل حرام ہے۔

اعشیٰ نے کہا: کوئی بات نہیں اگر وہ مجھے جوئے سے روکیں گے تو اس کے متبادل کے طور پر مجھے کسی بہتر کام میں مصروف کردیں گے۔ ہاں اس کے علاوہ اگر وہ کسی اور چیز سے روکتے ہیں تو تم مجھے بتادو۔

ابوسفیان نے کہا: محمدؐ شراب نوشی سے بھی منع کرتا ہے جبکہ شراب تیری زندگی کا ایک حصہ ہے۔

اعشیٰ نے کہا: میرے تمام جاننے والے بخوبی جانتے ہیں کہ میں زندگی کے کسی بھی حصے میں بلا خور میخوار نہیں رہا۔ ویسے اس وقت بھی میری مشک میں شراب موجود ہے۔ اگر تمہیں شراب کی طلب محسوس ہو رہی ہو تو میری خرجین سے شراب کی بوتل نکال کر پی لو۔

ابوسفیان نے دیکھا کہ اعشیٰ اس کے کسی بھی پھندے میں پھنسنا پسند نہیں کرتا تو پھر اس نے اعشیٰ سے کہا: اس وقت ہمارے ساتھ سوچ سمجھ کر معاہدہ کرو۔ ہم تمہیں پورے ایک سو اونٹ دینے پر آمادہ ہیں اور تم یہاں سے واپس اپنے گھر لوٹ جاؤ۔ اس وقت محمدؐ اور ہمارے درمیان جھگڑا چل رہا ہے اور اگر اس جھگڑے میں ہم کامیاب ہوگئے تو تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا کیونکہ تو ایک سو اونٹوں کا مالک بن چکا ہوگا اور اگر محمدؐ کامیاب ہوگئے اور ہم ہار گئے تو تم محمدؐ کے پاس جاکر اسلام قبول کر لینا۔

اعشٰی نے کہا: مجھے تمہاری یہ پیشکش منظور ہے۔

ابوسفیان نے قبیلۂ قریش سے کہا: بھائیو! اعشٰی، محمدؐ کے ساتھ الحاق کرنے کا خواہش مند ہے اور اگر یہ اس پر ایمان لے آیا تو یہ اپنے اشعار سے فتنے کی آگ کو مزید تیز کردے گا۔ تم سے جتنا جلد ہو سکے اونٹ لے آؤ تاکہ یہ اونٹ لے کر اپنے وطن واپس چلا جائے۔

قریش نے ایک سو اونٹ جمع کر کے اعشٰی کے سپرد کیے۔ اعشٰی اونٹ لے کر اپنے وطن یمامہ کو روانہ ہوا اور جب وہ گھر پہنچا تو اچانک اونٹ سے گرا اور ہلاک ہوگیا۔[1]

۱۔ ناسخ التواریخ، جلد۳، ص۱۸۳۔

باب سوم

رسول اکرمؐ نے تبلیغ دین کیلئے کتنی زحمات اٹھائیں؟

اسلام کی تبلیغ کے لئے رسول اکرمؐ نے جتنی زحمات برداشت کیں ان کا احاطہ کرنا ہمارے لئے نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ ویسے بھی ہماری یہ کتاب باقاعدہ سیرت نبوی کی کتاب نہیں ہے۔ ہم تاریخ میں سے صرف چند واقعات نقل کرنے پر ہی اکتفا کریں گے۔

ہر اذیت کے بعد رسول اکرمؐ کے رنج و الم کا اندازہ لگانا اس لئے بھی مشکل ہے کہ رنج و الم کا تعلق دل سے ہوتا ہے اور کسی کے دلی احساسات کے اندازے کے لئے کوئی میزان آج تک مقرر ہی نہیں ہوا۔

رسول اکرمؐ کا وصف بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ. بے شک آپ عظیم کردار کے مالک ہیں۔ (والقلم:۴)

صاحب خلق عظیم صدمات اٹھانے کے بعد اس کا اظہار بھی شاذ و نادر ہی کیا کرتے تھے اور اس سلسلے میں آنحضرتؐ کے ایک فرمان سے ہی آپ کی زحمات اٹھانے کی پوری عکاسی ہوتی ہے۔

آپ نے فرمایا: ما او ذی نبی بمثل ما اوذیت. یعنی جتنی اذیتیں مجھے

دی گئیں آج تک کسی نبی کو اتنی اذیتیں نہیں دی گئیں۔

آنحضرتؐ کی تبلیغ کے مخاطب اول اعراب تھے اور یہ وہی جفا پیشہ اعراب تھے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّ نِفَاقًا وَ اَجْدَرُ اَنْ لَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ. اعراب کفر و نفاق میں بہت سخت ہیں اور اسی قابل ہیں کہ جو کتاب خدا نے اپنے رسولؐ پر نازل کی ہے اس کے حدود و احکام کو نہ پہچانیں اور اللہ خوب جاننے والا اور صاحب حکمت ہے۔ (توبہ: ۹۷)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح کیا کہ دنیا کی تمام اقوام و ملل کی بہ نسبت اہل عرب کا کفر و نفاق شدید ترین تھا۔ اعراب جس طرح کی زندگی بسر کرتے تھے قرآن مجید نے اسے ضلال مبین سے تعبیر کیا۔

(رسول اکرمؐ، اللہ کے عظیم المرتبت نبی ہیں اور اللہ نے انہیں باقی تمام انبیاء سے زیادہ حوصلہ عطا کیا تھا۔ کائنات کی جاہل ترین قوم کی تعلیم و تربیت کوئی آسان کام نہیں تھا۔ یہ رسول اکرمؐ کا ہی حوصلہ تھا کہ آپ نے انہیں رحمدل بنایا جو اپنی بیٹیوں پر بھی رحم کرنا نہیں جانتے تھے۔ یہ آنحضرتؐ کی تعلیم و تربیت کا ہی اثر تھا کہ جن سے باپ کی بیوی بھی محفوظ نہیں تھی، وہ لوگوں کی ناموس کے نگہبان بن گئے اور آپ کی تعلیم و تربیت کی وجہ سے جہالت کی اتھاہ گہرائیوں میں رہنے والے متمدن اقوام کو درس اخلاق دینے لگے تھے)۔

گستاولبون تاریخ تمدن کے صفحہ ۸۷ پر لکھتا ہے:

اس بات پر تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ اسلام سے قبل عربوں کی کوئی تاریخ نہیں تھی۔ عرب صحرانشین قبائلی قسم کے لوگ تھے جن کی رہائش کے لئے ایک جگہ مقرر نہ تھی۔ اسی لئے تاریخ میں ان کے حالات و واقعات دکھائی نہیں دیتے۔

عرب صدیوں تک نیم وحشی قسم کی زندگی بسر کرتے رہے اور اس دور کی آج کہیں کوئی یادگار دکھائی نہیں دیتی۔ تمام مشہور مورخین کا عربوں کے متعلق یہی نظریہ ہے۔

موسیو ریان Reuan اپنی کتاب سامی زبانوں کی تاریخ میں لکھتے ہیں:

اسلام کے حیرت انگیز حادثے تک عربوں کا تاریخ تمدن میں کہیں مقام تک نہیں تھا اور انہیں علم و مذہب کے حوالے سے بھی درخور اعتنا نہیں سمجھا جاتا تھا لیکن جیسے ہی سرزمین عرب پر اسلام کا حیرت انگیز حادثہ رونما ہوا تو اس کے بدو عرب فاتح عالم بن کر سامنے آئے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ "ریان" نے بالکل صحیح کہا ہے کہ عرب کی سرزمین پر اسلام کا آنا ایک حیرت انگیز حادثہ تھا کیونکہ اگر کوئی قوم و ملت ترقی کا نصف سفر طے کر چکی ہو اور بعد میں وہ قوم ترقی کے بلند تر مقام پر پہنچ جائے تو اس سے کسی کو کوئی تعجب نہیں ہوتا لیکن جو قوم سراسر جہالت کے اندھیرے میں ڈوبی ہوئی ہو اور وہ اچانک ترقی کی بلند و بالا چوٹی پر پہنچ جائے تو ہر دیکھنے والا انہیں حیرت کی نگاہ سے دیکھے گا۔

دنیا کا یہ حیرت انگیز کارنامہ رسول اکرمؐ کی تعلیم و تربیت کا مرہون منت ہے۔ رسول اکرمؐ کی تکالیف و زحمات کا اندازہ لگانا مشکل ہے کیونکہ آپ اللہ کے آخری رسول تھے اور آپ کو اس قوم کی تعلیم و تربیت کرنا تھی جو ہر لحاظ سے پستی میں ڈوبی ہوئی تھی جن کے ہاں چند خرافات اور آباؤاجداد پر فخر کرنے کے علاوہ کچھ بھی موجود نہ تھا۔ عرب قوم جن کی اکثریت صحرا نشین تھی اور جن کا پیشہ لوٹ مار تھا، جن کے پاس رہنے کے لئے ڈھنگ کا مکان تک نہ تھا اور جنہوں نے کبھی پیٹ بھر کر گندم کی روٹی تک نہ کھائی تھی، ایسی قوم کی رسول خداؐ نے کچھ اس انداز سے تربیت کی کہ ان کی نگاہوں میں کسی جہاندار کی کوئی اہمیت نہیں رہی تھی اور قیصرو

کسریٰ کی حکومتیں ان کی نگاہوں میں نہیں جچتی تھیں۔

وہ عرب سرزمین جو کہ صدیوں سے جہل و نادانی کا دوزخ تھی آپ کے آنے سے علم و دانش کا گہوارا بن گئی اور فضائل و کمالات کے نشر ہونے کا مرکز قرار پائی۔ (عربوں میں علم و دانش کا پھیلانا بازیچۂ اطفال نہیں تھا اس کے لئے سخت جدوجہد اور بلند حوصلے کی ضرورت تھی جو کہ آنحضرتؐ کی ذات میں بدرجہ اتم پایا جاتا تھا)۔ آپ لوگوں کو ایمان کی دعوت دیتے اور انہیں بت پرستی سے منع کرتے تھے۔ اس کے جواب میں آنحضرتؐ پر پتھر برسائے جاتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ نے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر لوگوں کو جمع کیا اور آپ نے ان سے فرمایا: اے لوگو! مجھے بتاؤ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ آج رات یا کل دن کو دشمن کی فوج تم پر حملہ کرنے والی ہے تو کیا تم میری بات کی تصدیق کرو گے؟

سب نے یک زبان ہو کر کہا: جو کچھ آپ کہیں گے ہم اس کی تصدیق کریں گے کیونکہ آپ صادق و امین ہیں۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا: میں تمہیں خدا کے سخت عذاب سے ڈراتا ہوں۔ (مقصد یہ ہے کہ اگر تم نے بت پرستی کو نہ چھوڑا اور خدا پر ایمان نہ لائے تو تم پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا۔)

ابولہب نے کہا: **تبا لک الھذا دعوتنا جمیعاً؟** تجھ پر ہلاکت ہو، کیا تو نے ہم سب کو اسی لئے یہاں بلایا ہے؟

ابولہب کی اس گستاخی پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ لہب نازل کی۔[1]

کفار نے ہر وسیلے اور طریقے سے رسول اکرمؐ کو ناکام کرنے کی کوشش کی اور انہوں نے خدا پرستی کو روکنے کی پوری جدوجہد کی۔ کفار کی بے حیائی کی حد یہ تھی

۱۔ بحارالانوار، جلد ۱۸، ص ۱۷۵۔

کہ جب رسول اکرمؐ مسجدالحرام میں نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوتے تو بنی عبدالدار کے چار اشخاص آپ کو اذیت دینے پر مقرر تھے۔ آپ جیسے ہی نماز شروع کرتے تو دو افراد آپ کی دائیں جانب اور دو افراد بائیں جانب کھڑے ہو جاتے۔ دائیں جانب والے سیٹیاں بجاتے اور بائیں جانب والے تالیاں پیٹا کرتے تھے تاکہ آپ نماز پڑھنے سے باز رہیں۔ اذیت کا یہ سلسلہ پورے قیام مکہ تک جاری رہا۔

حالت نماز میں آنحضرتؐ کو اذیت دینے والے چاروں افراد جنگ بدر میں قتل ہوئے تھے۔[1]

قریش آنحضرتؐ کا ہر وقت مذاق اڑایا کرتے تھے اور بعض اوقات وہ آپ سے اس طرح کے جملے کہتے: ''ایک شخص بھی تمہاری تصدیق نہیں کرتا۔ ہم نے یہود و نصاریٰ سے پوچھا ہے تو انہوں نے کہا ہے کہ ہمیں ایسے کسی پیغمبر کی کوئی اطلاع نہیں دی گئی ہے۔ تم ایک شخص ایسا پیش کرو جو تمہاری رسالت کی گواہی دے۔ کیا خدا کو اپنی پوری کائنات میں کوئی دوسرا شخص رسالت کے قابل نظر نہیں آیا کہ اس نے ابوطالبؑ کے یتیم کو اپنا رسول بنا کر روانہ کر دیا۔''[2]

امیرالمومنین علیہ السلام، آنحضرتؐ کی ان تمام تکالیف و زحمات کے عینی شاہد تھے۔ انہوں نے اپنے ایک خطبہ میں زحمات پیغمبر کو بیان کرتے ہوئے یہ جملے ارشاد فرمائے تھے:

واشهد ان محمدا عبده ورسوله خاض الى رضوان الله كل غمرة و تجرع فيه كل غصة وقد تلون له الا دنون و تالب عليه الاقصون

۱۔ بحارالانوار، جلد ۱۸، ص ۱۶۰۔

۲۔ بحارالانوار، ج ۱۸، ص ۱۳۵۔

و اسرع اليه العرب اعنتها و ضربت الى محاربته بطون رواحلها حتى انزلت بساحته عداوتها من ابعدالدار و اسحق المزار. یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد مصطفیٰؐ، اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ انہوں نے خدا کی رضا کے حصول کے لئے ہر سختی کو جھیلا اور انسانوں کی رہنمائی کے لئے غم و اندوہ کے گھونٹ پیئے۔ ان کے قریبی رشتے داروں نے بھی ان کے لئے رنگ بدل لیا تھا اور دور والوں نے ان سے جنگ کے لئے اجتماع کیا۔ عربوں نے انہیں مٹانے کے لئے ہر طرف سے جلدی کی اور انہوں نے اپنے اونٹوں کے شکم پر تازیانے مارے تاکہ وہ جلدی سے آنحضرتؐ سے جنگ کے لئے پہنچ سکیں اور دور دراز مقامات سے لوگ ان کی دشمنی کے لئے جمع ہوئے۔

ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ کی جلد دوم، صفحہ ۸۵۳ پر لکھتے ہیں:

جس شخص نے بھی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتا ہے کہ آنحضرتؐ نے دین کے لئے کیسی مصیبتیں برداشت کیں۔ لوگوں نے ان کا مذاق اڑایا، انہیں پتھر مارے یہاں تک کہ ان کا جوتا ان کے خون سے بھر گیا۔ کفار کے چھوٹے بچے آنحضرتؐ کے گرد جمع ہو کر انہیں دیوانہ کہہ کر پکارتے تھے، لوگوں نے آپ کے سر مبارک پر اونٹوں کی غلاظتیں ڈالیں اور آپ کی چادر سے آپ کا گلا تک گھونٹا گیا۔

جب ان تمام اذیتوں سے انہیں کامیابی حاصل نہ ہوئی تو انہوں نے آپ کا اور آپ کے خاندان کا معاشی و اقتصادی محاصرہ کیا اور آپس میں معاہدہ کیا کہ جب تک بنی ہاشم، محمدؐ کو ان کے حوالے نہ کریں اس وقت تک ان کے ہاتھوں کوئی چیز فروخت نہ کی جائے، ان کے ساتھ رشتے داری قائم نہ کی جائے اور ان سے گفتگو تک نہ کی جائے۔

اس شرمناک معاہدے کی وجہ سے حضرت ابوطالبؑ، رسول اکرمؐ اور اپنے

خاندان کو مکے کی ایک گھاٹی میں لے گئے۔ ہر طرف سے بائیکاٹ تھا۔ کوئی دکاندار قیمت لے کر بھی انہیں کھانے پینے کی کوئی چیز دینے پر آمادہ نہ ہوتا تھا۔ بنی ہاشم کے بچے بھوک کی شدت سے بلکتے تو قریش خوش ہوتے تھے۔

بنی ہاشم کو اکثر اوقات درختوں کے پتے کھانے پر پڑتے تھے۔ اس سخت اقتصادی حصار کے دوران حضرت خدیجہؓ کے کچھ رشتے دار خفیہ طور پر کبھی کبھی غلہ ان کے پاس بھیجتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر باہر سے آنے والا غلہ بند ہو جاتا تو سب کے سب گھاٹی میں دم توڑ دیتے۔

کفار، مسلمانوں کو اذیت دینے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ غریب مسلمانوں کو گرم زمین پر لٹا کر ان کے سینوں پر بھاری پتھر رکھ دیتے تھے۔ کفار کے اسی ظلم و ستم سے مجبور ہو کر کچھ مسلمانوں کو حبشہ میں نجاشی کے ہاں پناہ لینی پڑی۔

رسول اکرمؐ کبھی قبیلہ ثقیف کی پناہ میں جاتے اور کبھی بنی عامر اور کبھی ربیعہ کی پناہ تلاش کرتے تھے۔ جب قریش نے محسوس کیا کہ اب ان کے اقتدار کو محمد مصطفیؐ سے حقیقی خطرہ لاحق ہو چکا ہے تو انہوں نے آنحضرتؐ کے قتل کا منصوبہ تیار کیا جس کی وجہ سے آپ کو مکے سے مدینے ہجرت کرنا پڑی، جہاں اوس و خزرج نے انہیں پناہ دی۔ مگر قریش مکہ نے آپ کو مدینے میں بھی چین سے نہ رہنے دیا اور وقفے وقفے سے آپ کے ساتھ جنگیں کیں اور فتح مکہ تک آپ مسلسل ان کی ایذا رسانیوں کا ہدف بنے رہے۔

چند تاریخی نمونے

اذیت پیغمبر اکرمؐ

ولید بن مغیرہ ابوجہل کا چچا تھا اور وہ مکے کا بڑا دولت مند شمار کیا جاتا تھا۔ اس کے پاس دس غلام تھے اور اس نے ہر غلام کو تجارت کے لئے ایک ایک ہزار دینار دے رکھے تھے جو اس کی طرف سے تجارت کرتے تھے اور تجارت کے منافع سے اس کی تجوریاں بھرا کرتے تھے۔ قریش اپنے اختلافات اور تنازعات کا فیصلہ اسی سے کراتے تھے۔

ایک مرتبہ قریش اس کے پاس گئے اور اس سے کہا: جو کلام محمدؐ پڑھتا ہے اس کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔ آیا یہ جادو ہے، خطابت ہے یا کہانت ہے؟

ولید نے کہا: تم مجھے اجازت دو۔ پہلے میں اس کی باتیں سنوں گا پھر تمہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کروں گا۔

رسول اکرمؐ، حجر اسماعیلؑ کے مقام پر تشریف فرما تھے۔ ولید آپ کے پاس گیا اور آپ سے کہا: اے محمدؐ! اپنی شاعری مجھے سنائیں۔

آپ نے فرمایا: یہ شاعری نہیں خدا کا کلام ہے جو مجھ پر نازل ہوا ہے۔

اس نے کہا: اچھا آپ جسے خدا کا کلام کہہ رہے ہیں وہ مجھے سنائیں۔

رسول اکرمؐ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی تو اس نے تمسخر اڑاتے ہوئے کہا: کیا اس سے وہی رحمٰن مراد ہے جو یمامہ میں رہتا ہے؟ (واضح رہے کہ یمامہ میں ایک شخص کو رحمٰن کہا جاتا تھا۔)

آنحضرتؐ نے فرمایا: نہیں! اس سے مراد عالمین کا رب ہے جو رحمٰن اور رحیم ہے۔ اس کے بعد آپ نے سورۂ حم السجدہ کی آیات پڑھیں اور جب آپ نے یہ آیت پڑھی:

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِّثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ. پس اگر وہ منہ پھیر لیں تو آپ کہہ دیں کہ میں تمہیں عاد و ثمود کے عذاب جیسے عذاب سے ڈرا چکا ہوں۔ (حٰمٓ السجدہ: ۱۳)

ولید نے جب اس آیت کو سنا اور جلال پروردگار کا تصور کیا تو اس کا بدن کانپنے لگا اور شدت خوف سے اس کے بدن کے بال کھڑے ہوگئے۔ پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور قریش کی محفل میں جانے کی بجائے سیدھا اپنے گھر چلا گیا۔

جب ولید قریش کے مجمع میں نہ گیا تو وہ آپس میں کہنے لگے: معلوم ہوتا ہے کہ ولید نے بھی محمدؐ کا دین قبول کرلیا ہے۔ یہ سوچ کر وہ پریشان ہوگئے۔

دوسرے دن صبح سویرے ابوجہل ولید کے پاس گیا اور اس سے کہا: چچا! تم نے تو کل ہمیں رسوا کردیا۔

ولید نے کہا: کیوں کیا ہوا؟ میں تو ابھی تک اپنے دین پر قائم ہوں لیکن کل میں نے ایسا موثر کلام سنا جس کی وجہ سے میرا جسم لرزنے لگا۔

ابوجہل نے کہا: کیا وہ کلام شعر ہے؟

ولید نے کہا: نہیں! اس کی شعر سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔

ابوجہل نے کہا: تو کیا وہ خطابت ہے؟

ولید نے کہا: نہیں! اسے خطابت بھی نہیں کہا جاسکتا کیونکہ خطابت ایک دوسرے سے متصل کلام پر مبنی ہوتی ہے لیکن یہ بات بھی ہے کہ محمدؐ جو کچھ بھی بیان کر رہا ہے وہ نثر پر مشتمل ہے اور جملے ایک دوسرے سے مشابہت نہیں رکھتے لیکن ان میں ایک طرح کی چاشنی ہے۔

ابوجہل نے کہا: تو کیا وہ جادو ہے؟

ولید نے کہا: تم مجھے کل صبح تک کی مہلت دو۔ مجھے اس کے متعلق کچھ سوچ سمجھ کر فیصلہ کر لینے دو۔

جب دوسرے دن ابوجہل اس کی رائے لینے گیا تو ولید نے کہا: مجھے اس کا اور تو کوئی حل دکھائی نہیں دیتا۔ تم اسے سحر و جادو کہہ سکتے ہو کیونکہ یہ کلام جادو کی طرح سے لوگوں کے دلوں پر اثر کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ولید کے غور وفکر کی داستان کو سورۂ مدثر کی آیات میں ان الفاظ سے یاد کیا:

ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا. وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالاً مَّمْدُوْدًا. وَّ بَنِیْنَ شُهُوْدًا. وَمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِیْدًا. ثُمَّ یَطْمَعُ اَنْ اَزِیْدَ كَلَّا. اِنَّهٗ كَانَ لِاٰیٰتِنَا عَنِیْدًا. سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا. اِنَّهٗ فَكَّرَ وَ قَدَّرَ. فَقُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ. ثُمَّ قُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ. ثُمَّ نَظَرَ. ثُمَّ عَبَسَ وَ بَسَرَ. ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ. فَقَالَ اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ یُّؤْثَرُ. اِنْ هٰذَا اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرَ. اب مجھے اور اس شخص کو چھوڑ دو جس کو میں نے اکیلا پیدا کیا ہے اور اس کے لئے کثیر مال قرار دیا ہے اور نگاہ کے سامنے رہنے والے بیٹے قرار دیئے ہیں اور ہر طرح کے سامان میں وسعت دیدی ہے اور پھر بھی چاہتا ہے کہ اور اضافہ کردوں۔ ہرگز نہیں! یہ ہماری نشانیوں کا سخت دشمن تھا۔ تو ہم اسے عنقریب سخت عذاب میں گرفتار کریں گے۔ اس نے فکر اور اندازہ لگایا تو اسی میں مارا گیا

کہ کیسا اندازہ لگایا۔ پھر غور کیا۔ پھر تیوری چڑھا کر منہ بسور لیا۔ پھر منہ پھیر کر چلا گیا اور اکڑ گیا اور آخر میں کہنے لگا کہ یہ تو ایک جادو ہے جو پرانے زمانے سے چلا آرہا ہے۔ یہ تو صرف انسان کا کلام ہے۔ (مدثر: ۱۱ تا ۲۵)[۱]

مشرکین کتنے سنگ دل تھے؟

جب فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ. (حجر: ۹۴) ''جو کچھ آپ کو حکم دیا جارہا ہے آپ اسے واضح کریں اور مشرکین سے منہ پھیر لیں۔'' نازل ہوئی تو اس وقت حج کے ایام تھے۔ رسول اکرمؐ کوہ صفا کی چوٹی پر چڑھے اور پکار کر کہا: اے لوگو! میں اللہ کی طرف سے تمہارے لئے رسول بنایا گیا ہوں۔

لوگوں نے استہزائیہ نگاہوں سے آپ کو دیکھا۔ اسکے بعد آپ کوہ مروہ پر تشریف لے گئے اور آپ نے اپنے کان پر ہاتھ رکھ کر تین مرتبہ یہ جملے کہے:

یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا. اے لوگو! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

اس بار بھی لوگوں نے آپ کو تمسخر آمیز نگاہوں سے دیکھا۔ ابوجہل لعین نے ایک پتھر اٹھا کر آپ کو مارا جو کہ آپ کی پیشانی مبارک پر لگا جس سے آپ کی پیشانی زخمی ہوگئی۔ دوسرے مشرکین نے بھی موقع کو غنیمت جانا اور انہوں نے بھی آپ کو پتھر مارنے شروع کردیئے۔ آپ بڑی مشکل سے اپنے آپ کو بچاتے ہوئے کوہ مروہ کی چوٹی پر چلے گئے۔ آج کل اس جگہ کو ''متکا'' کہا جاتا ہے۔ کفار آپ کے تعاقب میں آپ کی جانب بڑھے۔

اسی اثناء میں ایک شخص حضرت علیؑ کے پاس آیا اور ان سے کہا: لوگوں

۱۔ بحار الانوار، ج ۱۸، ص ۱۸۶۔

نے محمد مصطفیٰؐ کو قتل کر دیا ہے۔

یہ خبر سن کر حضرت علیؑ، جناب خدیجہؓ کے دروازے پر پہنچے اور انہوں نے دروازے پر دستک دی۔

حضرت خدیجہؓ نے پوچھا: کون ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ میں علیؑ ہوں۔

حضرت خدیجہؓ نے پوچھا: میرے شوہر محمدؐ کا کیا حال ہے؟

حضرت علیؑ نے کہا: مجھے پورا علم نہیں ہے، البتہ میں اتنا سن چکا ہوں کہ مشرکین نے ان پر سنگ باری کی ہے، مجھے یہ علم نہیں کہ وہ زندہ ہیں یا شہید ہو گئے ہیں۔ آپ ایک برتن میں مجھے پانی دیں اور خود روٹی لے کر باہر آ جائیں۔ ہم جا کر رسول اکرمؐ کو تلاش کرینگے اور ہمیں یہ بھی یقین ہے کہ وہ بھوکے پیاسے ہونگے۔

حضرت علیؑ اور حضرت خدیجہؓ روٹی اور پانی لے کر گھر سے روانہ ہوئے۔ یہاں تک کہ پہاڑ پر پہنچے۔ حضرت علیؑ نے جناب خدیجہؓ سے کہا: آپ یہاں پہاڑی درے میں رہیں اور میں پہاڑ کی چوٹی پر جا کر انہیں تلاش کرتا ہوں۔

حضرت علیؑ پہاڑ کی چوٹی کی طرف بڑھے اور اس دوران وہ آوازیں دے رہے تھے: یا محمدؐ! یا رسول اللہؐ! آپ کہاں ہیں جواب دیں۔ میں آپ کو ڈھونڈ رہا ہوں۔

درہ کوہ پر کھڑے ہو کر حضرت خدیجہؓ رو رو کر کہتی تھیں: اے لوگو! تم میں سے کوئی ایسا ہے جو میرے شوہر ابوالقاسم کو ڈھونڈ کر میرے پاس لائے؟ کوئی ہے جو اسے ڈھونڈ کر لائے جسے خدا کی راہ میں اذیتیں دی گئی ہیں؟

اس وقت جبرئیل امینؑ، آنحضرتؐ پر نازل ہوئے۔ جب آنحضرتؐ کی نگاہ جبرئیل امینؑ پر پڑی تو بے اختیار آپ کے آنسو نکل پڑے اور فرمایا: دیکھ رہے ہو کہ یہ لوگ مجھ سے کیا سلوک کر رہے ہیں؟ انہوں نے میری تکذیب کی ہے اور

اب بھی میرے تعاقب میں آرہے ہوں گے۔

اس کے بعد نظام عالم چلانے والے تمام فرشتے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے کہا: اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ کا مطیع بنا کر روانہ کیا ہے۔ اگر آپ ہمیں اجازت دیں تو ہم ان سب کو نابود کر دیں۔

آپ نے سر اٹھا کر آسمان کی جانب دیکھ کر فرمایا: مجھے عذاب کے لئے نہیں بھیجا گیا، مجھے تو رحمت بنا کر مبعوث کیا گیا ہے۔ **دعونی و قومی فانھم لا یعلمون.** تم مجھے اور میری قوم کو تنہا چھوڑ دو وہ کچھ نہیں سمجھتے۔

جبرئیل امینؑ نے حضرت خدیجہؓ کو پریشانی کے عالم میں ادھر اُدھر بھاگتے ہوئے دیکھا تو کہا: یا رسول اللہؐ! کیا آپ خدیجہؓ کی بے قراری کو نہیں دیکھتے کہ وہ آپ کی جدائی میں کتنی پریشان ہیں؟ ان کے رونے کی وجہ سے آسمانؑ کے فرشتے رونے لگے ہیں۔ آپ انہیں اپنے پاس بلائیں، انہیں خدا اور میری طرف سے سلام پہنچائیں اور انہیں خدا کی طرف سے بشارت دیں کہ اللہ نے ان کے لئے موتیوں کا ایک محل تعمیر کیا ہے۔

پیغمبر اکرمؐ نے انہیں آواز دی۔ حضرت خدیجہؓ آئیں تو انہوں نے دیکھا کہ آنحضرتؐ کے چہرے اور پیشانی سے خون جاری ہے اور آپ خون کے قطرات کو زمین پر نہیں آنے دیتے۔

حضرت خدیجہؓ نے یہ دیکھا تو کہا: آپ خون کو زمین پر گرنے دیں۔

آپ نے فرمایا: **اخشی ان یغضب رب الارض علی من فیھا.** اگر میرا خون زمین پر گر گیا تو مجھے اندیشہ ہے کہ زمین والوں پر اللہ کا غضب نازل ہو جائے گا۔

اتنے میں رات چھا گئی اور ہر طرف تاریکی پھیل گئی۔ حضرت علیؑ اور

حضرت خدیجہؓ تاریکئ شب میں آنحضرتؐ کو گھر لے آئے۔ حضرت خدیجہؓ نے آپ کو ایک پتھر پر بٹھایا۔ اس جگہ کا موقع محل کچھ ایسا تھا کہ آپ کے سر پر پہاڑ کا ایک چھجہ سا تھا۔ مشرکین کو پتا چلا کہ محمدؐ، خدیجہؓ کے گھر میں پہنچ چکے ہیں تو وہ بدبخت گھر کے اردگرد جمع ہوگئے اور سنگباری شروع کردی۔

حضرت خدیجہؓ، رسول اکرمؐ کے سامنے کھڑی ہوگئیں اور انہوں نے چیخ چیخ کر کہا: اے لوگو! تمہیں شرم نہیں آتی کہ تم ایک پردہ دار عورت کے گھر میں سنگ باری کر رہے ہو۔

قریش نے جب بی بی کی فریاد سنی تو وہ متفرق ہوگئے۔[1]

پیغمبر اکرمؐ کو حضرت خدیجہؓ سے کتنی محبت تھی

(حضرت خدیجہؓ، رسول اکرمؐ کی پیاری بیوی تھیں اور انہیں یہ شرف حاصل ہوا کہ جب تک وہ آنحضرتؐ کی زوجیت میں رہیں اس وقت تک رسول اکرمؐ نے کسی دوسری عورت سے عقد نہیں کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اولاد پیغمبر کی ماں ہونے کا خصوصی شرف عطا کیا اور وہ انا اعطیناک الکوثر کی تفسیر کا سرچشمہ قرار پائیں۔ انہوں نے رسول اکرمؐ کے ساتھ پچیس برس کا عرصہ بسر کیا۔ وہ عرب کی مالدار خاتون تھیں اور انہوں نے اپنی تمام دولت حضور اکرمؐ اور اسلام کے راستے میں قربان کردی تھی)۔

اعلان نبوت کے نو سال آٹھ ماہ بعد رسول اکرمؐ کے شفیق چچا حضرت ابوطالبؑ کی وفات ہوئی اوران کی وفات کے چھ ماہ بعد (ایک اور روایت کے مطابق صرف تین دن بعد) حضرت خدیجہؓ نے اس دارفانی سے کوچ کیا۔

۱۔ بحارالانوار، جلد ۱۸، ص ۲۴۳۔

رسول اکرمؐ کو ان دونوں غمگسار شخصیات کی وفات سے شدید صدمہ پہنچا اور آپ نے ان کی وفات کے سال کو ''عام الحزن'' قرار دیا۔

جب تک ابوطالبؑ زندہ رہے قریش رسول اکرمؐ کو آزادانہ طور پر اذیت نہیں پہنچا سکتے تھے۔ لیکن جب ان کی وفات ہوئی تو قریش کے حوصلے بڑھ گئے۔

رسول اکرمؐ کو اپنی وفادار رفیقۂ حیات سے اتنا لگاؤ تھا کہ آپ جب بھی انہیں یاد کرتے تو آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی جاری ہو جاتی تھی۔

حسب ذیل واقعات سے حضرت خدیجہؓ سے رسول اکرمؐ کی محبت واضح ہوتی ہے:

(۱)

حضرت رقیہؓ [۱] حضرت خدیجہؓ کی صاحبزادی تھیں۔ ان کا نکاح ابولہب کے بیٹے عتبہ سے ہوا تھا۔ جب رسول اکرمؐ نے ہجرت کی تو مشرکین نے عتبہ سے کہا کہ ہمیں تمہاری محمدؐ سے رشتہ داری پسند نہیں ہے۔ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو تاکہ ہم اسے شہر سے نکال دیں۔ اس کے بعد تمہارا باپ اشراف قریش کے پاس ان کی لڑکیوں کی خواستگاری کے لئے جائے جن میں سے ہر ایک تم سے رشتہ کرنا چاہتا ہے۔ عتبہ نے اس تجویز کو مان لیا اور رقیہؓ کو طلاق دیدی۔

قریش نے آنحضرتؐ کے دوسرے داماد ابوالعاص بن ربیع کو یہی مشورہ دیا کہ وہ آنحضرتؐ کی بیٹی زینبؓ کو طلاق دیدے۔

ابوالعاص نے ایسا کرنے سے انکار کردیا کیونکہ ابوالعاص حضرت خدیجہؓ

۱۔ رسول اکرمؐ کی بیٹیوں کی تعداد میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ محققین امامیہ کا نظریہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو صرف ایک بیٹی عطا فرمائی تھی۔ جبکہ بعض روایات میں چار بیٹیوں کا تذکرہ موجود ہے۔ یہ روایت بھی ان ہی روایات میں سے ایک ہے۔

کی بہن ہالہ بنت خویلد کا بیٹا تھا۔ حضرت خدیجہؓ کو اپنے بھانجے سے بڑی محبت تھی اور انہوں نے رسول اکرمؐ سے عرض کی تھی کہ میں اپنی بیٹی کا نکاح اپنے بھانجے سے کروں گی۔ اسی لئے رسول خداؐ نے اپنی صاحبزادی کا عقد ابوالعاص سے کیا تھا۔ مکہ کے لوگوں نے ہر چند چاہا کہ ابوالعاص اپنی بیوی کو طلاق دیدے لیکن ایسا ممکن نہ ہوا۔ وہ زینبؓ کو بہت چاہتا تھا اس لئے کہتا تھا کہ میں ہرگز زینبؓ کو اپنے سے جدا نہیں کروں گا۔

زینبؓ اس گھر میں تھیں کہ ابوالعاص لشکر قریش میں شامل ہو کر جنگ بدر میں شریک ہوا اور مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوگیا۔

رسول اکرمؐ نے بدر کے قیدیوں سے فرمایا کہ وہ فدیہ دیں تو انہیں آزاد کردیا جائے گا۔

ابوالعاص نے اپنے گھر والوں کو پیغام بھیجا کہ وہ اس کی رہائی کے لئے فدیہ کی رقم روانہ کریں۔ ابوالعاص کی بیوی حضرت زینبؓ نے رقم کا بندوبست کیا لیکن وہ کیونکہ کافی نہیں تھی اسی لئے اپنی شادی کا وہ ہار بھی شوہر کے فدیے کے لئے روانہ کیا جو انہیں ان کی والدہ نے شادی کے وقت دیا تھا اور یہ وہی ہار تھا جو شب زفاف رسول اللہؐ نے حضرت خدیجہؓ کی گردن میں ڈالا تھا۔

رسول اکرمؐ نے جیسے ہی ابوالعاص کا فدیہ دیکھا تو آپ کو خدیجہؓ یاد آگئیں اور آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی جاری ہوگئی۔

آپ نے صحابہ سے فرمایا: میری بیٹی زینبؓ اس کسمپرسی میں ہے کہ اس نے اپنی ماں کی یادگار کو بھی اپنی گردن سے جدا کر کے فدیے کی رقم پوری کرنے کی کوشش کی ہے۔

مسلمانوں نے رسول اللہؐ کی گفتگو سنی اور وہ آنسو دیکھے جو آپ کے

رخساروں پر چمک رہے تھے تو کہا: ابوالعاص کے فدیے کا ہار ہم آپ کو دیتے ہیں اور ابوالعاص کو آزاد کرتے ہیں کیونکہ یہ آپ کی خواہش ہے اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ ہارؑ کو آپ کی بیٹی کو واپس کردیا جائے۔ چنانچہ اپنی خواہش پوری کیجئے۔ رسول اللہؐ نے اصحاب کے اس فیصلے پر ان کے لئے دعائے خیر کی۔ پھر آپ نے ابوالعاص سے فرمایا: تم آزاد ہو لیکن مکے جاتے ہی میری بیٹی زینبؓ کو میرے پاس مدینے روانہ کردو کیونکہ تم کافر ہو جبکہ زینبؓ مسلمان ہے اس لئے وہ تمہاری زوجیت میں نہیں رہ سکتی۔[۱]

(۲)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی لخت جگر حضرت فاطمہ زہراؑ کا حضرت علیؑ سے عقد کیا۔ نکاح کے بعد پورا ایک مہینہ گزر گیا مگر حضرت علیؑ نے رخصتی کے لئے کوئی درخواست نہ کی۔

رسول اکرمؐ کی ازواج نے حضرت علیؑ سے کہا: آپ بنت پیغمبر کی روانگی کی درخواست کیوں نہیں کرتے؟

حضرت علیؑ نے فرمایا: مجھے یہ درخواست کرتے ہوئے رسول اکرمؐ سے شرم آتی ہے۔

ازواج پیغمبر نے کہا: آپ کی طرف سے یہ درخواست ہم کریں گی۔

اس کے بعد ازواج پیغمبر، آنحضرتؐ کے گرد جمع ہوئیں اور حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! اگر آج خدیجہؓ زندہ ہوتیں تو فاطمہؑ کی رخصتی سے ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک محسوس ہوتی۔ علیؑ اپنی بیوی کی رخصتی کے خواہش مند ہیں اور آپ کی شہزادی کی رخصتی سے ہم سب کی آنکھوں کو ٹھنڈک محسوس ہوگی۔ آپ نے اس

۱۔ ناسخ التواریخ، ج۱، ص۲۷۰۔

کارخیر میں تاخیر کیوں کر رکھی ہے؟

رسول اکرمؐ نے جیسے ہی حضرت خدیجہؓ کا نام سنا تو آپ کے آنسو ٹپکنے لگے اور فرمایا: **واین مثل خدیجة صدقتنی حین کذبنی الناس و وازرتنی علیٰ دین اللّٰه و اعانتنی علیه بما لها.** خدیجہؓ کی مثال کون ہوسکتی ہے؟ جب لوگوں نے میری تکذیب کی تو اس وقت خدیجہؓ نے میری تصدیق کی اور اس نے اپنی دولت سے اللہ کے دین کی مدد کی۔

ام سلمہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! جب بھی آپ کے سامنے خدیجہؓ کا نام لیا جاتا ہے تو آپ انہیں یاد کر کے رو دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے ساتھ درجات بہشت میں جمع کرے گا۔

رسول خداؐ نے فرمایا: علیؑ اپنی زوجہ کی رخصتی کے لئے مجھ سے گفتگو کیوں نہیں کرتے؟

حضرت علیؑ نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! مجھے حیا مانع تھی۔

رسول خداؐ نے اپنی ازواج سے فرمایا: علیؑ و فاطمہؑ کے لئے ایک گھر مخصوص کیا جائے۔[1]

قریش کی اذیتیں

قریش کا ایک گروہ صحن کعبہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ ادھر ادھر کی گفتگو کے بعد انہوں نے رسول اکرمؐ کا تذکرہ کیا اور کہا: آج تک ہم نے کسی بات پر اتنا صبر نہیں کیا جتنا کہ ہم نے محمدؐ کے متعلق صبر سے کام لیا ہے۔ ایک عرصے سے محمدؐ ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہہ رہا ہے اور ہمیں اور ہمارے آباؤاجداد کو پاگل کہہ رہا ہے مگر

۱۔ ناسخ التواریخ، جلد اول، ص ۱۱۰۔

اس کے باوجود بھی ہم خاموش ہیں۔ ہماری یہ خاموشی کب تک جاری رہے گی؟

ابھی وہ اس گفتگو میں مصروف تھے کہ رسول اکرمؐ مسجدالحرام میں تشریف لائے اور آپ نے حجر اسود کو بوسہ دیا اور بیت اللہ کا طواف شروع کیا۔ طواف کے دوران آپ جب بھی ان کے پاس سے گزرتے تو وہ آپ کے متعلق بے ہودہ گفتگو کرتے۔ ان کی ناگفتہ بہ باتیں سن کر آپ کے چہرۂ اطہر کا رنگ متغیر ہوگیا مگر اس کے باوجود آپ خاموش رہے۔

جب آپ نے تیسرا چکر لگایا تو آپ نے فرمایا: اے قریش! خدا کی قسم مجھے تمہارے قتل کے لئے مبعوث کیا گیا ہے۔ (مقصد یہ ہے کہ اگر تم ایمان نہ لائے تو تم قتل ہو جاؤ گے۔)

آپ کی زبان سے جیسے ہی یہ الفاظ ادا ہوئے تو مشرکین کے دل لرز اٹھے اور انہوں نے آپ سے معذرت خواہی کی۔

دوسرا دن ہوا پھر وہی افراد صحن کعبہ میں جمع ہوئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے: عجیب بات ہے کہ ویسے تو ہم سب محمدؐ کے خلاف بڑھ چڑھ کر باتیں کرتے ہیں لیکن جب وہ ہمارے سامنے آتے ہیں تو ہم ان کے سامنے بھیگی بلی بن جاتے ہیں اور ان سے معذرت کرنے لگ جاتے ہیں۔ آج ہم سب عہد کریں کہ ہم محمدؐ سے ہرگز خوفزدہ نہ ہوں گے اور انہیں اذیت دیں گے۔

اس وقت رسول اکرمؐ صحن کعبہ میں تشریف لائے۔ جیسے ہی آپ نے صحن کعبہ میں قدم رکھا تو سب یکبارگی اٹھے اور آپ پر حملہ کردیا۔ انہوں نے آپ کے شہید کرنے کا ارادہ کرلیا اور وہ آنحضرتؐ کو مار بھی رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے: تیری یہ جرأت کہ تو ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہے اور ہمیں پاگل قرار دے؟

ایک شخص نے آپ کی گردن میں اپنی چادر زور سے لپیٹ دی جس کی وجہ سے آپ کو سانس لینا دوبھر ہوگیا۔[1]

ایک مرتبہ رسول خداؐ مسجد الحرام میں نماز پڑھ رہے تھے اور اس وقت ابوجہل اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ قریب ہی ایک اونٹ کی اوجھڑی پڑی ہوئی تھی۔ ابوجہل نے کہا: تم میں سے کوئی ایسا ہے جو یہ اوجھڑی اٹھائے اور جب محمدؐ سجدے میں جائیں تو ان کی پشت پر رکھ دے۔

عقبہ بن ابی معیط نے کہا: میں یہ کام کروں گا۔

پھر اس نے اونٹ کی اوجھڑی کو اٹھایا اور جب رسول اکرمؐ سجدے میں گئے تو اس نے غلاظت بھری اوجھڑی آپ کی پشت پر رکھ دی۔

یہ دلخراش منظر دیکھ کر مشرکین ہنسی سے لوٹ پوٹ ہونے لگے اور ایک دوسرے کو اس فعل پر مبارکباد دینے لگے۔

حضرت فاطمہ زہراؑ نے جب یہ سنا تو وہ دوڑتی ہوئی آئیں اور اپنے والد گرامی کی پشت سے غلاظت کو بصد مشکل دور کیا اور قریش کو بددعائیں دیں۔

راوی کا بیان ہے: پیغمبر اکرمؐ نے اس سے قبل قریش کو کبھی بددعا نہیں کی تھی مگر اس موقع پر آپ نے انہیں بددعا کی اور کہا: **اللّٰھم علیک بقریش.** خدایا! قریش سے انتقام لے۔

پھر آپ نے ابوجہل، عقبہ، امیہ بن خلف، ربیعہ، شیبہ، ولید بن عقبہ، عقبہ بن ابی معیط اور ابی بن خلف کا نام لے کر بددعا کی۔ جن کے متعلق آپ نے بددعا کی تھی وہ سب کے سب جنگ بدر میں قتل ہوئے۔[2]

۱۔ ناسخ التواریخ، جلد۳، ص۳۱۷ تا ۳۲۰۔

۲۔ بحار الانوار، ج۱۸، ص۲۰۹۔

سفر طائف

خانہ کعبہ کی وجہ سے لوگوں کی مکے میں ہمیشہ آمد و رفت رہا کرتی تھی اور ایام حج میں دور دراز سے لوگ آتے تھے جن میں مختلف قبائل کے رؤساء بھی شامل ہوتے تھے۔ رسول اکرمؐ رؤسائے قبائل سے ملاقات کرتے تھے اور ان سے مدد کا تقاضا کرتے تھے۔

آپ ان سے فرمایا کرتے تھے: تم مجھے صرف پناہ دو اور دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھو۔ میں تمہیں ایمان لانے پر مجبور نہیں کروں گا۔ جو ایمان لانا چاہے وہ لائے اور جو ایمان کا خواہش مند نہ ہو تو وہ آزاد ہے۔ تم لوگ میری مدد کرو تاکہ میں لوگوں تک خدا کا پیغام پہنچا سکوں۔

قبائل کے سرداروں میں سے کسی نے بھی آپ کو مثبت جواب نہ دیا اور اس کی بجائے وہ آپ سے یہ کہتے تھے کہ آپ کے رشتے دار آپ کو ہم سے زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ آپ کے رشتے دار آپ کو اذیت دیتے ہیں اور آپ کو پناہ نہیں دیتے تو آخر اس کا کوئی نہ کوئی سبب تو ضرور ہوگا۔

حضرت ابوطالبؑ کی وفات کے بعد رسول خداؐ دنیا میں بے سہارا ہو گئے اور آپ کو بے یارو مددگار دیکھ کر کفار کے حوصلے بڑھ گئے تھے۔ اس لئے رسول اکرمؐ کے لئے مکے میں رہنا دشوار ہو گیا۔ آپ اس امید پر طائف تشریف لے گئے کہ شاید قبیلہ ثقیف انہیں پناہ دیدے۔ آپ نے طائف میں قبیلہ ثقیف کے سرداروں میں تین بھائیوں سے ملاقات کی جن کے نام یہ ہیں:

(۱) عبدیالیل بن عمرو (۲) حبیب بن عمرو (۳) مسعود بن عمرو۔

آپ نے ان کے سامنے قریش کے مظالم کو تفصیل سے بیان کیا اور ان

سے پناہ کا تقاضا کیا لیکن مذکورہ تینوں افراد نے نہ صرف آپ کی مدد کرنے سے انکار کردیا بلکہ انہوں نے آپ سے دل آزار باتیں بھی کیں۔

ان میں سے ایک نے کہا: میں کعبے کے پردے چرانے والا بنوں اگر تو اللہ کا رسول ہو۔

دوسرے نے کہا: کیا خدا اتنا عاجز تھا کہ اسے تیرے علاوہ رسالت کے لئے کوئی اور شخص نہ مل سکا؟

تیسرے نے کہا: خدا کی قسم! میں تجھ سے کوئی بات کرنا پسند نہیں کرتا کیونکہ اگر بالفرض تو نبی ہوا تو تیرا مقام اس سے کہیں بلند ہے کہ میں تیرے سامنے گفتگو کروں اور اگر تو جھوٹا ہوا تو میرا مقام اس سے کہیں بلند ہے کہ میں تجھ سے گفتگو کروں۔

طائف کے ثقفی سرداروں نے اسی استہزا پر اکتفا نہ کیا۔ انہوں نے اپنے قبیلے کے اوباشوں کو ترغیب دی کہ وہ دو صفیں بنا کر آنحضرتؐ کے راستے میں کھڑے ہو جائیں اور جیسے ہی وہ ان کے درمیان سے گزریں تو انہیں پتھر ماریں۔

جب رسول اکرمؐ وہاں سے روانہ ہوئے تو راستے میں کھڑے ہوئے اوباشوں نے اس شدت سے آپ پر پتھر برسائے کہ آپ کی نعلین خون سے بھر گئی۔

آپ کو مجبوراً ایک باغ میں پناہ لینا پڑی۔ آپ تھکان اور زخموں سے چور تھے اور کچھ دیر کے لئے باغ میں ستانا چاہتے تھے۔ جب آپ باغ میں پہنچے تو آپ نے باغ میں ربیعہ کے بیٹوں عتبہ اور شیبہ کو دیکھا۔ مذکورہ دونوں افراد آنحضرتؐ کے بدترین مخالفوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ ان دونوں کو دیکھ کر آپ پریشان ہوئے اور آپ کی جبین پر ناگواری کے تاثرات ابھرے۔

عتبہ اور شیبہ نے جب آنحضرتؐ کو اس عالم میں دیکھا تو انہوں نے اپنے عیسائی غلام ''عداس'' کے ہاتھوں انگوروں کی کچھ مقدار آپ کے پاس بھیجی۔

عداس انگور لے کر آپ کے پاس آیا۔ آنحضرتؐ نے اس سے اس کا وطن دریافت کیا تو اس نے کہا: میں نینوا کا رہنے والا ہوں۔

آپ نے فرمایا: اچھا تم اسی شہر میں رہتے ہو جو خدا کے پاک بندے یونسؑ بن متی کا شہر ہے؟

عداس نے کہا: آپ یونسؑ کو کیسے پہچانتے ہیں؟

پیغمبر اکرمؐ کسی کو بھی اتنا کم اہم نہیں سمجھتے تھے کہ اسے تبلیغ دین نہ کریں۔ چنانچہ فرمایا: میں خدا کا پیغمبر ہوں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے حضرت یونسؑ کے حالات سے مطلع کیا ہے۔ پھر آپ نے عداس کو حضرت یونسؑ کی زندگی کے چیدہ چیدہ واقعات سنائے۔

عداس نے جیسے ہی آپ کی زبان اقدس سے حضرت یونسؑ کے حالات سنے تو وہ سجدے میں گر گیا اور سجدے کے بعد اس نے اپنے آپ کو آنحضرتؐ کے قدموں پر گرا دیا اور آپ کے زخمی قدموں کو بوسے دینے لگا۔

عتبہ اور شیبہ یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ جب وہ واپس آیا تو انہوں نے عداس سے کہا: تو نے محمدؐ کو سجدہ کیوں کیا اور اس کے پیر کیوں چومے جبکہ ہم تیرے مالک ہیں، آج تک تو نے نہ تو ہمیں سجدہ کیا اور نہ ہی ہمارے قدموں کو چھوا؟

اس نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک پاکباز انسان ہے اور اس نے حضرت یونسؑ بن متی کے متعلق جو کچھ کہا بالکل صحیح ہے۔

نصرانی غلام کی یہ بات سن کر دونوں بھائی کھلکھلانے لگے اور انہوں نے اس سے کہا: خیال رکھنا! کہیں محمدؐ تجھے نصرانیت سے علیحدہ نہ کردے۔ یہ بڑا حیلہ گر شخص ہے (نعوذ باللہ)۔

پیغمبر اکرمؐ کے سفر طائف کو ناکام نہیں کہا جاسکتا کیونکہ اس سفر میں آپ

نے ایک انسان کو اسلام کی طرف رہنمائی کی۔ طائف سے مایوس ہو کر آپ مکے آئے کیونکہ آپ عمرہ کرنا چاہتے تھے لیکن مکے کے حالات ناسازگار تھے۔ آپ کسی کی پناہ کے بغیر مکے میں داخل نہیں ہو سکتے تھے۔ آپ نے ایک مسلمان قریشی سے فرمایا کہ تم اخنس بن شریق کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ محمدؐ چاہتا ہے کہ تم اسے پناہ دو تا کہ وہ عمرہ کر سکے کیونکہ اس نے عمرے کا احرام باندھا ہوا ہے۔

اخنس نے جواب میں معذرت کرتے ہوئے کہا: میں قریشی نہیں ہوں۔ میں ان کا حلیف ہوں اور یہاں کے دستور کے مطابق کوئی حلیف کسی کو پناہ نہیں دے سکتا اور اگر بالفرض میں نے پناہ دیدی اور قریش نے میری پناہ کو اہمیت نہ دی تو یہ بات میرے لئے رسوائی کا سبب بن جائے گی۔ قاصد نے آپ کو اخنس کا جواب پہنچایا۔

رسول خداؐ نے جو کہ زید بن حارثہ کے ساتھ کوہ حرا کے ایک درے میں چھپے ہوئے تھے، اپنے قاصد سے فرمایا: تم سہیل بن عمرو کے پاس جاؤ اور اس سے ہمارے لئے پناہ کا تقاضا کرو۔

آپ کا قاصد سہیل کے پاس گیا مگر سہیل نے آپ کو پناہ دینے سے انکار کر دیا اور کہا: میں یہ کام نہیں کروں گا۔

پھر آپ نے اپنے قاصد کو مطعم بن عدی کے پاس بھیجا اور اس سے پناہ کا تقاضا کیا۔

مطعم نے قاصد سے کہا: محمدؐ کہاں ہیں؟

قاصد اسے آپ کے مقام سے مطلع کرنا پسند نہیں کرتا تھا اسی لئے اس نے کہا: بس وہ یہیں نزدیک ہی موجود ہیں۔

مطعم بن عدی نے قاصد سے کہا: ان سے جا کر کہہ دو کہ میں نے انہیں پناہ دیدی ہے۔ وہ بے خوف ہو کر آئیں اور طواف کریں۔

مطعم نے اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو جمع کر کے کہا: میں محمدؐ کو پناہ دے چکا ہوں۔ تم ہتھیار سجالو اور ان کی نگہبانی کرو۔

پیغمبر اکرمؐ مکے میں داخل ہوئے اور مسجد الحرام میں تشریف لائے۔

ابوجہل نے آپ کو دیکھا تو اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا: وہ دیکھو! آج محمدؐ تنہا ہے اس کا مددگار اس جہان سے جاچکا ہے۔ (ابوطالبؑ کی طرف اشارہ تھا) آج تم جو چاہو اس کے ساتھ سلوک کر سکتے ہو۔

مطعم کے بھائی طعیم نے ابوجہل سے کہا: چچا! اس سے آگے کچھ نہ کہنا۔ میرے بھائی مطعم نے انہیں پناہ دی ہے۔

یہ سن کر ابوجہل مطعم کے پاس گیا اور کہا: کیا تو نے محمدؐ کو پناہ دی ہے؟

اس نے کہا: جی ہاں۔

ابوجہل نے کہا: اگر محمدؐ تیری پناہ میں ہے تو کسی کو بھی اسے اذیت دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔

رسول خداؐ عمرہ کے مناسک ادا کر کے مطعم کے پاس گئے اور اس سے فرمایا: تو نے مجھے پناہ دے کر اچھا کام کیا ہے۔ اب مجھ سے اپنی پناہ واپس لے لے اور آزاد کردے۔

مطعم بن عدی نے کہا: کیا آپ میری پناہ سے رنجیدہ ہیں؟

آپ نے فرمایا: نہیں! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ میں ایک دن سے زیادہ کسی مشرک کی پناہ میں نہیں رہنا چاہتا۔

مطعم نے اعلان کیا: اے لوگو! سن لو۔ میں نے محمدؐ سے اپنی پناہ واپس لے لی ہے اور وہ میری نگہبانی سے نکل چکا ہے۔[1]

۱۔ بحار الانوار، جلد ۱۹، ص ۷۰۔

جب آنحضرتؐ کی پیشانی زخمی اور دانت شہید ہوئے

ہجرت کے تیسرے سال جنگ احد واقع ہوئی۔ جنگ کی ابتدا میں مسلمانوں کو کامیابی نصیب ہوئی اور کفار بھاگ گئے۔ جب مسلمانوں نے کفار کو فرار ہوتے ہوئے دیکھا تو وہ ان کا مال لوٹنے میں مصروف ہوگئے۔ دوسرے مسلمانوں کو مال غنیمت کی لوٹ میں مصروف دیکھ کر درہ کوہ پر متعین تیراندازوں نے بھی درے کو چھوڑ دیا اور وہ بھی مال غنیمت لوٹنے میں مصروف ہوگئے۔

خالد بن ولید نے جب درے کو خالی دیکھا تو وہ اپنی فوج کو لے کر درے سے داخل ہوا اور مسلمانوں پر عقب سے حملہ کردیا۔ اس وقت مسلمانوں کی صفیں ٹوٹ چکی تھیں۔ اس اچانک افتاد سے وہ گھبرا گئے اور میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس ہنگامہ دار وگیر میں لشکر اسلام میں سے صرف چودہ افراد ثابت قدم رہے۔

مشرکین آنحضرتؐ کو شہید کرنے کے لئے بڑھ چڑھ کر حملے کرنے لگے۔ عبداللہ بن قمئہ نے لشکر اسلام کے علمدار مصعب بن عمیر پر حملہ کیا اور انہیں شہید کردیا۔ ان کی شہادت کے بعد ابن قمئہ نے رسول خداؐ پر پتھر برسائے اور ان میں سے ایک پتھر حضرت کی پیشانی پر لگا جس سے آپ کے خود کے کچھ حلقے آپ کی پیشانی میں گڑ گئے، آپ کی پیشانی سے خون جاری ہوگیا اور آپ کے گلے تک آپہنچا۔ آپ اپنی چادر سے خون پونچھ کر اپنے سر اور چہرے پر لگاتے تھے اور چاہتے تھے کہ آپ کے خون کا کوئی قطرہ زمین پر نہ گرنے پائے کہ مبادا زمین پر خدا کا عذاب نازل نہ ہو۔

اس عالم میں بھی آپ فرما رہے تھے: **کیف یفلح قوم شجّوا نبیھم وھو یدعوھم الی اللہ تعالیٰ**؟ وہ قوم کیسے فلاح پاسکتی ہے جس نے اپنے نبی کو

زخمی کیا جبکہ وہ انہیں اللہ کی طرف بلاتا ہے۔

عبداللہ بن شہاب نے بھی آنحضرتؐ کو پتھر مارا جس سے آپ کی کہنی زخمی ہوگئی۔ عتبہ بن ابی وقاص بھی مسلسل پتھر مارنے میں مصروف تھا کہ اچانک ایک پتھر آنحضرتؐ کے لب و دندان پر لگا جس سے آپ کا نچلا ہونٹ زخمی ہوا اور آپ کے دانت شہید ہوئے۔

اس وقت آپ نے فرمایا: **اشتد غضب اللّٰه علی قوم فعلوا هذا بنبیه اشتد غضب اللّٰه علی قوم دموا وجه نبی اللّٰه.** ان لوگوں پر اللہ کا شدید غضب ہوگا جنہوں نے اللہ کے نبی سے یہ سلوک کیا۔ اللہ کا غضب ان لوگوں پر نہایت سخت ہوگا جنہوں نے اللہ کے نبی کا چہرہ زخمی کیا۔

اس کے ساتھ آپ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ روئے زمین پر اللہ کا عذاب نازل ہو۔ اسی لئے آپ یہ الفاظ بھی کہتے تھے: **اللّٰھم اغفر لقومی فانھم لا یعلمون.** اے اللہ! میری قوم کی مغفرت فرما کیونکہ وہ کچھ نہیں جانتے۔

جبرئیل امینؑ نے رسول اکرمؐ کے چہرے سے خون کے قطرے اپنے ہاتھوں میں لئے اور کہا: میں اس خون کو جنت میں لے جاؤں گا، حوران جنت اس سے اپنے چہرے پر غازہ ملیں گی اور کہا کہ اگر اس خون ناحق کا ایک قطرہ بھی زمین پر گر گیا تو زمین قیامت تک اللہ کی رحمت سے محروم ہو جائے گی۔

اس کے بعد جبرئیل امینؑ نے کہا: آپ اپنا دانت میرے حوالے کریں میں اس کی حفاظت کروں گا اور اسے اپنے پاس تعویز بنا کر رکھوں گا۔

رسول خداؐ نے فرمایا: میں اس دانت کو اپنے پاس محفوظ رکھوں گا اور جب قیامت کا دن ہوگا تو میں اپنا شکستہ دانت اپنے ہاتھ میں لے کر آؤں گا اور جب اللہ تعالیٰ انبیاء سے کہے گا کہ تمہاری امتوں نے میری نافرمانی کی تو میں اس وقت

بارگاہ احدیت میں عرض کروں گا کہ خدایا! میری امت نے بھی میرے دانت شہید کئے تھے مگر میں نے معاف کر دیا۔ خدایا! تو تو میرا بھی خالق ہے، تو بھی انہیں معاف کر دے۔

کفار نے آنخضرتؐ کو شہید کرنے کے لئے تابڑ توڑ حملے کئے اور تلواروں سے آپ پر ستر مرتبہ حملہ کیا گیا لیکن ہر بار اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت کرتا رہا۔ اس دوران ابن قمئہ یا عتبہ نے پیغمبر اکرمؐ کے پہلو پر تلوار کا وار کیا۔ آپ نے دو زرہیں پہنی ہوئی تھیں اسی لئے تلوار کا کوئی اثر نہ ہوا البتہ حملے کی وجہ سے آنخضرتؐ گھوڑے پر سنبھل نہ سکے اور گر پڑے۔

ابو عامر اور دوسرے کفار نے جنگ سے قبل گڑھے کھود کر ان کے منہ پر گھاس پھونس ڈال دی تھی۔ جب آنخضرتؐ گھوڑے سے زمین پر گرے تو آپ ایک گڑھے میں جا گرے جس کی وجہ سے آپ کے زانو زخمی ہوئے۔ اس وجہ سے اصحاب پیغمبر اکرمؐ کو نہ دیکھ سکے اور ابن قمئہ نے خیال کیا کہ اس کے زخم لگانے سے پیغمبر قتل ہو چکے ہیں۔

اسکے بعد ابن قمئہ نے آنخضرتؐ کے گھوڑے کو پکڑ کر اعلان کر دیا کہ میں نے محمدؐ کو قتل کر دیا ہے۔ (نعوذ باللہ) شیطان نے ابن قمئہ کی آواز میں اسی اعلان کو بلند آواز سے دہرایا اور جیسے ہی مسلمانوں نے یہ اعلان سنا تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔

بالآخر حضرت علیؑ، رسول اکرمؐ کو ڈھونڈتے ہوئے اس گڑھے پر تشریف لائے جہاں آپ گرے ہوئے تھے۔ آپ نے ہاتھ بڑھا کر آنخضرتؐ کو سہارا دیا اور انہیں گڑھے سے باہر نکالا۔

جب آنخضرتؐ کی شہادت کی خبر مدینے پہنچی تو پیغمبر اکرمؐ کے گھرانے کی چودہ محترم خواتین گھر سے نکل کر میدان کی طرف آئیں۔ حضرت فاطمہؑ ان سب

سے آگے تھیں۔ جب انہوں نے اپنے والد ماجد کو زخمی حالت میں دیکھا تو ان کا سر اطہر اپنے زانو پر رکھا اور رونے لگیں۔ حضرت زہراؑ کو روتا دیکھ کر رسول اکرمؐ کے بھی آنسو نکل پڑے۔ حضرت علیؑ اپنی سپر میں پانی بھر کر لاتے اور حضرت زہراؑ، رسول اکرمؐ کے سر اور چہرے سے خون صاف کرتی تھیں۔ جب سیدہؑ نے دیکھا کہ خون رکنے میں نہیں آ رہا تو چٹائی کے ٹکڑے کو جلایا اور اس کی راکھ آنحضرتؐ کے زخموں پر لگائی جس کی وجہ سے خون کا بہنا بند ہوگیا۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے بوسیدہ استخوان کا دھواں لیا جس کی وجہ سے زخم کے نشانات ختم ہو گئے۔[1]

قریش کے مطالبات

جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو اعلانیہ تبلیغ رسالت کا حکم دیا تو آپ نے مسجد الحرام میں حجر اسماعیلؑ کے پاس قریش کے گروہ سے فرمایا: اے گروہ قریش! میں تمہیں لا الہ الا اللہ کہنے اور اپنی نبوت کے اقرار کی دعوت دیتا ہوں اگر تم نے میری بات مان لی اور یہ گواہی دی تو تم عرب وعجم پر حکومت کرو گے اور تمہارا مقام جنت میں ہوگا۔

حاضرین نے رسول اکرمؐ کی زبان سے جیسے ہی یہ پیغام سنا تو انہوں نے آپ کا مذاق اڑایا اور کہنے لگے: محمدؐ دیوانہ ہوگیا ہے۔ (نعوذ باللہ)

حضرت ابوطالبؑ کی وجہ سے وہ آپ کو زیادہ اذیتیں دینے سے قاصر تھے۔ آخرکار جب وہ آپ کی تبلیغ سے تنگ آ گئے تو وہ آنحضرتؐ کے چچا ابوطالبؑ کے پاس گئے اور ان سے کہا: ہم آپ کے پاس آپ کے بھتیجے کی شکایت لے کر آئے ہیں۔ آپ کا بھتیجا ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہتا ہے۔ ہمارے نوجوانوں کو

۱۔ ناسخ التواریخ، جلد اول، نقل باختصار ص ۳۳۲ و ۳۷۸۔

ان کے آبائی عقائد سے منحرف کر رہا ہے۔ وہ ہمارے درمیان تفرقہ ڈال رہا ہے۔ ہم آپ کے ذریعے سے یہ پیشکش کرنے آئے ہیں کہ اگر وہ یہ سب کچھ غربت و افلاس کی وجہ سے کررہا ہے تو ہم اسے قریش کا دولت مند ترین فرد بنادیں گے۔ اگر وہ کسی حسین و جمیل عورت سے شادی کا خواہش مند ہے تو ہم اس کا مطلوبہ جگہ پر رشتہ کرانے پر بھی تیار ہیں۔ لیکن آپ اسے اس تبلیغ سے منع کردیں۔

حضرت ابوطالبؑ، رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

بھتیجے! آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟

رسول اکرمؐ نے فرمایا: میں لوگوں کو اللہ کے دین کی دعوت دیتا ہوں اور لوگوں سے تقاضا کرتا ہوں کہ وہ اللہ کی وحدانیت اور میری رسالت پر ایمان لائیں۔

ابوطالبؑ نے عرض کیا: آپ کی قوم میرے پاس یہ مطالبہ لے کر آئی ہے کہ آپ اس کام سے باز رہیں۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: چچا جان! یہ ممکن نہیں ہے۔ میں خدا کے فرمان کی تبلیغ سے باز نہیں رہ سکتا۔[1]

ایک اور روایت میں مذکور ہے کہ قریش نے کہا کہ اگر آپ کا بھتیجا غربت و افلاس کی وجہ سے ایسا کر رہا ہے تو ہم اسے عرب کا سب سے بڑا سرمایہ دار بنانے پر آمادہ ہیں اور اسے اپنا بادشاہ مقرر کرتے ہیں۔

حضرت ابوطالبؑ نے جب قریش کی یہ پیشکش رسول اکرمؐ کے سامنے رکھی تو آنحضرتؐ نے فرمایا: اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی رکھ دیں تو میری نظر میں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوگی۔ انہیں میری بات قبول کر لینی چاہئے اور اگر انہوں نے میری بات مان لی تو وہ عرب و عجم کے

۱۔ بحار الانوار، جلد ۱۸، ص ۱۸۰۔

بادشاہ بن جائیں گے اور ان کا مقام جنت الفردوس میں ہوگا۔

ابوطالبؑ نے قریش سے کہا: میرا بھتیجا چاہتا ہے کہ تم اس کی ایک بات مان لو اور اس کے عوض عرب وعجم کی شاہی لے لو اور جنت میں اپنا مقام بنالو۔

جب قریش نے یہ بات سنی تو کہا: ایک نہیں ہم دس باتیں ماننے پر آمادہ ہیں۔ آپ محمدؐ کو لے آئیں ہم ان سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ وہ ہم سے کون سی بات منوانے کے خواہش مند ہیں؟

حضرت محمد مصطفیٰؐ تشریف لائے اور فرمایا: تم لا الہ الا اللّٰہ کا اقرار کرو اور اس کے ساتھ میری رسالت کی گواہی دو۔

آنحضرتؐ کی یہ بات سن کر قریش کے نمائندہ وفد نے کہا: ہمیں کیا پڑی ہے کہ تین سو ساٹھ خدا چھوڑ کر ایک خدا کی عبادت کریں؟

علامہ امینی الغدیر کی جلد ہفتم صفحہ ۳۵۹ پر رقم طراز ہیں:

قریش کی درخواست کے بعد ابوطالبؑ نے آنحضرتؐ سے عرض کیا: قریش نے مجھ سے اس طرح کے مطالبات کیئے ہیں۔ آپ اپنی اور میری جان کو خطرے میں نہ ڈالیں۔

پیغمبر اکرمؐ نے چچا کے جملوں سے یہ مفہوم مراد لیا کہ اب ان کا چچا بھی ان کی حمایت سے دست کش ہو رہا ہے۔ اس وقت آپ نے فرمایا: چچا جان! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ کر بھی مجھ سے یہ مطالبہ کریں کہ میں حکم خدا کو چھوڑ دوں تو بھی میں نہیں چھوڑوں گا۔ یہاں تک کہ یا تو خدا اس دین کو کامیابی دے گا یا پھر میں اس راہ میں قتل ہو جاؤں گا۔

اس کے بعد رسول اکرمؐ رونے لگے اور چچا کے پاس سے اٹھ کر جانے لگے۔ جیسے ہی آپ نے گھر سے باہر قدم رکھا تو ابوطالبؑ نے آپ کو آواز دے کر واپس بلایا۔ جب آپ واپس تشریف لائے تو ابوطالبؑ نے عرض کیا: جان عم! جاؤ

جو کچھ بھی تمہیں کہنا ہو شوق سے کہو۔ خدا کی قسم میں تمہیں کبھی تنہا نہیں چھوڑوں گا۔

جب قریش نے دیکھا کہ ابوطالبؑ اپنے بھتیجے کی حمایت پر کمربستہ ہیں تو وہ اپنے ساتھ ولید بن مغیرہ کے بیٹے "عمارہ" کو لے کر آئے اور ابوطالبؑ سے کہا: یہ "عمارہ" ہے۔ یہ قریش کا نہایت مہذب اور خوبصورت جوان ہے۔ ہم اسے آپ کے پاس لے آئے ہیں۔ آپ اسے اپنے پاس رکھیں اور اسے بیٹا بنالیں۔ اس کے عوض اپنا بھتیجا محمدؐ ہمارے سپرد کردیں کیونکہ اس نے ہمارے آباؤاجداد کے دین میں رخنہ ڈالا ہے۔ ہم اسے قتل کردیں گے۔

حضرت ابوطالبؑ نے کہا: خدا کی قسم! تم نے بہت برا سودا سوچا ہے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ میں تمہارے بیٹے عمارہ کو پالوں اور اس کی پرورش کروں اور اس کے عوض تم میرے بھتیجے کو قتل کردو؟

مطعم بن عدی نے کہا: ابوطالبؑ! تمہاری قوم بہترین فیصلہ کر کے آئی ہے اور تمہاری قوم یہ چاہتی ہے کہ تم انہیں روز روز کی مصیبت سے نجات دلاؤ۔ تمہیں اپنی قوم کی پیشکش قبول کرلینی چاہیئے۔

حضرت ابوطالبؑ نے کہا: ان لوگوں نے ہرگز انصاف نہیں کیا اور اس وقت تو بھی ان کی حمایت کر رہا ہے۔ تم لوگ اس طرح کے مطالبے کر کے مجھے خوار کرنا چاہتے ہو۔ (اور ایسا ناممکن ہے)۔[1]

ابوجہل کی ایک اور داستان

ابوجہل اکثر و بیشتر لوگوں سے کہا کرتا تھا کہ خدا کرے کسی دن محمدؐ کا مجھ سے کوئی کام پڑ جائے۔ اگر ایسا ہو جائے تو میں سب سے پہلے محمدؐ کا مذاق اڑاؤں گا اور اس کی حاجت بھی پوری نہ کروں گا۔

۱۔ الغدیر، ج۷، ص۳۵۹۔

ایک مرتبہ یہ اتفاق ہوا کہ ابوجہل نے ایک اعرابی سے اونٹ خریدا۔ اونٹ حاصل کرنے کے بعد اس نے اونٹ کی قیمت دینے سے انکار کردیا۔ اعرابی قریش کی مجلس میں آیا اور ان سے کہا کہ عمرو بن ہشام (ابوجہل) نے مجھ سے اونٹ خریدا ہے اور اب وہ اس کی قیمت دینے پر آمادہ نہیں ہے۔ خدا کے لئے اس سے میرے اونٹ کی قیمت دلاؤ۔

حاضرین کو مذاق سوجھا اور انہوں نے اسے پیغمبر اکرمؐ کے پاس بھیجا۔ اس طرح وہ چاہتے تھے کہ آنحضرتؐ سے مذاق کریں کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ رسول اللہؐ اس کام کی قدرت نہیں رکھتے کہ ابوجہل سے اس عرب کا حق دلوائیں کیونکہ آپ کا کوئی حمایتی نہ تھا۔

اعرابی رسول اکرمؐ کے دروازے پر آیا اور انہیں اپنا دکھڑا سنایا۔ اعرابی کی بات سن کر رسول خداؐ اس کے ساتھ چل پڑے اور ابوجہل کے دروازے پر تشریف لائے۔ آپ نے ابوجہل کے دروازے پر دستک دی اور جیسے ہی وہ آیا تو آپ نے فرمایا: اے ابوجہل! اس اعرابی کو اونٹ کی رقم ادا کرو۔

یہ پہلا موقع تھا کہ جب آنحضرتؐ نے اسے ابوجہل کے نام سے پکارا تھا اور حضرت کی زبان سے نکلا ہوا یہ لفظ اس کی تاحیات کنیت بن گیا۔

ابوجہل نے جیسے ہی رسول خداؐ کا فرمان سنا تو فوراً سر جھکا کر گھر میں چلا گیا اور چند ہی لمحات میں اس نے اعرابی کو اس کے اونٹ کی قیمت ادا کردی۔ اس کے بعد رسول اکرمؐ اپنے گھر چلے گئے۔

جب ابوجہل کے ساتھیوں نے یہ منظر دیکھا تو انہوں نے اس سے کہا: تو نے یہ کیا کیا؟ تو تو کہا کرتا تھا کہ خدا کرے کبھی محمدؐ میرے دروازے پر کسی حاجت کے سلسلے میں آئے اور تو ان کا مذاق اڑائے گا اور ان کی حاجت کو پورا نہیں کرے گا۔ کیا آج تو محمدؐ سے ڈر گیا تھا؟

ابوجہل نے کہا: دوستو! بات یہ ہے کہ میں جیسے ہی گھر سے باہر آیا تو میں نے دیکھا کہ محمدؐ کے دائیں جانب بہت سے ہتھیار بند افراد موجود تھے اور محمدؐ کے بائیں طرف دو بڑے بڑے اژدہے تھے جن کی آنکھوں سے چنگاریاں سی نکل رہی تھیں۔ میں نے سوچا کہ اگر میں نے کوئی بھی نازیبا حرکت کی تو مسلح افراد اور اژدہے مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔[1]

الغدیر — یا مذاہب باطلہ کو مٹانے والا سیل بلاخیز

''الغدیر کے صفحات سقیفہ کے اسرار کو واضح کرتے ہیں۔''

''سقیفہ کے دن سے خاندان نبوت کی عظمت پر جو گرد کی تہہ ڈالی گئی تھی، الغدیر نے اس گرد کی تہوں کو صاف کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔''

''الغدیر نے حقانیت شیعہ کے مستند اسناد و مدارک پیش کر کے جہان عالم و دانش میں اپنا لوہا منوایا۔''

''علامہ امینی نے سالہا سال کی جستجو کے بعد الغدیر تصنیف فرمائی اور اس کے ساتھ یہ اعلان کیا کہ اس کے بعد شیعوں کو استدلال و مباحثہ کے لئے کسی دوسری کتاب کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔''

کتاب ہذا کے آئندہ حصوں میں ہم نے الغدیر سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کیا ہے اس لئے ہم نے اس صفحے کو اس عظیم القدر کتاب کے تعارف کے لئے مخصوص کیا ہے اور اس کے ساتھ رب العالمین سے ملتمس دعا ہیں کہ وہ علامہ مرحوم کے درجات عالیہ میں مزید اضافہ فرمائے اور امت اسلامیہ کو ان کی اس عظیم کتاب سے مستفید ہونے کی سعادت عطا فرمائے۔ آمین۔

موسیٰ خسروی

۱۔ بحار الانوار، جلد ۱۸، ص ۲۳۷ بحوالہ مناقب شہر ابن آشوب۔

ملک الشعراء صبا کی زبانی ہماری بحث کا خلاصہ

بسی نامہ دیدم بعمر خود اندر ۔ زہر نامہ ای قصہ ہا دارم ازبر
ز ابلیس کز کینہ زد راہ آدم ۔ ز قابیل کو ریخت خون برادر
ز نمرود کز کفر و طغیان و نخوت ۔ بآذر در افکند فرزند آذر
ز دیوی کہ خاتم ربود از سلیمان ۔ بحیلت جہانی شد اُو را مسخر
ز رنجی کہ آمد سرائیلیاں را ۔ بہ بیت المقدس در از بخت نصر
ز تہمت کہ بستند بر دخت عمران ۔ بہر زہ درایی جہودان ابتر
ندیدم دل آزار تر زان حدیثی ۔ کہ بیگانہ بگرفت جای پیمبر
شما ای فلان و فلان دین حق را ۔ بدادید خیرہ بہ محراب و منبر
بہ بستید در بر خداوند خانہ ۔ گشا دید برروی بیگانگان در
نہ از قولتان حجتی دیدہ مومن ۔ نہ از تیغتان ضربتی دیدہ کافر
ہمہ کارہای علی بود در دین ۔ درخشندہ چونانکہ در چرخ اختر
ز راز علی ہر دو بودید آگہ ۔ زرہ بردتان لیک دیو فسونگر
ببردید ناحق حق دخت احمد ۔ بکردار زشت و بفعل مزور
شد از کینتان ریختہ خون قربیٰ ۔ ز امت نہ این بود اجر پیمبر
ز خونی کہ شد ریختہ زال احمد ۔ شمائید آویختہ روز محشر

نزیبد بجای ہمای ہمایوں نشستہ سیہ زاغ باحال منکر
بجای نبی من علی را شناسم بجای علی نیز شبیر و شبر
علی راست صولت علی راست ہمت
علی راست فخر و علی راست منظر

میں نے اپنی زندگی میں بہت سی کتابیں پڑھی ہیں اور ہر کتاب سے مجھے کئی قصے یاد ہیں۔

مجھے آدمؑ و ابلیس کا قصہ یاد ہے اور مجھے قابیل کا قصہ بھی یاد ہے جس نے بھائی کا ناحق خون بہایا۔

مجھے نمرود کے کفر و تکبر و سرکشی کی داستانیں بھی یاد ہیں اور جو سلوک آذر نے ابراہیمؑ کے ساتھ کیا تھا وہ بھی مجھے اچھی طرح سے یاد ہے۔

جس دیو نے حضرت سلیمانؑ کی انگوٹھی ہتھیا کر جہان پر حکومت کی تھی، مجھے اس کا قصہ بھی یاد ہے۔

بیت المقدس میں بخت نصر نے جو سلوک اسرائیلیوں سے کیا تھا، مجھے اس سلوک کا بھی علم ہے۔

بدبخت یہودیوں نے جو مریمؑ بنت عمران پر تہمت تراشی تھی اور ان کے متعلق انہوں نے جو بیہودہ گفتگو کی تھی، مجھے وہ تمام باتیں ازبر ہیں۔

ان تمام واقعات سے جس واقعے نے میرے دل پر زیادہ اثر کیا ہے وہ یہ ہے کہ ایک بیگانہ پیغمبر اکرمؐ کی مسند پر بیٹھ گیا۔

اے فلاں و فلاں تم نے محراب و منبر میں دین حق کو ایک عجیب انداز میں پیش کیا۔

تم نے گھر کے مالک پر گھر کے دروازے بند کر دیئے اور بیگانوں کے لئے دروازے کھول دیئے۔

آج تک تمہارے قول سے کسی مومن کو حجت نہ مل سکی اور نہ ہی کسی کافر پر تمہاری تلوار چلی۔

دین کے سارے کاموں میں علیؑ پیش پیش رہے اور علیؑ ہی دین کا روشن ستارہ ہے۔

تم دونوں علیؑ کے مقام سے اچھی طرح واقف تھے لیکن تم نے چالاکی سے ان کا مقام ہتھیالیا۔

تم نے غلط کردار اور جھوٹے افعال سے دختر پیغمبر کے حق پر قبضہ کیا۔

تمہارے کینے کی وجہ سے آل محمدؐ کا خون بہا۔ امت کے لئے اجر پیغمبر یہ قرار نہیں دیا گیا تھا۔

آل محمدؐ کے جتنے بھی خون بہے ہیں قیامت کے دن تمہیں اس کا جواب دینا ہوگا۔

بابرکت ''ہما'' کی جگہ پر کالا کوا اچھا نہیں لگتا۔

میں علیؑ کو ہی نبی کا قائم مقام سمجھتا ہوں اور حسنؑ و حسینؑ کو علیؑ کا جانشین سمجھتا ہوں۔

دلیری، بہادری، فخر و بلندی علیؑ کو ہی زیب دیتی ہے۔

باب چہارم

وفات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دین میں تبدیلی

قارئین کرام نے پچھلے صفحات میں ملاحظہ کیا ہوگا کہ رسول اکرمؐ نے پوری زندگی مشرکین سے اذیتیں اٹھائیں مگر تبلیغ اسلام سے نہ رُکے۔ ایک غلام کی ہدایت کے لئے آپ نے طائف کا پُرخطر سفر کیا اور بنی ثقیف کے اوباشوں سے پتھر کھائے مگر ایک غلام کو حق و صداقت کا راستہ دکھانے میں کامیاب ہوئے۔ اس حصے میں آپ کامل توجہ سے دیکھیں گے کہ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اسلام کے حقیقی وارثوں کو مسند رسول پر نہ آنے دیا گیا اور چند اقتدار پرست افراد کے گروہ نے اقتدار پر قبضہ کرلیا۔

کتنا افسوس کا مقام ہے کہ حضور اکرمؐ کی وہ دن رات کی زحمات اور مجاہدین اسلام کی وہ فداکاری اور جانبازی اور وہ سب سعادت وخوش بختی کی بنیاد جو پیغمبر اسلامؐ کے ہاتھوں رکھی گئی تھی، صرف ایک محدود گروہ کی ہوس رانی کی بھینٹ چڑھ گئی۔ مکتب حق و حقیقت بند کردیا گیا اور پیغمبر اسلامؐ کی تبلیغات و اثرات سے الٹا نتیجہ حاصل کیا گیا۔

اس سے ایسا لگتا ہے کہ انہوں نے پیغمبر اسلامؐ کے حیات بخش احکامات اور زندہ قرآن کی تعلیمات سے کوئی فائدہ حاصل نہ کیا۔ چنانچہ اسلام کی حیات بخش

تعلیمات کی روح ناشائستہ افراد کے آگے آنے سے نابود ہوگئی اور آہستہ آہستہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ یزید جیسے کو امیر المومنین اور خلیفہ پیغمبر کہا گیا۔

اہلسنت کے علماء نے جانشینی پیغمبر کے لئے شرائط کا دائرہ اتنا وسیع کر دیا کہ یزید تک جانشین پیغمبر گردانا گیا۔

اب ہم ثبوت کے طور پر چند بزرگان علمائے اہلسنت کی اس بارے میں گفتگو کا تذکرہ کرتے ہیں:

علامہ امینی الغدیر کی جلد ہفتم صفحہ ۱۳۶ پر باقلانی کی کتاب تمہید کے صفحہ ۱۸۱ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ باقلانی نے لکھا:

اگر کوئی شخص یہ دریافت کرے کہ تمہارے نزدیک جس امام کی بیعت کی جائے اس کے اوصاف و شرائط کیا ہونے چاہئیں؟ تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ ہمارے نزدیک امام کے لئے حسب ذیل اوصاف کا حامل ہونا ضروری ہے:

۱۔ امام کا تعلق قبیلۂ قریش سے ہونا چاہئے۔

۲۔ اس کے پاس ایک قاضی جتنا علم ہونا چاہئے۔

۳۔ جنگی امور میں اسے اتنی شدبد ہونی چاہئے کہ وہ لشکروں کو روانہ کر سکے اور مسلمانوں کی حدود سلطنت کی حفاظت کر سکے اور ظالم سے مظلوم کی دادرسی کر سکے۔

اس کے بعد باقلانی لکھتے ہیں:

امام کے لئے معصوم اور گناہوں سے پاک ہونا ضروری نہیں ہے، امام کے لئے علم غیب سے مطلع ہونا بھی غیر ضروری ہے اور امام کے لئے یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ وہ اپنے وقت کے تمام لوگوں سے زیادہ عقل مند اور بہادر شمار ہوتا ہو۔ علاوہ ازیں امام کے لئے بنی ہاشم میں سے ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔

باقلانی کتاب تمہید کے صفحہ ۱۸۶ پر لکھتے ہیں:

تمام محدثین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ امام کو فسق وظلم اور غصب اموال اور مسلمانوں کو ناحق قتل کرنے اور حقوق کے ضائع کرنے اور حدود الٰہی جاری نہ کرنے کی بنا پر امامت سے معزول نہیں کیا جاسکتا اور اس کے خلاف خروج کرنا حرام ہے۔ البتہ جب امام سے کوئی خلاف شرع فعل سرزد ہو تو اسے نصیحت کرنی چاہئے کیونکہ ہمارے پاس رسول خداؐ اور صحابہ کی طرف سے ایسی بہت سی روایات پہنچی ہیں جن میں ہمیں امام کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اگرچہ وہ ظالم ہو اور لوگوں کا مال ان سے چھین کر اپنے قبضے میں کرلیتا ہو۔

اس تمہید کے بعد باقلانی نے اس مفہوم کی چند روایات بھی نقل کی ہیں جن میں سے ایک روایت یہ ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا:

اطعهم وان اكلوا مالك و ضربوا ظهرك و اطيعوهم ما اقاموا الصلاة. اسمعوا واطيعوا ولو لعبد اجدع ولو لعبد حبشي وصلوا وراء كل برو فاجر. اپنے ائمہ کی اطاعت کرو اگرچہ وہ تمہارا مال کھا جائیں اور تمہاری پشت پر ناحق تازیانے برسائیں اور جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں اس وقت تک تم ان کی اطاعت کرو۔ اپنے ائمہ کا فرمان سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تمہارا امام ناک کٹا ہوا غلام کیوں نہ ہو اور اگرچہ تمہارا امام حبشی غلام کیوں نہ ہو اور ہر نیک اور بدکار کے پیچھے نماز پڑھو۔[1]

تفتازانی شرح مقاصد میں لکھتے ہیں:

امام کے لئے ہاشمی اور معصوم ہونا ضروری نہیں ہے۔ اسی طرح سے امام کے لئے رعیت سے افضل ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔

۱۔ نقل از غدیر، ج ۷، ص ۱۳۹۔

صفحہ ۲۷۲ پر لکھتے ہیں: اگر ایک امام دنیا سے رخصت ہو جائے اور اس کے بعد کوئی ایسا شخص امامت پر قبضہ کرلے جس میں امامت کی شرائط موجود ہوں اگرچہ لوگوں نے اس کی بیعت نہ کی ہو اور سابق امام نے بھی اس کی امامت پر نص نہ کی ہو پھر بھی وہ خلافت کا صحیح حقدار ہے۔ اسی طرح اگر امام فاسق اور نادان ہو تو ہم اس کے فسق و فجور کے کاموں میں شرکت نہیں کریں گے مگر اس کے باوجود ہم امام کی اطاعت پر قائم رہیں گے، امام خواہ عادل ہو یا فاسق اس کے احکام کی اطاعت کریں گے۔

قاضی ایجی نے اپنی کتاب ''مواقف'' میں امام کی چند شرائط لکھنے کے بعد لکھا ہے:

بعض لوگ امام کی شرائط کے لئے کہتے ہیں:

۱۔ امام کے لئے ضروری ہے کہ اس کا تعلق قریش سے ہو۔

۲۔ صرف قریشی ہونا ہی کافی نہیں بلکہ ہاشمی ہونا ضروری ہے۔ یہ شرط شیعہ عائد کرتے ہیں۔

۳۔ امام کے لئے ضروری ہے کہ وہ دین کے تمام مسائل کو جانتا ہو۔ یہ شرط بھی امامیہ عائد کرتے ہیں۔

۴۔ امام کے لئے صاحب اعجاز ہونا ضروری ہے تاکہ معجزہ کے ذریعے سے وہ اپنی امامت کا اثبات کرسکے۔ یہ شرط ''غلاۃ'' کی عائد کردہ ہے۔

قاضی ایجی ''مواقف'' میں کہتے ہیں کہ ہم شروع کی ان تینوں شرائط کو مسترد کرتے ہیں اور ہم دلیل میں ابوبکرؓ کی خلافت کو پیش کرتے ہیں کیونکہ ابوبکرؓ خلیفہ تھے لیکن ان میں مذکورہ تینوں شرائط موجود نہیں تھیں۔ (یعنی وہ نہ تو ہاشمی تھے اور نہ ہی دین کے تمام مسائل کو جانتے تھے اور نہ ہی وہ صاحب اعجاز تھے۔)

امامیہ اور اسماعیلیہ نے پانچویں شرط کا اضافہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ امام کو معصوم ہونا چاہئے۔

ہماری نظر میں یہ شرط بھی باطل ہے کیونکہ ابوبکرؓ خلیفہ تھے لیکن آج تک کسی نے ان کی عصمت کا دعویٰ نہیں کیا۔

قاضی ماوردی احکام سلطانیہ میں لکھتے ہیں:

اہل علم کا اس امر میں اختلاف ہے کہ خلافت کے لئے کم از کم کتنے افراد کی بیعت کی ضرورت ہے؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کے لئے تمام شہروں کے اہل حل وعقد کا جمع ہونا ضروری ہے تاکہ خلافت پر تمام کی رضامندی ثابت ہو سکے اور عوام مسلمین اس کی خوشی سے اطاعت کرسکیں۔ مگر یہ عقیدہ باطل ہے کیونکہ ابوبکرؓ سقیفہ میں موجود افراد کی بیعت سے ہی امام بن گئے تھے۔ انہوں نے غائب لوگوں کے آنے کا انتظار نہیں کیا تھا۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ خلافت کے انعقاد کے لئے پانچ افراد کی بیعت ضروری ہے یا ایک ایسے شخص کی بیعت سے بھی خلافت مل سکتی ہے جب بیعت کرنے والا شخص چار دوسرے افراد کی نمائندگی کر رہا ہو۔ اس موضوع کے اثبات کے لئے ہمارے پاس دو دلیلیں موجود ہیں:

ا۔ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت پانچ افراد کی بیعت سے قائم ہوئی تھی اور وہ افراد یہ تھے: (۱) عمرؓ بن خطاب (۲) ابوعبیدہ بن جراح (۳) اسید بن حضیر (۴) بشر بن سعد (۵) سالم آزاد کردہ ابوحذیفہ۔

اس کے بعد دوسرے لوگوں نے ان پانچ کی متابعت میں ہی حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کی تھی۔

۲۔ حضرت عمرؓ نے انتخاب خلیفہ کیلئے چھ ارکان پر مشتمل شوریٰ تشکیل دی تھی اور کہا تھا کہ ان میں سے ایک باقی پانچ کی رضامندی سے خلیفہ بنے گا۔

علمائے اہلسنت کی مذکورہ آراء نقل کرنے کے بعد علامہ امینی لکھتے ہیں:

یہ وہ شرائط ہیں جنہیں اہلسنت امام اور جانشین پیغمبر کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اہلسنت کی نظر میں امام کا مقام ایک سلطان سے زیادہ نہیں ہے جو تدبیر لشکر کرتا ہے اور ظالم کو تنبیہ کر کے اس سے مظلوم کو حق دلاتا ہے اور حدود کا اجراء کرتا ہے۔

اہلسنت کی نظر میں امام کے لئے باقی رعایا سے زیادہ عقل مند ہونا ضروری نہیں ہے اور امام کا باقی رعایا سے زیادہ صاحب علم ہونا بھی ضروری نہیں ہے بلکہ امام کے لئے کسی قاضی کی طرح متوسط معلومات کا حامل ہونا ہی کافی ہے۔

اہلسنت کے عقیدے کے مطابق فسق و فجور اور غصب اموال اور قتل ناحق کی بنا پر امام کو معزول کرنا بھی صحیح نہیں ہے اور سنی عقیدے کے تحت امام نیک ہو یا بدکار، اس کی اطاعت ہر صورت میں ضروری ہے۔

جی ہاں! جب خلافت کے لئے یہ شرائط مقرر ہوئے اور ان شرائط کے تحت نااہل افراد مسند خلافت پر آئے تو انہوں نے خدا و رسول کے احکام کے مقابلے میں اپنے احکام جاری کئے اور مسلمانوں کا منہ بند کرنے کے لئے محدثین سے پہلے ہی اس طرح کی احادیث تیار کرائی جا چکی تھیں کہ خلیفہ کے خلاف بات کرنا حرام ہے اور اس کی اطاعت ہر حالت میں ضروری ہے۔ اسی لئے جب نااہل مسند خلافت پر آئے تو انہیں کوئی بھی شخص روکنے والا نہ تھا اور کسی میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی جرأت نہیں تھی۔

حکمران طبقے نے اپنے خوشامدی محدثین سے اس طرح کی جھوٹی احادیث

تیار کر کے مسلمانوں میں پھیلا رکھی تھیں کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا تھا:

''میرے بعد بہت سے واقعات پیش آئیں گے اور ان حالات میں جو شخص بھی اٹھ کر لوگوں میں اختلاف ڈالے تو اسے بے دریغ تلوار کے ساتھ قتل کر دو تا کہ جو ہو رہا ہے وہ ہوتا رہے۔''

جب لوگوں میں اس طرح کی جھوٹی احادیث پھیلا دی گئیں تو اس سے حکمران طبقے کی قوت میں اضافہ ہوا اور انہوں نے اپنے ہر مخالف کو یہ کہہ کر واجب القتل قرار دیا کہ اس شخص کا خون بہانا حدیث کی رو سے واجب ہے اور پھر حالات نے یہ رخ اختیار کیا کہ جس منبر پر محمد مصطفیٰؐ بیٹھتے تھے اس پر ''طلقاء'' کا نمائندہ معاویہ بیٹھنے لگا۔ اس نے مسجد کوفہ میں لوگوں سے اس بات پر بیعت لی کہ وہ علیؑ سے بیزاری اختیار کریں گے۔

جی ہاں! ایسی ہی خودساختہ احادیث کی وجہ سے عبداللہ بن عمرؓ، یزید بن معاویہ شراب خوار کی بیعت کو خدا و رسولؐ کی بیعت کے نام سے یاد کرتا تھا۔

ایک مرتبہ اسود بن یزید نے بی بی عائشہؓ سے کہا: کیا آپ کو یہ دیکھ کر تعجب نہیں ہوتا کہ ''طلقاء'' سے تعلق رکھنے والا (معاویہ) خلافت کے متعلق اصحاب محمد (مراد حضرت علیؑ) سے جھگڑا کر رہا ہے؟

بی بی عائشہؓ نے کہا: مجھے تعجب کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ حکومت و سلطنت خدا کی دین ہے۔ وہ نیک افراد کو بھی حکومت دیتا ہے اور فاسق افراد کو بھی حکومت دیتا ہے۔ فرعون چار سو سال تک ملک مصر کا حاکم بنا رہا۔

عبدالرحمٰن بن خالد کا قتل

معاویہ چاہتا تھا کہ وہ اپنے بیٹے یزید کو اپنا ولی عہد نامزد کرے۔ اس نے

اس کے لئے میدان صاف کرنے کے لئے ایک حربہ استعمال کیا۔ اس نے شام کے معززین کو جمع کر کے کہا: میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری موت کا وقت قریب آ چکا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ایک شخص کا انتخاب کر کے جاؤں تاکہ تمہارے امور منظّم رہیں۔ تم لوگ مجھے مشورہ دو کہ میں کس کا انتخاب کروں۔

اہل شام نے کہا: اگر آپ انتخاب کرنا چاہتے ہیں تو پھر خالد بن ولید کے بیٹے عبدالرحمٰن کو منتخب کریں۔

یہ سن کر معاویہ کو سخت صدمہ پہنچا اور اس نے اپنے دل میں ٹھان لیا کہ کسی نہ کسی طرح سے عبدالرحمٰن کا پتہ صاف کرنا ہے۔

ایک دن عبدالرحمٰن کو ہلکا سا بخار ہوا تو معاویہ نے اپنے یہودی طبیب کو اس کے پاس بھیجا کہ وہ اسکی عیادت کے بہانے جائے اور اسے زہر دیدے۔

طبیب عیادت کے بہانے گیا اور اس نے اسے دوائی دی کہ وہ اس کی دوائی کھالے تاکہ صحتیاب ہو جائے۔

دوائی میں زہر ملا ہوا تھا۔ جیسے ہی عبدالرحمٰن نے دوائی کھائی تو اس کی طبیعت بگڑ گئی اور وہ مر گیا۔

اس کے مرنے کا اس کے بھائی مہاجر بن خالد کو سخت صدمہ ہوا اور وہ یہودی طبیب کی تاک میں رہا اور جلد ہی اسے موقع مل گیا۔ یہودی طبیب معاویہ کے پاس سے نکل کر گھر کی طرف جا رہا تھا کہ مہاجر نے اسے جالیا اور اپنے بھائی کے انتقام میں اسے قتل کردیا۔

جی ہاں! دربار خلافت کے ایما پر بننے والی احادیث کی وجہ سے ہی شمر لعین بھی اپنے آپ کو بے گناہ سمجھتا تھا۔

ابواسحاق کا بیان ہے کہ امام حسین علیہ السلام کا قاتل شمر لعین ہمارے ساتھ نماز پڑھتا تھا اور نماز کے بعد وہ کہتا تھا کہ خدایا! تو صاحب شرافت ہے اور صاحبان شرافت کو تو پسند کرتا ہے۔ تو خود جانتا ہے کہ میں بھی صاحب شرافت انسان ہوں۔ مجھے بخش دے۔

میں (راوی) نے اسے کہا: تو امام حسینؑ کا قاتل ہے۔ خدا تجھے کبھی معاف نہیں کرے گا۔

شمر نے کہا: میں نے اپنی مرضی سے تو حسینؑ کو قتل نہیں کیا تھا۔ مجھے میرے حکام نے ان کے قتل کرنے کا حکم دیا تھا اور حکام کی خلاف ورزی کرنا حرام ہے۔ اگر میں حکمرانوں کا فرمان تسلیم نہ کرتا تو میں گدھے سے بھی بدتر ہوتا۔[1]

اس حصے کے آئندہ صفحات میں آپ یہ پڑھیں گے کہ سقیفہ کا حادثہ اچانک رونما نہیں ہوا تھا اس کے لئے کئی سالوں سے منصوبہ بندی کی گئی تھی اور ارباب سقیفہ نے ایک عرصے سے اپنے اقتدار کے منصوبے بنا رکھے تھے۔ ان میں حضرت علی علیہ السلام کے سے فضائل و مناقب موجود نہیں تھے اسی لئے انہوں نے مختلف قسم کے حیلوں بہانوں سے اقتدار کے سرچشمے تک رسائی حاصل کی۔

حضرت علی علیہ السلام کی ہر کامیابی دشمن کو تیر کی طرح سے چبھتی تھی۔ حضرت علیؑ کا فاتح خیبر ہونا، عمرو بن عبدوُد کا قاتل ہونا، شوہر بتولؑ ہونا اور آپ کا حضرت ابوبکرؓ سے سورۂ توبہ کی آیات لے کر حج میں تبلیغ کرنا اور.....اور.....اور......
یہ سب کچھ ان کے سیاسی رقیبوں کی نگاہوں میں کانٹے کی طرح سے کھٹکتا تھا۔

۱۔ یہاں علامہ امینی کی گفتگو اختتام کو پہنچتی ہے۔ از الغدیر، ج ۷، ص ۱۴۷۔

نبی و وصی کی طویل سرگوشی

جس وقت رسول اکرمؐ نے لشکر اسلام کے ساتھ طائف کا محاصرہ کیا ہوا تھا تو اس دوران آپ نے حضرت علیؑ کو کچھ سپاہی دے کر طائف کے اطراف میں روانہ کیا کہ وہ بت کدوں کو ختم کریں۔

حضرت علیؑ بت خانوں کو ویران کرنے کے لئے روانہ ہوئے۔ قبیلہ خثعم کے افراد جوانوں کا دستہ لے کر مزاحمت کے لئے آئے۔ دونوں طرف سے لشکر ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوئے اور لشکر کفار میں سے ایک پہلوان باہر آیا اور اس نے مبارز طلبی کی۔ آپ کی فوج میں سے کوئی بھی سپاہی اس کے مقابلے کے لئے نہ نکلا۔ جب آپ نے دیکھا کہ کوئی بھی سپاہی کافر پہلوان کے مقابلے پر جانے کے لئے آمادہ نہیں تو پھر آپ ہی اس کے مقابلے کے لئے بڑھے۔

ابوالعاص بن ربیع داماد پیغمبر نے عرض کیا: آپ سالار لشکر ہیں کسی اور کو حکم دیں یہ اچھا نہیں ہے کہ امیر لشکر کسی کے مقابلے پر جائے اور لشکر تماشہ دیکھے۔

آپ نے فرمایا: جب کوئی فوجی میدان میں جانے پر آمادہ نہ ہو تو پھر یہ ذمہ داری سالار لشکر پر ہی عائد ہوتی ہے اور اگر بالفرض میں اس جنگ میں شہید ہو جاؤں تو میری جگہ تم اس لشکر کے امیر ہو گے۔

پھر آپ میدان میں گئے اور کافر پہلوان کو تیغ سے دو ٹکڑے کر دیا۔ اس کے گرتے ہی کفار کے لشکر کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ میدان سے بھاگ نکلے۔

علی علیہ السلام نے کسی خوف و خطر کے بغیر اس علاقے کے بت خانے مسمار کئے اور ثقیف و ہوازن کے بتوں کو ریزہ ریزہ کیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر آپ رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رسول خداؐ کی نظر جیسے ہی آپ پر

پڑی تو آپ نے اللہ اکبر کہا اور پھر علیؑ کو اپنے قریب بلایا اور اپنے خیمے میں بیٹھے ہوئے باقی افراد کو باہر بھیج دیا اور ایک طویل وقت تک آپ حضرت علیؑ سے راز و نیاز کی باتیں کرتے رہے۔

عمرؓ بن الخطاب اس طویل سرگوشی سے بے چین ہو گئے اور کہا: یارسول اللہؐ! آپ نے اپنے اصحاب کو دور کر دیا اور علیؑ سے طویل سرگوشی شروع کر دی۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: **ما انا انتجیته و لکن اللّٰہ انتجاہ.** میں نے اس سے سرگوشی نہیں کی بلکہ اللہ نے اس سے سرگوشی کی۔

رسول اکرمؐ کا یہ جواب سن کر معترض کی بے چینی میں مزید اضافہ ہوا۔ چنانچہ کہا: **ھذا کما قلت لنا یوم الحدیبیة لتد خلن المسجد الحرام ان شاء اللّٰہ امنین فلم ندخله فصددنا عنه فناداہ رسول اللّٰہ لم اقل لکم انکم تدخلونه ذلک العام.** آپ کا یہ فرمان بھی اسی فرمان کی طرح سے ہے جیسا کہ آپ نے ہم سے حدیبیہ کے سال کہا تھا کہ انشاء اللہ تم بے خوف ہو کر مسجد الحرام میں داخل ہو جاؤ گے۔ مگر ہم داخل نہیں ہو سکے تھے۔

رسول اکرمؐ نے باآواز بلند فرمایا: میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ تم اسی سال مسجد الحرام میں داخل ہو گے۔ البتہ تم بعد میں داخل ہو گئے۔ اس سے میرا فرمان تو سچا ثابت ہو گیا۔

حضرت علی علیہ السلام نے مجلس شوریٰ میں حاضرین کو واسطہ دے کر فرمایا تھا: **ونشدتکم باللّٰہ ھل منکم احدنا جاہ رسول اللّٰہ یوم الطائف؟ فقال ابوبکر و عمر ناجیت علیاً دوننا. فقال لھما النبیؐ ما انا ناجیته بل اللّٰہ امرنی بذلک، غیری.** میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم میں سے میرے علاوہ کوئی ایسا بھی ہے جس کے ساتھ طائف کے دن رسول اکرمؐ نے

سرگوشی کی ہو؟ اور جب ابوبکرؓ وعمرؓ نے کہا کہ یا رسول اللہؐ! آپ نے ہمیں دور رکھ کر علیؑ کے ساتھ طویل سرگوشی کی، تو رسول خداؐ نے ان سے فرمایا تھا کہ میں نے اپنی طرف سے اس سے سرگوشی نہیں کی بلکہ اللہ نے مجھے اس کا حکم دیا۔

اگر ہم سقیفہ کے تمام علل و اسباب کا جائزہ لیں تو بات بہت لمبی ہو جائے گی۔ ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے اسلام و مسلمین کے لئے جتنی خدمات سرانجام دیں تو حاسدوں کا حسد بھی اتنا ہی بڑھتا گیا اور انہوں نے اپنے جذبۂ حسد سے مجبور ہو کر یہ فیصلہ کرلیا کہ وہ ہر قیمت پر علیؑ کو پیچھے رکھیں گے۔ حسد کے یہ شعلے اعلان غدیر کے بعد اور زیادہ بھڑک اٹھے تھے کیونکہ غدیر خم پر رسول اکرمؐ نے ایک بڑے مجمع میں انہیں اپنا جانشین اور اہل ایمان کا مولا نامزد کیا تھا۔

خطبہ غدیر کے بعد ارباب سقیفہ کی سرگرمیوں میں اور تیزی پیدا ہوئی۔ رسول خداؐ کی زندگی کے آخری ایام میں دو مرتبہ منافقین نے آپ کی جان لینے کی بزدلانہ کوشش کی تھی۔ ایک مرتبہ جنگ تبوک سے واپسی پر ایک پہاڑی درے کے قریب کچھ منافق رات کے وقت چھپ کر بیٹھ گئے تھے اور انہوں نے رسول خداؐ کے ناقہ کو بدکانے کی کوشش کی تھی جس میں انہیں کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی۔

دوسری مرتبہ اعلان غدیر کے بعد بھی منافقین نے اپنا پرانا حربہ آزمایا تھا۔ جب رسول اکرمؐ مکہ سے واپس مدینہ آ رہے تھے تو "ھرشی" نامی گھاٹی میں کچھ منافقین آ کر آپ کی تاک میں بیٹھ گئے تھے۔ جب آنحضرتؐ اس گھاٹی کے قریب پہنچے تو آپ نے حذیفہ بن یمانؓ سے فرمایا کہ وہ اونٹ کی مہار کو پکڑے اور عمار یاسرؓ سے فرمایا کہ وہ پیچھے سے اونٹ کو ہنکائے۔ جب آپ گھاٹی کی چوٹی پر پہنچے تو منافقین کونوں کھدروں سے نکلے اور انہوں نے آپ کے اونٹ کو بھگانے کی کوشش کی۔

رسول اکرمؐ نے سواری سے فرمایا: **اسکنی ولیس علیک بأس.** پرسکون رہ، تجھے کوئی اذیت نہ پہنچے گی۔

اللہ تعالیٰ کے حکم سے اونٹ نے فصیح عربی زبان میں کہا: **واللّٰہ یارسول اللّٰہ لا ازلت یداعن مستقر ولا رجلا عن موضع رجل وانت علی ظھری.** یارسول اللہؐ! خدا کی قسم جب تک آپ میری پشت پر موجود ہیں تو میں اپنے ہاتھ اور پاؤں کو اصلی جگہ سے ہرگز نہیں ہٹاؤں گا۔

جب منافقین نے دیکھا کہ اونٹ تو بدکنے سے رہا تو انہوں نے تلواریں نکال کر آپ پر حملہ کرنا چاہا مگر حذیفہ اور عمار نے انہیں بھگا دیا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

ام ابرموا امرا فانا مبرمون ام یحسبون انا لا نسمع سرھم و نجواھم بلی ورسلنا لدیھم یکتبون. تو کیا انہوں نے کسی کام کا محکم ارادہ کرلیا ہے تو ہم بھی اپنی بات کو محکم بنانے والے ہیں۔ یا ان کا خیال یہ ہے کہ ہم ان کے راز اور ان کی خفیہ باتوں کو نہیں سن سکتے؟ ہم تو کیا ہمارے نمائندے سب کچھ لکھ رہے ہیں۔ (زخرف: ۷۹و۸۰)

تفسیر برہان کی جلد چہارم کے صفحہ ۱۵۴ پر ائمہ طاہرینؑ سے اس مفہوم کی کچھ روایات مروی ہیں کہ یہ آیات منافقین اور ولایت علیؑ کے مخالفین کے متعلق نازل ہوئیں۔

ان روایات میں سے ایک روایت یہ ہے کہ ابن عباسؓ نے کہا: رسول خداؐ نے مسلمانوں سے دو بار علیؑ کی جانشینی کے لئے عہد لیا تھا۔ ایک عہد تو اس وقت لیا جب آپ نے فرمایا تھا کہ تمہیں معلوم ہے کہ تمہارا ولی کون ہے؟ جواب میں صحابہ نے کہا تھا کہ خدا اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔ اس وقت آنحضرتؐ نے

علیؑ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ تمہارا ولی یہ ہے اور یہی صالح المومنین ہے۔

آپ نے دوسری بار مسلمانوں سے مقام غدیر پر عہد لیا تھا اور فرمایا تھا کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے۔

اس اعلان کے بعد منافقین نے آپس میں معاہدہ کیا کہ وہ خلافت کو پیغمبر کے خاندان میں کبھی نہیں آنے دیں گے اور انہیں خمس کی ادائیگی بھی نہیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو ان کے عہد و پیمان سے مطلع کیا اور اس وقت یہ آیت نازل کی: "ام ابرموا امرا فانا مبرمون."

اس کے بعد حضرت علیؑ کی خلافت کے مخالفین ایک جگہ جمع ہوئے اور انہوں نے ایک معاہدہ تحریر کیا جس میں انہوں نے لکھا کہ وہ پیغمبر کے بعد کسی قیمت پر علیؑ کو حکومت سپرد نہیں ہونے دیں گے۔ ان لوگوں نے اپنے معاہدے پر پورا پورا عمل کیا۔

اور اگر ان لوگوں کا پہلے سے یہ طے شدہ منصوبہ نہ ہوتا تو رسول خداؐ کو یوں بے گور و کفن چھوڑ کر سقیفہ میں نہ جاتے اور وہاں خلیفہ کا انتخاب نہ کرتے۔

اب ہم سقیفہ کے واقعات کو مدارک و مآخذ کے حوالہ جات سے نقل کرتے ہیں تاکہ ہمارے محترم قارئین خود ہی یہ اندازہ لگاسکیں کہ سقیفہ کا اجتماع اسلام کے فائدے کے لئے تھا یا اسلام کی جڑوں کو کاٹنے کے لئے منعقد کیا گیا تھا؟

سقیفہ بنی ساعدہ

پیغمبر اکرمؐ نے اپنی وفات کے قریب ایک لشکر تشکیل دیا جس کا سالار اسامہ بن زیدؓ کو مقرر کیا اور اس سے فرمایا: تم لشکر لے کر جاؤ اور شام کے قریب دشمن کی سرکوبی کرو۔

آپ نے اسامہؓ کو چار ہزار افراد کے لشکر کا امیر مقرر کیا جس میں مدینے کی تمام نامور شخصیات بالخصوص جن سے یہ اندیشہ ہوسکتا تھا کہ یہ لوگ حضرت علیؑ کے سیاسی حریف ثابت ہوں گے، ان سب کو لشکر اسامہؓ میں شامل کر کے مدینے سے باہر بھیج دیا۔

ماہ صفر کی اٹھائیس تاریخ بدھ کے دن آپ کی طبیعت زیادہ ناساز ہوئی اور آپ کو بخار اور شدید سر درد محسوس ہوا اور جمعرات کے دن اگرچہ آپ کی طبیعت بدستور ناساز تھی اس کے باوجود آپ نے اپنے ہاتھ سے پرچم باندھا اور اسامہؓ کے حوالے کیا اور اس سے فرمایا: **اغز بسم اللّٰہ وفی سبیل اللّٰہ فقاتل من کفر باللّٰہ.** اللہ کا نام لے کر اللہ کے منکروں سے اللہ کی راہ میں جنگ کرو۔

اسامہؓ نے بریدہ بن حصیبؓ کو علمدار لشکر مقرر کیا اور مدینے سے باہر جرف میں پڑاؤ ڈالا تاکہ تمام سپاہی جمع ہو جائیں تو وہ مدینے سے حرکت کرے۔

رسول اکرمؐ نے ابوبکرؓ بن ابی قحافہ، عمرؓ بن الخطاب، عثمانؓ بن عفان، سعد بن ابی وقاص، ابوعبیدہ بن جراح، سعید بن زید، قتادہ بن نعمان، سلمہ بن اسلم بن

جریش کے علاوہ سابقین اولین اور انصار کی سرکردہ شخصیات کو نام بہ نام لشکر اسامہؓ میں جانے کا حکم دیا۔

آپ لشکر اسامہؓ کی روانگی کے لئے اتنے حساس اور فکر مند تھے کہ آپ بار بار یہ جملے دہراتے تھے: **جهزوا جيش اسامة لعن الله من تخلف عنها.** اسامہؓ کے لشکر کو روانہ کرو جو اس سے پیچھے رہے اس پر خدا کی لعنت ہو۔

رسول خداؐ نے قیس بن سعد اور حباب بن منذر کو روانہ کیا کہ وہ جا کر لشکر کو روانہ کریں اور لوگوں سے کہیں کہ وہ فرمان پیغمبر کے متعلق کوئی سستی نہ کریں۔ وہ لوگ جو پہلے سے یہ طے کر چکے تھے کہ حضرت علیؑ کو اقتدار حکومت پر متمکن نہیں ہونے دیں گے تو وہ رسول خداؐ کی اس حکمت عملی کو سمجھ گئے کہ حضور اکرمؐ کی زندگی کے لمحات کم سے کم ہو رہے ہیں اور رسول خداؐ اسی لئے انہیں مدینے سے دور بھیج رہے ہیں تا کہ حضرت علیؑ کو کسی سیاسی حریف کا سامنا نہ کرنا پڑے اور وہ کسی تردد کے بغیر مسند خلافت سنبھال سکیں۔

حضرت علیؑ کے سیاسی حریف چاہتے تھے کہ نبی اکرمؐ کی حکمت عملی ناکام ہو جائے اسی لئے انہوں نے ایسے حیلے بہانے شروع کر دیئے تا کہ انہیں ان حساس اور فیصلہ کن لمحات میں مدینے سے باہر نہ جانا پڑے۔ اسی لئے ان لوگوں نے اسامہؓ بن زیدؓ کی سالاری پر تنقید کی اور کہا: اسامہؓ کل کا بچہ ہے یہ سابقین اولین کا سالار کیسے ہوسکتا ہے؟

جب رسول خداؐ نے ان لوگوں کے اس بہانے کو سنا تو آپ سخت بخار کے باوجود گھر سے باہر تشریف لائے۔ آپ نے سر پر پٹی باندھ رکھی تھی۔ آپ نے منبر پر بیٹھ کر فرمایا: اے مسلمانو! میں یہ کیسی باتیں سن رہا ہوں کہ تم لوگ اسامہؓ کی سالاری کی تحقیر کر رہے ہو۔ تم نے آج صرف اسامہؓ کو ہی سالاری کے قابل

نہیں سمجھا بلکہ تم نے اس سے پہلے جنگ موتہ کے موقع پر اس کے باپ زیدؓ پر بھی اعتراض کیا تھا۔ خدا کی قسم زیدؓ سالاری کے لائق تھا اور آج اس کا بیٹا اسامہؓ بھی سالاری کے قابل ہے۔

اس کے بعد آنحضرتؐ نے اسامہؓ کے متعلق لوگوں کو کچھ مزید سفارشات فرمائیں اور اس کے بعد آپ نے منبر چھوڑ دیا اور اپنے گھر آ گئے۔

اسامہؓ کے ساتھ جانے والے افراد دستہ دستہ بن کر آپ کے پاس آتے اور الوداع کر کے روانہ ہو جاتے۔ اس دن آپ شدید بیماری کی حالت میں لوگوں سے یہی کہتے رہے: اسامہؓ کے لشکر کو روانہ کرو۔

دوسرے دن اسامہؓ آپ سے الوداع کرنے کے لئے لشکر گاہ سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہ آپ کے سرہانے آ کر بیٹھا اور اس نے آپ کے ہاتھوں کا بوسہ دیا۔ اس وقت آپ کی تکلیف میں کچھ افاقہ ہو چکا تھا۔ آپ نے اس سے فرمایا: اغز علی برکة اللّٰه. جاؤ اور اللہ کی برکت کا سہارا لے کر جنگ کرو۔

اسامہؓ آپ کے پاس سے اٹھ کر لشکر گاہ آئے اور انہوں نے کوچ کا ارادہ کیا۔ مگر کچھ لوگوں نے مخالفت کی۔[1] ابوبکرؓ وعمرؓ و ابوعبیدہ بن جراح (سقیفہ کے اصل محرکین) اور ان کے دوستوں نے اسامہؓ سے کہا: تم جلدی نہ کرو کیونکہ آنحضرتؐ کی طبیعت انتہائی ناساز ہے۔ مدینے کو خالی نہیں چھوڑنا چاہئے۔ کسی وقت بھی کوئی بڑا حادثہ پیش آ سکتا ہے۔ اگر ایسا ہوا تو ہم اس کا تدارک نہ کر سکیں گے۔ آخر کار انہوں نے اپنے الفاظ سے لشکر کو روانہ نہ ہونے دیا۔

دوسری طرف سے آنحضرتؐ کے گھر سے بی بی عائشہؓ لحہ لحہ کی رپورٹ

۱۔ یہاں تک شیعہ و سنی روایات میں اختلاف نہیں ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے جیش اسامہ کو چلے جانے کی اس قدر تاکید کی۔ مگر کچھ لوگوں نے مخالفت کی ہے۔

بھیج رہی تھیں اور اپنے والد کو آنحضرتؐ کی طبیعت کے اتار چڑھاؤ سے مطلع کر رہی تھیں۔ بی بی عائشہؓ نے صہیب کو یہ پیغام دے کر روانہ کیا کہ اس مرض سے آنحضرتؐ کا جانبر ہونا نہایت دشوار ہے۔ لہذا ابوبکرؓ و عمرؓ و ابوعبیدہ کو مدینے آنا چاہیے لیکن انہیں آدھی رات کے بعد مدینے میں داخل ہونا چاہیے۔

صہیبؓ نے بی بی کا پیغام مذکورہ افراد کو پہنچایا۔ جیسے ہی صہیب نے انہیں یہ پیغام پہنچایا تو مذکورہ افراد صہیب کو لے کر اسامہؓ کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ آنحضرتؐ کی طبیعت انتہائی ناساز ہے۔ کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ ہم ایک بار اور دیکھ لیں اور پھر واپس آ جائیں؟

اسامہؓ نے ان سے کہا: تم مدینے ضرور جاؤ لیکن میں چاہتا ہوں کہ اس طرح جاؤ کہ کسی اور اطلاع نہ ہو۔

بہرنوع مذکورہ افراد رات کی تاریکی میں لشکرگاہ سے روانہ ہو کر مدینے آئے۔ اس دوران آنحضرتؐ کی طبیعت میں کچھ افاقہ آچکا تھا۔ آپ نے صبح کے وقت فرمایا: **قد طرق ليلتنا هذا المدينه شر عظيم.** آج رات مدینے میں ایک بڑی مصیبت پیش آئی ہے۔

حاضرین نے پوچھا: یارسول اللہؐ! کیا ہوا؟

آپ نے فرمایا: **ان الذين كانوا فى جيش اسامة قد رجع منهم نفريخالفون عن امرى الا انى الى الله منهم براء ويحكم نفذوا جيش اسامة. فلم يزل يقول ذلک حتى قالها مرات كثيرة.** آج رات لشکر اسامہؓ سے کچھ افراد میرے فرمان کی مخالفت کرتے ہوئے واپس آئے ہیں۔ ایسے افراد سے میں خدا کی بارگاہ میں بیزار ہوں۔ لشکر اسامہؓ کو روانہ کرو۔

آپ نے یہ جملے کئی بار دہرائے۔

آنحضرتؐ کی بیماری کے دنوں میں دستور تھا کہ جب بلالؓ اذان دیتے اور رسول خداؐ امامت کے قابل ہوتے تو آپ خود نماز پڑھاتے تھے اور اگر بیماری کی وجہ سے آپ مسجد جانے کے قابل نہ ہوتے تو حضرت علیؑ جماعت کراتے تھے۔

جیسے ہی دوسری صبح ہوئی تو بی بی عائشہؓ نے صہیب کو اپنے والد کے پاس بھیجا کہ رسول خداؐ کی طبیعت ناساز ہے وہ نماز نہیں پڑھا سکیں گے اور علیؑ بھی عیادت میں مصروف ہیں اسی لئے وہ بھی جماعت کی امامت نہیں کرائیں گے اور تم اس سنہری موقع کو ہاتھ سے مت گنواؤ اور لوگوں کو نماز پڑھاؤ اور تمہاری یہ نماز آئندہ کے لئے ایک دلیل و برہان کا کام دے گی۔

حضرت ابوبکرؓ مسجد میں آئے اور لوگوں سے کہا کہ مجھے رسول خداؐ نے نماز پڑھانے کا حکم دیا ہے۔ اتنے میں بلالؓ، رسول خداؐ کے گھر سے مسجد میں آئے تو انہوں نے لوگوں سے کہا: آپ لوگ صبر کریں تاکہ میں رسول اکرمؐ سے یہ بات پوچھ لوں۔

بلالؓ دروازۂ پیغمبر پر آئے اور زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ دستک کی آواز رسول خداؐ نے سنی تو فرمایا: دیکھو کیا معاملہ ہے؟

فضل بن عباسؓ نے دروازہ کھولا اور بلالؓ نے انہیں واقعہ کی اطلاع دی۔ فضلؓ نے رسول اکرمؐ کو واقعہ سے مطلع کیا۔

جب آنحضرتؐ نے یہ بات سنی تو فرمایا: **اقیمونی اقیمونی اخرجونی الی المسجد والذی نفسی بیده قد نزلت بالاسلام نازلة و فتنة عظیمة من الفتن.** مجھے سہارا دے کر کھڑا کرو اور مجھے مسجد لے جاؤ۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اسلام پر ایک آفت آئی ہے اور اسلام پر ایک بہت بڑی آزمائش آپڑی ہے۔

آپ نے سر پر پٹی باندھی اور علیؑ اور فضلؓ آپ کو کندھوں سے سہارا دے کر مسجد کی طرف لے گئے۔ آپ کے قدم زمین پر خط کھینچ رہے تھے۔ جب آپ مسجد میں تشریف لائے تو لوگ ادھر ادھر ہونے لگے۔ آنحضرتؐ نے دیکھا کہ ابوبکرؓ محراب میں کھڑے تھے اور ابوعبیدہ اور سالم ان کے دائیں بائیں کھڑے تھے۔

رسول اکرمؐ آگے بڑھے اور انہیں محراب سے ہٹا دیا اور خود محراب میں بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ آنحضرتؐ نے جیسے ہی نماز مکمل کی تو ابوبکرؓ کو وہاں نہ پایا۔

آپ نے فرمایا: تم ابوقحافہ کے فرزند اور اس کے ساتھیوں سے تعجب نہیں کرتے کہ میں نے انہیں اسامہؓ کے لشکر میں جانے کا حکم دیا اور انہیں شام کی طرف روانہ ہونے کا فرمان جاری کیا لیکن انہوں نے میرے فرمان کی مخالفت کی اور فتنہ بھڑکانے کیلئے مدینے چلے آئے۔ متوجہ رہو خدا انہیں ہی فتنے میں ڈالے گا۔

پھر آپ نے فرمایا: مجھے منبر پر بٹھاؤ۔ جب آپ منبر پر بیٹھ گئے تو فرمایا:

انی مخلف فیکم الثقلین ما ان تمسکتم بهما لن تضلوا ولن تزلوا، کتاب اللّٰہ وعترتی اهل بیتی، هما الخلیفتان فیکم و انهما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض، فاسئلکم بما خلفتمونی فیهما و لیذادن یومئذ رجال عن حوضی کما تذار الغریبة من الابل فتقول رجالی: انا فلان وانا فلان. فاقول: اما الاسماء فقد عرفت ولکنکم ارتددتم من بعدی فسحقًا لکم.

میں تمہارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ جب تک تم ان سے وابستہ رہو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے اور نہ ہی لغزش کھاؤ گے اور وہ ہیں اللہ کی کتاب اور میری عترتؑ اہلبیتؑ۔ یہ دونوں تمہارے درمیان میرے جانشین ہیں۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوں گے جب تک میرے پاس حوض کوثر پر نہ پہنچ جائیں۔ وہاں میں تم سے پوچھوں گا کہ تم نے ان دونوں کے ساتھ کیا سلوک کیا

تھا؟ اس دن میرے حوض سے کچھ افراد کو اسی طرح سے ہانکا جائے گا جس طرح سے اجنبی اونٹ کو گلے سے ہانکا جاتا ہے۔ اس وقت لوگ مجھ سے کہیں گے کہ میں فلاں ہوں، میں فلاں ہوں، میں کہوں گا کہ ان ناموں کو میں پہچانتا ہوں لیکن تم میرے بعد مرتد ہو گئے تھے۔ خدا تمہیں اپنی رحمت سے دور رکھے۔

اس گفتگو کے بعد پیغمبر اکرمؐ منبر سے نیچے اترے اور بیت الشرف میں تشریف لے گئے۔

یہاں تک کے واقعات ہم نے شیعہ کتابوں سے نقل کئے ہیں۔ اب آپ مشہور سنی عالم ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ کی زبانی یہ واقعات پڑھیں۔

ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ کی جلد سوم صفحہ ۹۶۰، طبع بیروت میں امیرالمومنینؑ کے فرمان اما فلانة فادر کھا رأی النساء وضغن غلافی صدرھا. (رہیں فلاں تو ان میں عورتوں والی کم عقلی آ گئی ہے اور لوہار کے کڑھاؤ کی طرح کینہ وعناد ان کے سینے میں جوش مار رہا ہے) کے ضمن میں لکھتے ہیں:

جب میں اپنے استاد شیخ ابو یعقوب یوسف بن اسماعیل لمعانی سے علم کلام پڑھا کرتا تھا تو میں نے ان سے حضرت علیؑ کے اس فرمان کے متعلق سوال کیا تو شیخ نے اس کا طویل جواب دیا اور استاد کے جواب کے جو الفاظ مجھے یاد رہے میں وہ الفاظ دہراؤں گا اور باقی الفاظ کا مفہوم اپنے لفظوں میں بیان کروں گا۔

(ابن ابی الحدید کے استاد کا بیان کردہ تمام مفہوم ہماری بحث سے مربوط نہیں ہے اسی لئے ہم اس میں سے بقدر ضرورت یہاں نقل کرتے ہیں)۔

شیخ ابو یعقوب نے کہا:

رسول اکرمؐ اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؑ کا بے حد احترام کیا کرتے تھے اور دختر کشی کے اس ماحول میں کوئی شخص یہ تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ ایک باپ اپنی

بیٹی سے اتنی محبت بھی کرسکتا ہے۔ آنحضرتؐ نے کئی بار اور مختلف مقامات پر کہا تھا کہ فاطمہؑ زمانے کی تمام عورتوں کی سردار ہے اور وہ بھی مریمؑ بنت عمران کی مانند معصوم ہے۔ جب قیامت کا دن ہوگا اور فاطمہؑ عرصہ محشر میں آئیں گی تو اس وقت ایک منادی ندا دے کر کہے گا: اے اہل محشر اپنی گردنیں جھکالو اور آنکھیں بند کرلو تاکہ فاطمہ بنت محمدؐ گزر سکیں۔ یہ حدیث احادیث صحیح میں سے ہے، ضعیف احادیث میں سے نہیں ہے۔ رسول خداؐ کا بیٹی سے یہ تمام برتاؤ بی بی عائشہؓ پر شاق گزرتا تھا۔ حضرت فاطمہؑ کو خدا نے بڑی عظمت عطا کی تھی کیونکہ رسول خداؐ نے اپنی مرضی سے اپنی صاحبزادی کا نکاح حضرت علیؑ سے نہیں کیا تھا۔ آپ کے نکاح پڑھنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے علیؑ و فاطمہؑ کا صیغہ عقد پڑھا اور ملائکہ کو اس کا گواہ بنایا۔ اس کے بعد رسول خداؐ نے سیدہؑ کا حضرت علیؑ سے نکاح پڑھا تھا۔

آنحضرتؐ نے متعدد بار یہ جملے فرمائے: **یؤذینی ما یؤذیھا و یغضبی ما یغضبھا و انھا بضعة منی.** جو چیز فاطمہؑ کو اذیت دے تو وہ مجھے اذیت دیتی ہے اور جو فاطمہؑ کو ناراض کرے وہ مجھے ناراض کرتا ہے۔ فاطمہؑ میرا ٹکڑا ہے۔

الغرض اس طرح کی تعظیم و توقیر سے بی بی کے حسد کے جذبات برانگیختہ ہوتے تھے۔ آنحضرتؐ نے اپنی صاحبزادی کا جتنا احترام کیا بی بی کے دل میں اتنی ہی جلن بڑھتی گئی اور فاطمہؑ کی وجہ سے بی بی ان کے شوہر علیؑ سے بھی کینہ رکھنے لگی تھیں۔

مدینے کی عورتیں بی بی عائشہؓ کی باتیں حضرت فاطمہؑ تک پہنچاتی تھیں اور بعض عورتیں حضرت فاطمہؑ کی باتیں بی بی عائشہؓ کے سامنے نقل کرتی تھیں۔ یہ سلسلہ اتنا بڑھا کہ حضرت فاطمہؑ نے سوتیلی ماں کی باتوں کی شکایت اپنے شوہر علیؑ سے کی اور بی بی عائشہؓ نے حضرت فاطمہؑ کے رویے کی شکایت اپنے والد ابوبکرؓ سے

کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ جانتی تھیں کہ اگر انہوں نے رسول اکرمؐ کے سامنے ان کی صاحبزادی کی شکایت کی تو وہ انہیں ڈانٹ دیں گے۔ اسی لئے انہوں نے رسول خداؐ سے شکایت کرنے کی بجائے حضرت ابوبکرؓ سے شکایت کرنے میں عافیت سمجھی اور بی بی کی مسلسل شکایات کی وجہ سے ابوبکرؓ کے دل میں بھی حضرت سیدہؑ اور علیؑ کے متعلق کینہ پیدا ہوگیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کدورت میں اضافہ ہوتا گیا کیونکہ پیغمبر اکرمؐ وقتاً فوقتاً علیؑ کے فضائل بیان کرتے تھے اور آپ ہمیشہ علیؑ کا احترام کیا کرتے تھے۔ بعد میں اسی کدورت نے حسد کی شکل اختیار کرلی۔ طلحہ بی بی عائشہؓ کے چچا کا بیٹا تھا اسی لئے اسے بھی اپنے خاندان کے افراد کی طرح سے علیؑ و فاطمہؑ سے خدا واسطے کا بیر تھا۔ بی بی عائشہؓ کو رسول خداؐ کی طرف سے علیؑ کا اتنا زیادہ احترام ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔

ایک مرتبہ رسول خداؐ، حضرت علیؑ سے راز و نیاز کی باتوں میں مصروف تھے کہ بی بی عائشہؓ سے برداشت نہ ہوسکا۔ آخرکار وہ ان دونوں کے درمیان آ کر بیٹھ گئیں اور کہنے لگیں: آپ حضرات کافی دیر سے کس چیز کے متعلق اتنی طولانی گفتگو کر رہے ہیں؟

ان رسول اللّٰہ غضب ذلک الیوم. بی بی عائشہؓ کی اس جسارت کی وجہ سے آنحضرتؐ غضب ناک ہوئے۔

بی بی عائشہؓ کو فاطمہؑ سے اس لئے بھی حسد تھا کہ رسول خداؐ ان کے فرزندوں کو اپنا بیٹا کہہ کر پکارتے تھے جبکہ بی بی عائشہؓ نعمت اولاد سے محروم تھیں۔

حسد و رشک کی یہ فضا مسلسل قائم رہی یہاں تک کہ رسول اکرمؐ بیمار ہوئے اور انہوں نے بی بی عائشہؓ کے گھر میں قیام کیا۔ اس پورے عرصے میں حضرت علیؑ کو یقین تھا کہ خلیفہ پیغمبر صرف وہی ہوں گے اور ان کے ساتھ مسئلہ

خلافت میں کوئی بھی شخص اختلاف نہیں کرے گا۔

(یہاں ابن ابی الحدید نے حدیث غدیر اور دیگر احادیث کا بھی حوالہ دیا ہے جسے ہم کسی اور جگہ پر نقل کریں گے)۔

اسی لئے وفات پیغمبر کے دن رسول خداؐ کے چچا عباسؓ نے حضرت علیؑ سے کہا: آپ اپنا ہاتھ دراز کریں میں آپ کی خلافت پر بیعت کرتا ہوں۔ میری بیعت کی وجہ سے آپ کی خلافت مستحکم ہو جائے گی اور لوگ کہیں گے کہ رسول خداؐ کے چچا نے ان کے ابن عم کی بیعت کرلی ہے اس لئے کوئی دو شخص بھی آپ کے متعلق اختلاف نہیں کریں گے۔

حضرت علیؑ نے کہا: کیا کوئی اور شخص بھی خلافت کی طمع کرسکتا ہے؟

عباسؓ نے کہا: آپ کو عنقریب ہی معلوم ہو جائے گا۔ میں آپ کی بیعت چھپ کر نہیں بلکہ علی الاعلان کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت علیؑ نے کچھ نہ کہا۔

شیخ ابو یعقوب نے کہا: جب آنحضرتؐ کی بیماری نے شدت اختیار کی تو آپ نے لشکر اسامہؓ کو شام کی طرف جانے کا حکم صادر فرمایا۔ آپ نے ابوبکرؓ اور مہاجرین و انصار کی تمام بااثر شخصیات کو حکم دیا کہ وہ بھی لشکر اسامہؓ میں شامل ہو کر شام کی طرف چلے جائیں۔ آپ نے یہ سب کچھ علیؑ کی خلافت کو آسان بنانے کی غرض سے کیا تھا کیونکہ آپ چاہتے تھے کہ آپ کی وفات کے وقت مہاجرین و انصار کے سربرآوردہ افراد نہ مدینے میں ہوں اور نہ ہی کوئی علیؑ کے ساتھ خلافت کے متعلق نزاع کرے۔

لیکن عملی طور پر ایسا نہ ہوسکا کیونکہ بی بی عائشہؓ نے خفیہ طور پر کسی کو بھیج کر اپنے والد کو یہ اطلاع کروائی کہ رسول اللہؐ بس دنیا سے رحلت کرنے ہی والے

ہیں۔ یہ خبر سن کر ابوبکرؓ واپس آ گئے اور دوسری صبح انہوں نے مسجد نبوی میں مسلمانوں کو نماز پڑھائی۔

علیؑ کہا کرتے تھے کہ عائشہؓ نے بلالؓ سے کہا تھا کہ وہ ابوبکرؓ سے کہیں وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں جبکہ حقیقت یہ تھی کہ رسول خداؐ نے بس یہ کہا تھا کہ کوئی بھی شخص مسلمانوں کو نماز پڑھوا دے۔ آنحضرتؐ نے کسی ایک کا نام لے کر امامت نماز کے لئے مقرر نہیں کیا تھا۔ وہ نماز فجر تھی اور جب آنحضرتؐ کو معلوم ہوا کہ ابوبکرؓ ان کے مصلیٰ پر کھڑے ہو گئے ہیں تو آپ علیؑ اور فضلؓ کے بازوؤں کا سہارا لے کر خود مسجد میں آئے جیسا کہ احادیث میں اس کی وضاحت موجود ہے۔ نماز پڑھانے کے بعد آپ گھر میں داخل ہوئے تو آپ کی وفات ہو گئی۔

ایک سادہ سے واقعہ سے لوگوں نے ابوبکرؓ کی خلافت کا استدلال کیا کہ انہوں نے آنحضرتؐ کی زندگی میں مسلمانوں کو نماز پڑھائی تھی جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ محراب میں نماز پڑھا رہے تھے کہ رسول خداؐ نے انہیں اپنے محراب سے پیچھے ہٹا دیا تھا اور آپ نے خود نماز پڑھائی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کے بہی خواہ یہاں سے عذر لاتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے سخت بیماری کے عالم میں مسجد آنے کی زحمت اس لئے فرمائی تھی کہ آپ چاہتے تھے کہ نماز جماعت کسی بھی حالت میں ترک نہ ہونے پائے۔

اسی امامت نماز کی اساس پر حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کی گئی۔ حضرت علیؑ اس سارے واقعے کی نسبت بی بی عائشہؓ کی طرف دیتے تھے اور خلوت میں اپنے دوستوں سے اس بات کا تذکرہ کیا کرتے تھے۔

حضرت علیؑ اپنے ساتھیوں کو یہ بتایا کرتے تھے کہ وفات کے دن پیغمبر اسلامؐ نے اپنی زبان سے کہا تھا: ''تم یوسفؑ کی ہم نشین عورتوں کی مانند ہو۔'' اور آنحضرتؐ نے یہ جملہ بی بی عائشہؓ و حفصہؓ کے لئے کہا تھا کیونکہ وہ دونوں اپنے

اپنے باپ کو مسند خلافت پر دیکھنے کی شدید آرزو مند تھیں اور آنحضرتؐ نے ان کے اسی رویے کو مدنظر رکھ کر انہیں یوسفؑ کی ہم نشین عورتوں سے تشبیہ دی تھی اور ان دونوں کی خواہش کو باطل ثابت کرنے کی غرض سے آپ شدید بیماری کے عالم میں گھر سے باہر تشریف لائے تھے اور ابوبکرؓ کو محراب سے پیچھے ہٹا دیا تھا۔

اس لئے حضرت علیؑ خلافت ابوبکرؓ کی نسبت بی بی عائشہؓ کی طرف دیا کرتے تھے اور اس کو ایک عظیم مصیبت سے تعبیر کرتے تھے اور جب خدا کے حضور آپ تنہا ہوتے تو بی بی عائشہؓ کو بددعا دیا کرتے تھے اور خدا کے حضور ان کے رویے کی شکایت کیا کرتے تھے۔ ان ہی علل و اسباب کی وجہ سے حضرت علیؑ نے ابوبکرؓ کی بیعت سے انکار کردیا تھا۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد انہیں مجبور ہوکر بیعت کرنی پڑی تھی۔ رسول خداؐ کی وفات کے دن بھی حضرت علیؑ و فاطمہؑ کو بی بی عائشہؓ کے متعلق ایسی باتوں کی اطلاع ملی جو ان دونوں کے لئے دل آزاری کا موجب ثابت ہوئیں۔

حضرت فاطمہؑ کی وفات تک حضرت علیؑ ان دل آزاریوں کو برداشت کرتے رہے۔ رسول خداؐ کی وفات کے بعد حکومت کی باگ ڈور بی بی عائشہؓ کے والد کے ہاتھ میں آ گئی اب موقع تھا کہ وہ جس طرح چاہتیں انتقام لے سکتی تھیں۔ حکومت کی وجہ سے عائشہؓ کی قوت میں کئی گنا اضافہ ہوگیا جبکہ وفات پیغمبر کی وجہ سے علیؑ و فاطمہؑ کی کمر ٹوٹ گئی تھی۔

حکومت نے اہلبیتؑ کو نان شبینہ کا محتاج رکھنے کے لئے حضرت سیدہؑ سے فدک کی جاگیر چھین لی۔ حضرت فاطمہؑ نے فدک کے متعلق کئی بار ابوبکرؓ سے بحث مباحثہ کیا اور آپ نے ان کے سامنے بڑے وزنی دلائل پیش کئے لیکن اس کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

حضرت فاطمہؑ کے پاس والی عورتیں انہیں بی بی عائشہؓ کی گفتگو سے مطلع کرتی تھیں جنہیں سن کر ان کے سینے میں تکلیف مزید بڑھ جاتی تھی۔ اسی طرح سے کچھ عورتیں ایسی بھی تھیں جو علیؑ و فاطمہؑ کی گفتگو سن کر بی بی عائشہؓ کو جا کر سناتی تھیں۔ وفات پیغمبر کے بعد فاطمہؑ و عائشہؓ کے مقام میں واضح فرق پیدا ہو چکا تھا کیونکہ رسول خداؐ کی زندگی میں فاطمہؑ کو ایک عظیم مقام حاصل تھا اور آنحضرتؐ کی زندگی میں بی بی عائشہؓ ان کی ایک فرمانبردار متصور ہوتی تھیں لیکن وفات رسول کے بعد حکومت و اقتدار بی بی عائشہؓ کے گھرانے میں منتقل ہوگیا اور حضرت فاطمہؑ ہر چیز سے محروم ہوگئیں یہی بات بی بی عائشہؓ کی تشفی کا سبب تھی اور کسی بھی انسان کے لئے مخالفین کی شماتت انتہائی دل آزاری کا سبب ہوتی ہے۔

فقلت له رحمه الله افتقول انت ان عائشةؓ عينت اباها للصلاة ورسول الله لم يعينه؟ قال: اما انا فلا اقول ذلک ولکن عليا کان يقوله و تکليفي غير تکليفه کان حاضرا ولم اکن حاضرا فانا محجوج بالاخبار التی اتصلت بی وهی تتضمن تعيين النبیؐ ابابکرفی الصلاة وهومحجوج بما کان قد علمه او يغلب علی ظنه من الحال التی کان حضرها.

ابن ابی الحدید کہتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد شیخ ابویعقوب رحمۃ اللہ سے کہا کہ اس کا مقصد میں یہ سمجھوں کہ آپ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کو نماز کے لئے بی بی عائشہؓ نے معین کیا تھا اور رسول خداؐ نے انہیں معین نہیں کیا تھا؟

شیخ نے کہا: (تم غلط سمجھے) یہ میرا نظریہ نہیں یہ علیؑ کا نظریہ ہے اور میری تکلیف علیؑ کی تکلیف سے مختلف ہے کیونکہ وہ وہاں موجود تھے جبکہ میں موجود نہیں تھا۔ جہاں تک روایات کا تعلق ہے تو میرے پاس ایسی روایات زیادہ مقدار میں پہنچی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابوبکرؓ کو نماز پڑھانے کے لئے رسول اکرمؐ

نے متعین کیا تھا لیکن علیؑ موقع پر موجود تھے تو وہ حالات کو بہتر جانتے تھے یا کم از کم حالات کی رفتار کو دیکھ کر انہوں نے یہ نتیجہ برآمد کیا تھا کہ ابوبکرؓ کو رسول خداؐ کی بجائے بی بی عائشہؓ نے مقرر کیا ہے۔

حضرت فاطمہؑ کی وفات کے بعد پیغمبر اسلامؐ کی تمام ازواج ان کی تعزیت کے لئے آئیں لیکن بی بی عائشہؓ نے بیماری کا بہانہ بنایا اور وہ تعزیت کرنے نہیں آئی تھیں۔ حضرت علیؑ کو ایسی باتیں بھی پہنچیں جن سے معلوم ہوتا تھا کہ فاطمہؑ کی وفات پر عائشہؓ خوش ہیں اور جب فاطمہؑ کی وفات کے بعد علیؑ نے ابوبکرؓ کی بیعت کی تو پھر عائشہؓ خوش ہوگئیں اور انہیں اپنے والد کی حکومت کے استحکام کا یقین ہوگیا۔

حضرت عثمانؓ کے آخری دور تک یہ حالت قائم رہی۔ بی بی عائشہؓ کا شمار حضرت عثمانؓ کے سخت ترین مخالفین میں کیا جاتا ہے۔ وہ لوگوں کو مسلسل قتل عثمانؓ کی ترغیب دیتی تھیں اور جب ان کی ترغیب کے نتیجے میں حضرت عثمانؓ قتل ہوگئے اور بی بی عائشہؓ کو ان کے قتل کی اطلاع ملی تو انہوں نے کہا: خدا عثمانؓ کو اپنی رحمت سے دور رکھے۔

حضرت عثمانؓ کی مخالفت کے پیچھے بی بی کے دل میں جذبہ کارفرما تھا کہ حضرت عثمانؓ قتل ہوئے تو حکومت ان کے قریبی رشتہ دار طلحہ بن عبداللہ تیمی کو مل جائے گی لیکن ان کی تحریک کا نتیجہ ان کی خواہش کے بالکل برعکس نکلا۔ لوگوں نے قتل عثمانؓ کے بعد طلحہؓ و زبیرؓ کی بجائے حضرت علیؑ کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ جب بی بی نے قتل عثمانؓ کی خبر سنی تو شکر بجالائیں لیکن جب انہوں نے خلافت علیؑ کی خبر سنی تو انہوں نے کہا: ہائے عثمانؓ مظلوم مارا گیا اور میں اس کے خون کا انتقام علیؑ سے لے کر رہوں گی اور آخرکار انہوں نے ہزاروں کا لشکر جمع کیا اور بصرہ

کے قریب حضرت علیؑ سے ایک خونریز لڑائی کی۔ (انتہی قول شیخ ابن ابی الحدید)

صحیح بخاری میں مسلم بن سعید بن جبیر سے منقول ہے کہ ابن عباسؓ نے ایک دن کہا: یوم الخمیس وما یوم الخمیس. ہائے جمعراتُ کا دن اور جمعرات کا دن بھی کیا سخت دن تھا؟ یہ کہہ کر ابن عباسؓ اتنا روئے کہ ان کے آنسوؤں سے سامنے پڑے ہوئے پتھر تر ہوگئے۔

لوگوں نے ان سے کہا: ابن عباسؓ! جمعرات کے دن کیاواقعہ پیش آیا تھا؟

ابن عباسؓ نے کہا: اس دن آنحضرتؐ کی بیماری میں شدت پیدا ہوئی۔ انہوں نے خلافت کے لئے دستاویز لکھنا چاہی تاکہ آپ کی رحلت کے بعد آپ کے صحابہ میں کوئی اختلاف پیدا نہ ہو۔

آپ نے فرمایا: هلموا اکتب لکم کتابالن تضلوا بعده ابدا. آؤ میں تمہیں ایسی دستاویز لکھ کر دوں کہ تم اس کے بعد کبھی گمراہ نہ ہوسکو گے۔

ایک اور روایت میں یہ الفاظ مرقوم ہیں کہ آپ نے فرمایا: ایتونی بدوات و بیاض. میرے لئے دوات اور سفید صفحہ لاؤ۔

ایک روایت میں حسب ذیل الفاظ وارد ہیں: ایتونی بدوات و قرطاس لنکتب ولنزیل عنکم مشکل الامر بعدی اذکر لکم من المستحق لها بعدی. تم میرے پاس کاغذ دوات حاضر کرو تاکہ ہم لکھ کر تمہاری مشکل کو دور کردیں اور واضح کردیں کہ ہمارے بعد خلافت کا حقدار کون ہوگا؟

اس کے جواب میں عمر بن الخطابؓ نے حاضرین سے کہا: دعوا الرجل انه لیهجر حسبنا کتاب الله. ایک اور روایت کے مطابق انہوں نے یہ الفاظ کہے: دعوا الرجل انه لیهذوا. اس شخص کو اس کے حال میں چھوڑ دو وہ ہذیان کہہ رہا ہے۔ ہمارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے۔

جب حضرت عمرؓ نے یہ کہا تو حاضرین میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ کچھ کہتے تھے کہ آنحضرتؐ کو قلم دوات دینا چاہئے اور کچھ دیگر وہی کچھ کہہ رہے تھے جو کہ عمرؓ نے کہا تھا۔ جب دونوں طرف سے آوازیں بلند ہوئیں تو رسول خداؐ نے فرمایا: **قوموا عنی لا ینبغی عند نبی تنازع.** تم میرے یہاں سے اٹھ کر چلے جاؤ کیونکہ نبی کے پاس جھگڑنا نامناسب ہے۔

یہ واقعہ سنانے کے بعد ابن عباسؓ کہا کرتے تھے: **ان الرزیة کل الرزیة فیما حال بین رسول اللّٰہ وبین ان یکتب لھم ذلک الکتاب لاختلافھم ولغطھم.** اسلام میں سب سے بڑی مصیبت یہی واقع ہوئی کہ لوگوں نے شور وغوغا کر کے رسول خداؐ کو ان کی وصیت نہ لکھنے دی۔[1]

اصحاب مسجد میں بیٹھے تھے کہ آنحضرتؐ کے گھر سے عورتوں کے رونے کی آوازیں بلند ہوئیں۔ تحقیق کرنے پر پتا چلا کہ آنحضرتؐ دنیا سے رحلت کر چکے ہیں۔ آنحضرتؐ کی موت نے صحابہ کو بے چین و بے قرار کردیا اور اس المیہ کی وجہ سے کئی صحابی بیمار ہوگئے۔

عمرؓ بن الخطاب نے کہا: خبردار! رسول خداؐ کی وفات نہیں ہوئی جس طرح سے تجلی دیکھ کر موسیٰؑ بے ہوش ہوگئے تھے اسی طرح سے ہمارے نبیؐ بھی بے ہوش ہوئے ہیں۔ پھر انہوں نے تلوار اٹھائی اور مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہنے لگے: جس نے کہا کہ رسولؐ مرگئے ہیں میں اس کے دو ٹکڑے کردوں گا۔

اس وقت ابوبکرؓ اپنی بیوی کے پاس "سنخ محلّہ" میں تھے۔ انہوں نے حالات معلوم کرنے کے لئے اپنے غلام کو مدینے بھیجا اور غلام نے انہیں جاکر آنحضرتؐ کی وفات کی خبر دی۔

۱۔ صحیح بخاری، جلد۳، باب مرض النبی و وفاتہ۔

آنحضرتؐ کی موت کی خبر سن کر حضرت ابوبکرؓ فوراً مدینے کی طرف چل پڑے اور وامحمداہ کہہ کر روتے ہوئے آئے اور مسجد میں داخل ہوئے۔ پھر مسجد سے حجرۂ عائشہؓ میں داخل ہوئے جہاں رسول خداؐ کی لاش مبارک رکھی ہوئی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے آپ کے منہ سے چادر ہٹائی اور آپ کے چہرے کا بوسہ لیا اور کہا: اگر آپ نے میت پر رونے سے منع نہ کیا ہوتا تو میں اپنی آنکھوں سے آنسوؤں کے چشمے بہادیتا۔ یہ کہہ کر وہ مسجد کی طرف گئے جہاں عمرؓ لوگوں سے کہہ رہے تھے کہ پیغمبرؐ کی وفات نہیں ہوئی۔

ابوبکرؓ نے تین بار عمرؓ سے کہا: اے عمرؓ! ان باتوں کو رہنے دو۔ کیا تو نے قرآن کی یہ آیات نہیں سنیں:

اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّ اِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ. (زمر: ۳۰) وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِکَ الْخُلْدَ اَفَاِنْ مِّتَّ فَھُمُ الْخَالِدُوْنَ. (الانبیاء: ۳۴)

اے پیغمبرؐ! آپ کو بھی موت آنے والی ہے۔ یہ سب مر جانے والے ہیں اور ہم نے آپ سے پہلے بھی کسی بشر کے لئے ہمیشگی نہیں قرار دی ہے، تو کیا اگر آپ مر جائیں گے تو یہ لوگ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ منبر پر بیٹھے اور کہا: جو کوئی محمدؐ کی عبادت کرتا تھا تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ محمدؐ فوت ہو چکے ہیں لیکن جو خدا کی عبادت کرتا ہے تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ زندہ ہے اس پر موت وارد نہیں ہوگی۔ اس کے بعد انہوں نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰی اَعْقَابِکُمْ وَ مَنْ یَّنْقَلِبْ عَلٰی عَقِبَیْهِ فَلَنْ یَّضُرَّ اللّٰهَ شَیْئًا وَّ سَیَجْزِی اللّٰهُ الشَّاکِرِیْنَ. محمدؐ بس اللہ کے رسول ہیں۔ ان سے پہلے بھی کئی رسول

گزر چکے ہیں تو کیا یہ اگر مرجائیں یا قتل ہو جائیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو بھی ایڑیوں کے بل پھرے گا تو وہ اللہ کو کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکے گا اور عنقریب اللہ شکر کرنے والوں کو بدلہ دے گا۔ (آل عمران: ۱۴۴)

حضرت عمرؓ کا بیان ہے: جیسے ہی میں نے یہ آیت سنی تو میرے پاؤں لڑکھڑانے لگے اور میں گر گیا اور مجھے یوں لگا جیسے میں نے اس آیت کو زندگی میں پہلی بار سنا ہو۔ لوگوں نے ابوبکرؓ کی زبان سے اس آیت کو یاد کیا اور انہیں یقین ہوگیا کہ رسول خداؐ کی وفات ہوچکی ہے

علامہ امینی الغدیر کی جلد ہفتم کے صفحہ ۱۸۴ پر رقم طراز ہیں:

متقدمین میں سے باقلانی اور متاخرین میں سے ذہبی وحلان لکھتے ہیں:

حضرت ابوبکرؓ نے یہ آیات پڑھ کر عمرؓ کو اس حقیقت کی جانب متوجہ کیا کہ رسول خداؐ کی وفات ہوچکی ہے اور یہ ان کے ''اعلم الصحابہ'' ہونے کی دلیل ہے۔

اس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ بالکل ایک عامیانہ سی بات ہے۔ پیغمبر کے تمام صحابہ کو آنحضرتؐ کی وفات کا یقین تھا کیونکہ فطرت کے اصولوں سے ہر شخص واقف ہوتا ہے اور اس بات سے ہر شخص کو آگاہی حاصل ہے کہ ہر جاندار کی زندگی محدود ہوتی ہے اور آخرکار اسے مرنا پڑتا ہے۔ علاوہ ازیں قرآن حکیم نے بیسیوں آیات میں تمام لوگوں کو بتادیا تھا کہ ہر جاندار کا انجام موت ہے۔ اس کے علاوہ آنحضرتؐ نے حجۃ الوداع کے اجتماع میں یہ بات واضح کردی تھی کہ یہ ان کا آخری حج ہے اس کے بعد انہیں دوسرا حج نصیب نہیں ہوگا۔

اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّ اِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ. جیسی آیات صرف حضرت ابوبکرؓ نے ہی حضرت عمرؓ کو نہیں سنائی تھیں بلکہ ان سے پہلے عمرو بن زائدہ اور دوسرے صحابہ بھی انہیں مذکورہ آیات پڑھ کر سنا چکے تھے لیکن ان کی تلاوت سے حضرت عمرؓ کے

ہوش وحواس بحال نہیں ہوئے تھے۔

جبکہ حقیقت یہ تھی کہ حضرت عمرؓ وفات رسولؐ کی وجہ سے ہوش وخرد سے ہرگز بیگانہ نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے جان بوجھ کر یہ کام سرانجام دیا تھا۔ وہ درحقیقت چاہتے تھے کہ ابوبکرؓ ''سنح محلّہ'' سے مدینے آئیں اور پھر مل جل کر اپنے اس منصوبے پر عمل کریں جس کی گزشتہ شب وہ تیاری کر چکے تھے۔ انہوں نے تلوار صرف اس لئے اٹھا رکھی تھی کہ کہیں ابوبکرؓ کی آمد سے قبل کوئی شخص خلافت کا فیصلہ نہ کر دے۔

علمائے اہلسنت نے حضرت عمرؓ کے اس فعل کے لئے مختلف تاویلات کی ہیں اور ان میں سے بعض نے کہا کہ بات یہ نہیں تھی کہ حضرت عمرؓ، رسول خداؐ کی موت کے قائل نہیں تھے، وہ رسول خداؐ کی موت کے تو قائل تھے لیکن آنحضرتؐ کی موت کی وجہ سے انہیں ذہنی طور پر زبردست صدمہ پہنچا تھا اسی لئے انہوں نے بہکی بہکی باتیں کی تھیں۔ بعض علماء نے حضرت عمرؓ کے اس فعل کی یہ توجیہ پیش کی کہ رسول خداؐ کی وفات حضرت عمرؓ کے لئے شدید صدمہ تھی جس کی وجہ سے ان کی عقل زائل ہوگئی تھی اور وہ قسم کھا کر کہنے لگے تھے کہ رسول اکرمؐ کی وفات ہی نہیں ہوئی۔ (انتہیٰ کلام الامینی)

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے جیسے ہی قرآنی آیات پڑھ کر وفات رسول کا استدلال کیا تو حضرت عمرؓ اپنے ہوش وحواس میں واپس آ گئے۔ پھر دونوں مل کر خلافت کے حصول کے لئے سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف چل پڑے۔

ابن اثیر کامل التواریخ کی جلد اول صفحہ ۲۱۴ پر لکھتے ہیں:

انصار نے خلیفہ کے انتخاب کے لئے سقیفہ بنی ساعدہ میں اجتماع منعقد کیا شیخین کو اس کی پہلے سے اطلاع نہیں تھی لیکن جیسے ہی انہیں انصار کے اجتماع کے

متعلق معلوم ہوا تو وہ ابوعبیدہ بن جراح کو اپنے ساتھ ملا کر سقیفہ کی طرف روانہ ہوئے اور انہوں نے سقیفہ پہنچ کر انصار سے کہا: تم یہاں کیوں جمع ہوئے ہو؟

انصار نے کہا: ہم چاہتے ہیں کہ ہم ایک امیر اپنے میں سے اور ایک کا تم میں سے انتخاب کریں۔

حضرت ابوبکرؓ نے کہا: امیر ہم میں سے ہوگا اور وزیر تم میں سے ہوگا۔

پھر انہوں نے کہا: تمہارے پاس عمرؓ بن الخطاب اور ابوعبیدہ امین امت موجود ہیں۔ ان میں سے تم جس کی چاہو بیعت کرلو۔[1]

حضرت عمرؓ نے کہا: تم اس بات پر کیسے راضی ہوسکتے ہو کہ جسے رسول خداؐ نے نماز کے لئے تمہارا امام مقرر کیا تھا اب اسے مقتدی کیسے بناؤ گے؟

یہ کہہ کر حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

فقالت الانصار او بعض الانصار لا نبایع الاعلیا. تمام انصار یا انصار میں سے ایک گروہ نے کہا کہ ہم علیؑ کے علاوہ کسی دوسرے کی بیعت نہیں کریں گے۔

حضرت علیؑ، زبیرؓ اور طلحہؓ نے ابوبکرؓ کی بیعت نہیں کی تھی۔

قال الزبیر لا اغمد سیفا حتی یبایع علی. زبیرؓ نے کہا کہ جب تک علیؑ کی بیعت نہیں ہو جاتی اس وقت تک میں تلوار کو نیام میں نہیں ڈالوں گا۔ (انتہیٰ قول ابن اثیر)

۱۔ علامہ امینی لکھتے ہیں کہ اس وقت مدینے میں دو شخص گورکن تھے۔ انصار کا گورکن ابوطلحہ تھا اور مہاجرین کا گورکن ابوعبیدہ بن جراح تھا۔ اگر ابوعبیدہ خلیفہ رسول بن جاتے تو اسلام کی شان و شوکت کو ''چار چاند'' لگ جاتے کہ ایک گورکن مسلمانوں کا خلیفہ ہے اور وہ تمام عالم اسلام کا دینی مرجع ہے۔ (الغدیر، جلد۵، ص۳۶۷)۔

قارئین کرام! توجہ فرمائیں یہاں ''من ترا حاجی بگویم تو مرا قاضی بگو'' والا معاملہ سامنے آیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ اور ابوعبیدہ بن جراح کا نام نامی پیش کیا اوران دونوں نے سابقہ منصوبے پرعمل کرتے ہوئے خودانہی کی بیعت کی۔

وہ گروہ جو سقیفہ میں امر خلافت پر غور و خوض کے لئے جمع ہوا تھا انہوں نے کہا: آؤ دیکھیں علیؑ کس حال میں ہیں؟

پیغمبر اکرمؐ کی وفات کی وجہ سے ان کے اہلبیتؑ پر قیامت کا منظر طاری تھا۔ حضرت زہراؑ کو رونے سے فرصت نہ تھی اور پیغمبر اکرمؐ کے نواسے دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ حضرت علیؑ، رسول اکرمؐ کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے ان کے غسل و کفن کی تیاریوں میں مصروف تھے اور انہیں دنیاوی کاموں کی طرف توجہ دینے کا ہوش تک نہیں تھا۔

اہل سقیفہ نے موقع کو غنیمت جانا کہ اہلبیت مصطفیٰ تو غم و اندوہ میں ڈوبے ہوئے ہیں اسی لئے انہوں نے سقیفہ میں بیٹھ کر خلافت و جانشینی کا مسئلہ حل کرلیا۔

حضرت سلمانؓ فارسی کا بیان ہے کہ حضرت علیؑ، رسول خداؐ کو غسل دینے میں مصروف تھے۔ میں نے انہیں بتایا کہ لوگ سقیفہ میں جمع ہیں اور ابوبکرؓ کی بیعت ہو رہی ہے۔ اس کے کچھ لمحات بعد میں نے حضرت علیؑ سے کہا: اس وقت ابوبکرؓ، محمد مصطفیٰؐ کے منبر پر آچکے ہیں۔

اس وقت حضرت علیؑ متوجہ ہوئے اور فرمایا: یہ بتاؤ سب سے پہلے اس کی بیعت کس نے کی ہے؟

میں (سلمانؓ) نے کہا: سب سے پہلے بشر بن سعد، اس کے بعد ابوعبیدہ بن جراح، اس کے بعد عمرؓ بن الخطاب نے اور ان کے بعد سالم مولی ابوحذیفہ اور بعد میں معاذ بن جبل نے ان کی بیعت کی ہے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: میں نے تم سے ان کے متعلق سوال نہیں کیا۔ میں تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ جب وہ منبر پر آئے تو اس وقت ان کی سب سے پہلے بیعت کس نے کی ہے؟

میں (سلمانؓ) نے کہا: آقا! میں نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا جس کی پیشانی پر سجدوں کا داغ تھا اور وہ اپنے عصا کا سہارا لئے ہوئے آیا اور اس نے منبر کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھا اور رو رو کر کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے اتنی مہلت دی ہے کہ میں نے تجھے اس مقام پر دیکھ لیا ہے۔ اپنا ہاتھ بڑھا تا کہ میں تیری بیعت کروں۔ حضرت ابوبکرؓ نے ہاتھ بڑھایا اور اس بوڑھے نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پھر وہ منبر کی سیڑھی سے نیچے اترا اور مسجد سے چلا گیا۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: جانتے ہو وہ بوڑھا کون تھا؟

میں نے کہا: نہیں! البتہ مجھے اس کے طرزِ عمل سے سخت دکھ ہوا کیونکہ یوں دکھائی دیتا تھا جیسے وہ آنحضرتؐ کی وفات سے دل ہی دل میں خوش ہو اور ہمیں سرزنش کر رہا ہو۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: **ان ذلک الشیطان لعنه الله.** وہ شیطان ملعون تھا۔[1]

خلافت کا کام مکمل ہوگیا، پہلے سے طے شدہ منصوبہ کامیاب ہوگیا۔ حاضرین سقیفہ میں سے سعد بن عبادہ کے علاوہ باقی افراد نے بیعت کر لی۔

سقیفائی حکومت نے محسوس کیا کہ عوام الناس ان کی بیعت کر چکے ہیں مگر علیؑ اور بنی ہاشم کے علاوہ سلمانؓ، ابوذرؓ، مقدادؓ اور عمارؓ نے ان کی بیعت نہیں کی اور یہ چیز انہیں آنکھوں میں کھٹکنے لگی۔

۱۔ الاحتجاج طبرسی، ص ۲۵۔

ابن قتیبہ لکھتے ہیں:

حضرت علیؑ کو مسجد میں لایا گیا۔ اس وقت علیؑ آواز دے کر کہہ رہے تھے:

اے لوگو! میں اللہ کا بندہ اور پیغمبر کا بھائی ہوں۔

جو لوگ علیؑ کو مسجد میں جبراً لائے تھے انہوں نے آپ سے کہا کہ آپ ابوبکرؓ کی بیعت کریں۔

حضرت علیؑ نے کہا: میں اس کی نسبت خلافت کا زیادہ حقدار ہوں۔ تم لوگوں کو میری بیعت کرنی چاہئے کیونکہ تم نے انصار کے سامنے یہ دلیل پیش کی تھی کہ خلافت نبی کے خاندان میں ہونی چاہئے اور تمہاری اسی دلیل کی وجہ سے انصار نے خلافت پر اصرار نہیں کیا۔ تمہاری اس دلیل کے تحت میں تم سب سے خلافت کا زیادہ حقدار ہوں کیونکہ میں رسول خداؐ سے زیادہ قرابت رکھتا ہوں اور تم مجھ سے میری خلافت غصب کر رہے ہو۔

تم نے جو دلیل انصار کے مقابلے پر پیش کی تھی میں اسی دلیل کو تمہارے مقابلے پر پیش کرتا ہوں۔ نحن اولیٰ برسول اللّٰہ حیا و میتا فانصفونا ان کنتم تؤمنون. رسول خداؐ کی زندگی اور ان کی وفات کے بعد ہم ہی ان کے وارث ہیں۔ اگر تم صاحبان ایمان ہو تو ہم سے انصاف و عدل کے مطابق سلوک کرو اور اگر تم میں عدل نہیں ہے تو جو تمہارے جی میں آئے کرو۔

فقال له عمر: لست متروکا حتی تبایع.

حضرت عمرؓ نے کہا: جب تک تم بیعت نہیں کرو گے اس وقت تک ہم تمہیں نہیں چھوڑیں گے۔

فقال له علی: احلب حلبالک شطره.

خلافت کے تھنوں سے اچھی طرح دودھ دوہ لے کیونکہ اس میں تیرا حصہ

بھی ہے۔ آج ابوبکرؓ کے ہاتھوں کو مضبوط کرتا کہ وہ کل یہ خلافت تجھے لوٹا دے۔ پھر آپ نے فرمایا: اے عمرؓ! خدا کی قسم میں تیری بات قبول نہیں کروں گا اور ابوبکرؓ کی بیعت نہیں کروں گا۔

حضرت ابوبکرؓ نے کہا: اگر تم بیعت پر آمادہ نہیں ہو تو ہم بھی تمہیں مجبور نہیں کرتے۔

ابوعبیدہ بن جراح نے حضرت علیؑ سے کہا: آپ اس وقت کم سن ہیں اور یہ لوگ آپ کے قبیلے کے عمر رسیدہ افراد ہیں۔ آپ کو ان کے برابر تجربہ نہیں ہے اور آپ معاملات سے پوری طرح نمٹنا نہیں جانتے۔ آپ کی بہ نسبت ابوبکرؓ زیادہ تجربہ کار ہیں اور وہ حالات کا آپ کی بہ نسبت بہتر مقابلہ کرسکتے ہیں۔ آپ اقتدار انہیں کے پاس رہنے دیں۔ اگر اللہ نے آپ کو طویل زندگی عطا کی تو آپ بھی منصب خلافت پر فائز ہو جائیں گے اور ماشاء اللہ آپ کے پاس فضیلت بھی ہے اور آپ ایمان میں بھی سبقت رکھتے ہیں۔ علم وفہم میں خدا نے آپ کو بلند مقام عطا کیا ہے اور آپ رسول خداؐ کے قریبی عزیز ہیں۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: **اللّٰہ اللّٰہ یا معشر المھاجرین لا تخرجوا سلطان محمد فی العرب من دارہ و قعربیته الی دورکم و قعور بیوتکم و تدفعون اھله عن مقامه و حقه یا معشر المھاجرین نحن احق به لانا اھل البیت و نحن احق بھذا الامرمنکم....** اے گروہ مہاجرین! خدا سے ڈرو اور محمدؐ کے اقتدار وسلطنت کو ان کے گھر سے باہر نکال کر اپنے گھروں میں نہ لے جاؤ اور خاندان پیغمبر کو ان کے مقام اور حق سے محروم نہ رکھو۔ اس امر کے ہم ہی حقدار ہیں کیونکہ ہم اہلبیت محمدؐ ہیں اور تمہاری نسبت ہم اس امر کے زیادہ مستحق ہیں۔

بشر بن سعد انصاری نے کہا: اگر انصار آپ کی یہ باتیں پہلے سن لیتے تو

ان میں سے کوئی بھی آپ کی مخالفت کر کے ابوبکرؓ کی بیعت نہ کرتا۔

ابن قتیبہ لکھتے ہیں:

حضرت علیؑ رات کے وقت اپنی زوجہ کو سوار کر کے انصار کے گھروں میں جاتے تھے اور ان سے اپنی مدد کا تقاضا کرتے تھے۔ انصار جواب میں کہتے: اے دختر رسولؐ! اب ہمارے ہاتھوں میں کچھ نہیں رہا اس وقت ہم ابوبکرؓ کی بیعت کر چکے ہیں اگر آپ کے شوہر اور ابن عم علیؑ، ابوبکرؓ سے پہلے اقدام کرتے تو ہم ان کا ضرور ساتھ دیتے۔

حضرت علیؑ ان سے کہتے تھے: تو کیا میں رسول خداؐ کو غسل و کفن نہ دیتا اور ان کی تدفین نہ کرتا اور خلافت کے لئے لوگوں سے الجھنا شروع کر دیتا؟

حضرت فاطمہ زہراؑ فرماتی تھیں: علیؑ نے وہی کچھ کیا جو انہیں زیب دیتا تھا اور لوگوں نے جو کچھ کیا اس کا ان سے خدا حساب لے گا۔

ابن قتیبہ لکھتے ہیں:

حضرت ابوبکرؓ نے دیکھا کہ ایک گروہ نے ان کی بیعت نہیں کی اور وہ گروہ علیؑ کی حمایت کر رہا ہے تو انہوں نے حضرت عمرؓ کو حضرت علیؑ کے گھر کی طرف روانہ کیا۔ عمرؓ نے دروازے سے باہر کھڑے ہو کر ان لوگوں کو صدا دی کہ وہ باہر آ جائیں لیکن گھر میں موجود افراد نے باہر آنے سے انکار کر دیا۔

فدعا بالحطب وقال والذی نفس عمر بیده لتخرجن اولاحرقنها علی من فیها فقیل له ابا حفص ان فیها فاطمة قال وان.

عمرؓ نے لکڑیاں منگوائیں اور کہا کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم لوگ یا تو باہر نکلو گے یا میں یہاں پر موجود افراد سمیت تم سب کو جلادوں گا۔

ان سے کہا گیا: ابوحفص! یہاں تو فاطمہؑ بھی رہتی ہیں۔

عمرؓ نے کہا: رہتی ہے تو بے شک رہتی رہے۔ (پھر بھی میں آگ لگانے سے باز نہیں آؤں گا)۔

ابن قتیبہ نے تو داستان کو یہاں تک ختم کردیا اور یہ نہ بتایا کہ حملہ آوروں نے اپنی دھمکی پر کس طرح سے عمل کیا تھا۔

حضرت علیؑ اور ان کے ساتھی ابوحفص کی دھمکی پر باہر نہ نکلے جس کی وجہ سے انہوں نے سیدہؑ کے دروازے کو آگ لگادی۔

جب مسلمانوں کی ایک بااثر شخصیت نے علیؑ و بتولؑ کے دروازے کو جلایا تو بعد میں آنے والوں نے اسے اپنے لئے حجت بنالیا۔ شعلے صرف مدینہ تک ہی محدود نہ رہے بلکہ نینوا میں امام حسین علیہ السلام کے خیموں کو بھی جلایا گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر مدینہ میں حضرت کے بیت الشرف کو آگ نہ لگائی جاتی تو کربلا میں بھی امام حسینؑ کے خیموں کو لوگ نذر آتش نہ کرتے۔

ابن قتیبہ نے لکھا کہ عمرؓ کی دھمکی کارگر ثابت ہوئی۔ گھر میں بیٹھے ہوئے تمام افراد باہر آگئے مگر علیؑ باہر نہ آئے اور انہوں نے کہا: میں قسم کھا چکا ہوں کہ جب تک قرآن جمع نہیں کرلوں گا اس وقت تک گھر سے باہر نہیں نکلوں گا اور مکمل لباس نہیں پہنوں گا۔

فوقفت فاطمة على بابها فقالت لا عهدلی بقوم حضروا اسوء محضرا منكم تركتم رسول الله جنازة بين ايدينا و قطعتم امركم بينكم لم تستأمرونا ولم تردوالنا حقاً فاتی عمرؓ ابابكر فقال له الا تأخذ هذا المتخلف عنک بالبيعة؟ فقال ابوبكرؓ لقنفذ وهو مولى له اذهب فادع لی عليا. فذهب الى علی فقال: يدعوک خليفة رسول اللهؐ. فقال علی:

سريع ماكذبتم على رسول الله فرجع فابلغ الرسالة قال فبكى ابوبكرؓ طويلا. فقال عمرؓ الثانية ان لا تمهل هذا المتخلف عنك بالبيعة فقال ابوبكرؓ لقنفذ عد اليه فقل امير المؤمنين يدعوك لتبايع فجاءه قنفذ فادى ما امر به فرفع على صوته فقال سبحان الله لقد ادعى ما ليس له فرجع قنفذ فابلغ الرسالة فبكى ابوبكرؓ طويلا ثم قام عمرؓ فمشى و معه جماعة حتى اتوا باب فاطمة فدقُّوا الباب فلما سمعت اصواتهم نادت باعلى صوتها: يا ابت يارسول الله ماذا لقينا بعدك من ابن الخطاب و ابن ابى قحافة. فلما سمع القوم صوتها و بكاء ها انصزفوا باكين و كادت قلوبهم تتصدع و اكبادهم تنفطر وبقى عمرؓ و معه قوم فاخرجوا عليا فحضر وابه الى ابى بكر فقالوا له بايع فقال ان انالم افعل فمه؟ قالوا اذا والله الذى لا اله الا هو نضرب عنقك قال اذا تقتلون عبدالله و اخا رسوله قال عمرؓ اما عبدالله فنعم و اما اخو رسوله فلا و ابوبكرؓ ساكت لا يتكلم فقال له عمرؓ الا تأمر فيه بامرك فقال لا اكرهه على شيء ماكانت فاطمة الى جنبه فلحق عليٌ بقبر رسول الله يصيح ويبكى ينادى يابن ام ان القوم استضعفونى و كادوا يقتلوننى.[1]

حضرت فاطمہؑ نے جیسے ہی عمرؓ کی زوردار آواز سنی تو انہوں نے اپنے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا: میں نے آج تک تم سے زیادہ برے لوگ نہیں دیکھے۔ تم لوگ رسول خداؐ کے جنازے کو چھوڑ کر حکومت کے فیصلے کرنے لگ گئے اور ہمارے حقوق کا کوئی لحاظ نہیں کیا۔

حضرت سیدہؑ کی باتیں سن کر عمرؓ، ابوبکرؓ کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ

۱۔ الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ، ص۱۲۔۱۴۔ بنقل الغدیر، جلد۵، ص۳۷۳۔

کیا تو اس شخص سے جس نے ابھی تک تیری بیعت نہیں کی ہے، بیعت نہیں لے گا؟

ابوبکرؓ نے اپنے غلام قنفذ کو حضرت علیؑ کے دروازے پر بھیجا تاکہ وہ علیؑ کو لے آئے۔ قنفذ، علیؑ کے دروازے پر آیا تو حضرت علیؑ نے اس سے پوچھا کہ تو کیوں آیا ہے؟

اس نے کہا: آپ کو رسول خداؐ کا خلیفہ بلا رہا ہے۔

حضرت علیؑ نے کہا: تم نے کتنی جلدی سے رسول خداؐ پر جھوٹ باندھا ہے۔

قنفذ واپس گیا اور اس نے خلیفہ کو حضرت علیؑ کا جواب سنایا۔ راوی بیان کرتا ہے کہ حضرت علیؑ کا جواب سن کر کافی دیر تک ابوبکرؓ روتے رہے۔

عمرؓ نے ان سے دوبارہ کہا کہ آپ بیعت لینے میں اسے مہلت نہ دیں۔

خلیفہ نے دوبارہ قنفذ کو بھیجا اور اس سے کہا کہ علیؑ سے کہنا کہ تجھے امیرالمومنین اپنی بیعت کے لئے بلا رہا ہے۔

قنفذ نے حضرت ابوبکرؓ کا پیغام حضرت علیؑ تک پہنچایا تو آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! اس نے وہ دعویٰ کیا ہے جس کے وہ قابل نہیں ہے۔

قنفذ آپ کا جواب لے کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس گیا اور انہیں آپ کے جواب سے مطلع کیا۔ آپ کا جواب سن کر حضرت ابوبکرؓ دیر تک روتے رہے۔

پھر عمرؓ اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے۔ انہوں نے اپنے ساتھ ایک جماعت کو ملایا اور فاطمہ زہراؑ کے دروازے پر پہنچ گئے اور دروازے پر دستک دی۔

جب حضرت فاطمہؑ نے عمرؓ کی آواز سنی تو ان کے رونے کی آواز بلند ہوئی اور انہوں نے رو رو کر کہا: اباجان، یارسول اللہؐ! آپ کے بعد ہم نے فرزند خطاب اور فرزند ابی قحافہ سے کیا کیا دکھ اٹھائے ہیں۔

عمرؓ کے ساتھ جانے والے لوگوں نے جب سیدہؑ کے رونے کی آواز سنی

اور یہ دیکھا کہ بی بی اس مصیبت کے وقت اپنے والد گرامی کو مدد کے لئے پکار رہی ہیں تو ان کی اکثریت بھی رونے لگی اور وہ بی بی کے دروازے سے دور ہو گئے۔

عمرؓ نے باقی ماندہ افراد کے ساتھ علیؑ کو گھر سے باہر نکالا [1] اور انہیں ابوبکرؓ کے سامنے پیش کیا گیا اور کہا گیا کہ تم بیعت کرو۔

حضرت علیؑ نے کہا: اگر میں بیعت نہ کروں تو پھر کیا ہوگا؟

انہوں نے کہا: ہمیں اس ذات کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے اگر تم نے بیعت نہ کی تو ہم تمہیں قتل کر دیں گے۔

حضرت علیؑ نے کہا: اگر تم نے مجھے قتل کیا تو تم اللہ کے ایک بندے اور رسول خداؐ کے بھائی کے قاتل قرار پاؤ گے۔

عمرؓ بن الخطاب نے کہا: جہاں تک اللہ کے بندے ہونے کا تعلق ہے تو وہ بات تو صحیح ہے اور جہاں تک رسول کے بھائی ہونے کا تعلق ہے تو ہم اسے نہیں مانتے۔

اس تمام گفتگو کے دوران ابوبکرؓ خاموش ہو کر بیٹھے رہے۔ انہوں نے کوئی بات نہ کی۔

عمرؓ نے ان سے کہا: آپ اپنا حکم جاری کیوں نہیں کرتے؟

ابوبکرؓ نے کہا: جب تک فاطمہؑ ان کے پہلو میں موجود ہیں اس وقت تک میں انہیں کسی بات پر مجبور نہیں کروں گا۔

ا۔ یہاں ابن قتیبہ نے یہ نہیں بتایا کہ اہل سقیفہ نے علیؑ کو کس انداز سے باہر نکالا۔ البتہ حالات و قرائن خود ہی بتا رہے ہیں کہ علیؑ آسانی سے نہیں نکلے ہوں گے۔ اور حضرت فاطمہؑ نے شوہر کو مخالفین کا قیدی بنتے ہوئے آسانی سے نہیں دیکھا ہوگا۔ آخرکار کچھ نہ کچھ مزاحمت تو ہوئی ہوگی۔ مگر آج تک مکتب خلفاء کو حقیقت بیان کرنے کی توفیق نہ ہوئی۔

اس کے بعد حضرت علیؑ قبر رسولؐ سے لپٹ گئے اور رو رو کر کہنے لگے:
ماں جائے! قوم نے مجھے کمزور سمجھ لیا اور مجھے قتل کرنے کے درپے ہو گئے۔[1]

یہاں تک آپ نے ایک سنی عالم دین کے خانۂ پاک سیدہؑ میں بلا اجازت درّانہ داخل ہونے اور وہاں سے حضرت علیؑ کو باہر نکال لانے کے بارے میں اعترافات پڑھے۔

ارباب سقیفہ نے علیؑ و بتولؑ کو کیا کیا دکھ دیئے؟ ہم نے اختصار کے خاطر صرف اتنا نقل کرنے پر اکتفا کیا جس کے وہ خود معترف ہیں۔ اس کے بعد ہمارے صاحبان انصاف قارئین خود ہی فیصلہ کریں کہ سقیفہ کے اجتماع نے اسلام و مسلمین کو کتنے بڑے نقصانات سے دوچار کیا اور عالم اسلام میں جتنے بھی ظلم و ستم ہوتے رہیں گے ان تمام مظالم کی بنیاد سقیفہ میں ہی رکھی گئی تھی۔

اگر سقیفہ کی کارروائی نہ ہوتی تو حکومت اسلامی کی باگ ڈور معصوم شخصیات کے ہاتھوں میں ہوتی اور آج عالم اسلام اس تنزلی اور زبوں حالی میں مبتلا نہ ہوتا۔ سقیفہ کے حکام نے ہی ابوسفیان جیسے دشمن اسلام کے بیٹے معاویہ کو شام جیسے اہم اور حساس صوبے کا گورنر مقرر کیا۔ اس نے وہاں طویل عرصے تک حکومت کی اور اتنا اثر و رسوخ حاصل کیا کہ خلیفہ برحق کے خلاف بغاوت کردی۔

معاویہ و یزید کی حکومت کا سرچشمہ سقیفہ ہے۔ اگر دنیا میں سقیفہ کی کارروائی نہ ہوتی تو شراب خور یزید کبھی برسر اقتدار نہ آتا اور گلشن رسولؐ کربلا میں یوں پامال نہ ہوتا۔ اگر یہ کہا جائے کہ شجر سقیفہ کا ثمر یزید ہے تو یہ بے جا نہیں ہوگا۔

وہ لوگ سقیفہ میں صرف حکومت حاصل کرنے اور حضرت علیؑ کے حق کو پامال کرنے کے لئے اکٹھا ہوئے تھے اور ہر ایک کے لئے یہاں ایک حصہ معین

۱۔ یہ وہ قرآنی الفاظ ہیں جو حضرت موسیٰؑ کے بھائی ہارونؑ نے ادا کئے تھے۔

کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ قرارداد کے مطابق حضرت ابوبکرؓ نے اپنی وفات کے وقت حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین بنادیا تھا کیونکہ حضرت عمرؓ نے بھی خلافت ابوبکرؓ کے لئے کافی زحمت برداشت کی تھی۔

(ارباب سقیفہ پہلے سے یہ طے کرچکے تھے کہ وفات پیغمبر کے بعد ابوبکرؓ برسراقتدار آئیں گے پھر عمرؓ بن الخطاب خلیفہ بنیں گے اور ان کے بعد ابوعبیدہ یا سالم مولی ابی حذیفہ خلیفہ بنیں گے اور ان کے بعد خلافت عثمانؓ کو دی جائے گی۔ پھر معاویہ اور بنی امیہ کو اقتدار پر لایا جائے گا۔ ابوعبیدہ اور سالم حضرت عمرؓ کی زندگی میں ہی وفات پاگئے تھے اسی لئے وہ خلافت میں سے اپنا حصہ وصول نہیں کرسکے تھے اور باقی حضرات کو معاہدے کے مطابق حکومت و ریاست نصیب ہوئی)۔

ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

جس حکومت کے حصول کے لئے ارباب سقیفہ نے یہ سب کچھ کیا آیئے دیکھیں کہ وفات کے وقت حضرت ابوبکرؓ کی خواہشات اور حسرتیں کیا تھیں؟

عبدالرحمٰن بن عوف کا بیان ہے کہ میں مرض موت میں حضرت ابوبکرؓ کی عیادت کے لئے گیا تو وہ مجھے بے چین و مضطرب دکھائی دیئے۔ میں نے انہیں تسلی دی اور ان سے کہا: اپنے آپ کو زیادہ پریشانی میں مبتلا نہ کریں۔ پریشانی کی وجہ سے آپ کی صحت مزید خراب ہو جائے گی۔ آپ کو اگر آخرت کے حوالے سے کوئی پریشانی ہے تو ہم نے آپ سے بھلائی اور نیکی کے علاوہ اور کچھ نہیں دیکھا اور اگر دنیا کی کسی وجہ سے آپ پریشان ہیں تو دنیا اس لائق ہی نہیں کہ انسان اس پر پریشان ہوتا رہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے کہا: میں دنیا کی کسی چیز سے پریشان نہیں ہوں۔ البتہ

میں نے تین کام ایسے کئے ہیں کہ کاش میں نے وہ نہ کئے ہوتے تو بہتر تھا۔ مجھ سے تین کام رہ گئے کاش میں نے انہیں کیا ہوتا اور تین باتیں ایسی ہیں کہ کاش میں نے رسول خداؐ سے ان کے متعلق پوچھ لیا ہوتا۔

وہ تین امور جو مجھ سے سرزد ہوئے ہیں اور آج میں خواہش کر رہا ہوں کہ میں نے یہ کام نہ کئے ہوتے تو بہتر تھا وہ یہ ہیں:

۱۔ کاش میں نے فاطمہؑ کے دروازے کو زبردستی نہ کھلوایا ہوتا اگرچہ وہ اس دروازے کو میرے لئے جنگ کے لئے ہی بند رکھتے۔

۲۔ کاش میں نے فجاۃ سلمی کو نہ جلوایا ہوتا اسے زندہ جلانے کی بجائے میں نے اسے قتل کرایا ہوتا یا آزاد کیا ہوتا۔[1]

۳۔ کاش سقیفہ میں میں نے خلافت کا بوجھ نہ اٹھایا ہوتا۔ عمرؓ یا ابوعبیدہ خلیفہ بن جاتے اور میں ان کا وزیر ہوتا۔

وہ تین امور جو کہ کرنے چاہئے تھے لیکن میں نہ کرسکا اور ان کے نہ کرنے کا مجھے دکھ ہے وہ یہ ہیں:

۱۔ جس دن اشعث بن قیس کو قیدی بنا کر میرے سامنے لایا گیا تھا تو کاش میں نے اسے قتل کردیا ہوتا کیونکہ وہ ہر برائی میں پیش پیش رہتا ہے۔

۲۔ جب میں نے خالد بن ولید کو مرتدین (جنہوں نے حضرت ابوبکرؓ کو زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا تھا) سے جنگ کے لئے روانہ کیا تھا تو کاش میں

۱۔ یہ ایک شخص تھا جو مسلمان ہوا، مدینے میں آیا اور حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ میرے پاس زاد راہ نہیں ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس کی مدد کی اور سواری دی۔ وہ مدینے سے نکلا اور بغیر کسی مسلم اور غیر مسلم کی تخصیص کے لوگوں کے اموال کو لوٹنا شروع کردیا۔ بالآخر حضرت ابوبکرؓ نے اس کو پکڑوایا اور بقیع میں نذر آتش کرادیا۔ (الغدیر، ج ۷، نقل از تاریخ طبری، ابن اثیر و ابن کثیر)۔

خود بھی جاتا۔ اگر اس جنگ میں مسلمان کامیاب ہوتے تو اس کامیابی میں میرا بھی حصہ ہوتا اور اگر مسلمان مغلوب ہوتے تو میں شہادت حاصل کرلیتا۔ (مطلب یہ ہے کہ مالک بن نویرہ، خالد بن ولید کے ہاتھوں دردناک طور پر قتل نہ ہوتا)۔

۳۔ جب میں نے خالد کو شام کی طرف بھیجا تھا تو کاش اس وقت عمرؓ کو عراق کی تسخیر کے لئے روانہ کیا ہوتا۔ اگر میں نے ایسا کیا ہوتا تو میں سمجھتا کہ میں نے جہاد فی سبیل اللہ کے لئے اپنے دونوں بازو پھیلا دیئے ہیں۔

جن تین چیزوں کے پوچھنے کی آج حسرت دل میں ہے وہ یہ ہیں:

۱۔ کاش میں نے رسول خداؐ سے پوچھا ہوتا کہ خلافت کا حقدار کون ہے؟ اگر پوچھ لیا ہوتا تو کوئی بھی اس بارے میں مخالفت نہ کرتا۔

۲۔ کاش میں نے رسول خداؐ سے یہ پوچھ لیا ہوتا کہ خلافت میں انصار کا حصہ بھی ہے یا نہیں۔

۳۔ کاش میں نے رسول خداؐ سے بھتیجی اور پھوپھی کی میراث کے متعلق پوچھا ہوتا کیونکہ اس امر کے متعلق میرے دل میں شک ہے۔[۱]

اپنے قانون کی خود ہی نفی کرنا

علامہ امینی نے انتہائی حسین بات کی ہے کہ خلیفہ اول بننے کو تو بن گئے لیکن بعد میں انہوں نے سوچا کہ جس طریقے سے وہ برسر اقتدار آئے ہیں وہ سراسر غیر شرعی ہے اور اس کی قانونی شکل یہ ہے کہ منیب اپنے نائب کا اعلان کر کے

۱۔ تاریخ طبری، جلد۴، ص۵۲۔ الامامۃ والسیاسۃ، جلد۱، ص۱۸۔ مروج الذہب مسعودی، جلد۱، ص۴۱۴۔ عقد الفرید، جلد۲، ص۲۵۴۔

جائے اسی لئے انہوں نے حضرت عمرؓ کے لئے وصیت کی تھی کہ میرے بعد یہ میرے جانشین ہیں۔

تعجب ہے کہ اگر ایک خلیفہ اپنے جانشین کا تقرر کرے تو وہ جائز ہے لیکن اگر نبی اپنے خلیفہ کے تقرر کے لئے دستاویز لکھنا چاہیں تو اسے ہذیان کہہ کر رد کر دیا جائے۔

حضرت عمرؓ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں یہ خطرہ محسوس کر لیا تھا کہ جس طرح سے میں نے حضرت ابوبکرؓ کو منتخب کیا تھا تو میرے بعد بھی لوگ اسی طریقے سے کسی کو منتخب کر لیں گے اور انہوں نے اپنے ذہن میں سوچا کہ اگر کہیں لوگوں نے ان کے طریقے کو اپنا لیا تو ان کی مستقبل کی خلافت کے لئے منصوبہ بندی کی دھری رہ جائے گی۔ اسی لئے انہوں نے اعلان کیا کہ آئندہ خلافت کے لئے حضرت ابوبکرؓ والا طریقہ استعمال نہیں ہونا چاہئے۔ چنانچہ انہوں نے واشگاف الفاظ میں یہ اعلان کیا:

كانت بيعتة ابى بكر فلتة كفلتة الجاهلية وقى الله شرها فمن عاد الى مثلها فاقتلوه. ابوبکرؓ کی بیعت زمانۂ جاہلیت کے سے اچانک کاموں کی طرح سے ایک اچانک کام تھی لیکن اللہ نے اس کے شر سے بچالیا۔ اب جو کوئی ایسا کرے تو اسے قتل کر دو۔

ہمیں حضرت ابوبکرؓ پر تعجب ہے کہ انہوں نے مرض الموت میں اس خواہش کا اظہار کیا کہ کاش وہ مسند خلافت نہ سنبھالتے اور اپنی بجائے عمرؓ یا ابوعبیدہ کو خلیفہ بناتے تو یہ بہتر ہوتا۔

سوال یہ ہے کہ کیا ہزاروں صحابہ میں سے صرف مذکورہ دو افراد ہی ممتاز ترین فرد تھے؟ جبکہ ان سے بہتر کئی صحابی اس وقت موجود تھے اور خاص طور پر اس

وقت نفس رسول، داماد پیغمبر، خطیب منبر سلونی حضرت امیر المومنینؑ جیسی شخصیت بھی موجود تھی جن کی خلافت و امامت پر رسول اکرمؐ نے مقام غدیر پر نص قطعی فرمائی تھی اور جن کی ولایت کے اعلان سے اللہ نے دین کی تکمیل کی تھی، تو ان کی موجودگی میں حضرت ابوبکرؓ کو کیا پڑی تھی کہ کاش میں خلیفہ نہ بنتا اور فلاں فلاں میں سے کوئی ایک خلیفہ بن جاتا تو بہتر ہوتا۔

اگر حضرت ابوبکرؓ اپنے لئے خلافت کے خواہش مند نہیں تھے تو انہوں نے اصلی وارث خلافت کو ان کے حق سے محروم کیوں کیا اور اگر وہ انہیں محروم نہ کرتے تو ملت اسلامیہ طوفانوں کا شکار نہ ہوتی اور ان کی دنیا بھی سنور جاتی اور آخرت بھی سنور جاتی۔ اصل بات یہ تھی کہ حضرت ابوبکرؓ ایسا نہیں کرسکتے تھے کیونکہ پہلے سے جو معاہدہ طے ہو چکا تھا انہیں ہر حالت میں اس کی پاسداری کرنی تھی۔

اب ہم اس بحث کو مزید طوالت نہیں دینا چاہتے۔ البتہ ہم تاریخی نمونوں کے ضمن میں سقیفہ کے نقصانات پر مزید بحث کریں گے۔ اس حصے میں ہم خلفائے ثلاثہ کے زمانوں کا بالترتیب جائزہ لیں گے اور اس ضمن میں تاریخی واقعات کا تذکرہ کریں گے۔

حضرت ابوبکرؓ سے یہودی کے سوالات

انسؓ بن مالک کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ایک یہودی مدینے آیا اور اس نے مسلمانوں سے کہا کہ مجھے خلیفہ رسول کے پاس لے چلو۔ لوگ اسے حضرت ابوبکرؓ کے پاس لے گئے۔ اس نے کہا: میں آپ سے تین ایسے سوال کرنا چاہتا ہوں جن کا جواب یا نبی دے سکتا ہے یا پھر نبی کا وصی دے سکتا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے کہا: تمہیں جو کچھ پوچھنا ہے پوچھ لو۔

یہودی نے کہا: آپ مجھے میرے ان تین سوالوں کے جوابات دیں:

۱۔ وہ کون سی چیز ہے جو خدا کے لئے نہیں ہے؟

۲۔ وہ کون سی چیز ہے جو خدا کے پاس نہیں ہے؟

۳۔ وہ کون سی بات ہے جس کا علم خدا کو نہیں ہے؟

حضرت ابوبکرؓ نے جیسے ہی یہ سوال سنے تو ناراض ہو کر کہا: تمہیں حیا آنی چاہئے، اس طرح کے سوال تو کافر کرتے ہیں۔

مسلمان اسے مارنے کے لئے اٹھے۔ ابن عباسؓ نے کہا: تم لوگوں نے اس کے ساتھ انصاف کا برتاؤ نہیں کیا۔

حضرت ابوبکرؓ نے کہا: کیا تم نے اس کے سوال نہیں سنے؟

ابن عباسؓ نے کہا: اگر تمہیں جواب معلوم ہیں تو اسے بتاؤ۔ اگر تمہیں جواب معلوم نہیں تو پھر اسے علی بن ابی طالبؑ کے پاس لے چلو کیونکہ میں نے پیغمبر اکرمؐ سے سنا تھا کہ انہوں نے حضرت علیؑ کے لئے دعا کرتے ہوئے فرمایا: خدایا! اس کے دل کو نورانی بنا اور اس کی زبان کو ثابت رکھ۔

ابوبکرؓ حاضرین کو ساتھ لے کر حضرت علیؑ کے دروازے پر آئے اور دستک دے کر آپ کو بلایا۔ جب آپ تشریف لائے تو حضرت ابوبکرؓ نے حضرت علیؑ سے کہا: اے ابوالحسنؑ! اس یہودی نے مجھ سے کفر آمیز سوال کئے ہیں۔

حضرت علیؑ نے یہودی سے فرمایا: تم اپنے سوالات مجھ سے پوچھو۔

یہودی نے کہا: میں آپ سے ایسے تین سوالات پوچھنا چاہتا ہوں جن کا جواب نبی دے سکتا ہے یا نبی کا وصی دے سکتا ہے۔ اس کے بعد یہودی نے اپنے تینوں سوالات دہرائے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا:

۱۔ جو چیز خدا کے لئے نہیں ہے وہ شریک ہے۔ اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے۔

۲۔ جو چیز خدا کے پاس نہیں وہ ظلم ہے۔ اللہ کے پاس ظلم نہیں ہے۔

۳۔ جس چیز کو اللہ نہیں جانتا وہ تمہارا دعویٰ ہے کہ عزیرؑ، اللہ کے فرزند ہیں جبکہ اللہ اپنے کسی فرزند کو نہیں جانتا۔

یہودی نے جیسے ہی حضرت علیؑ کی زبانی یہ جواب سنے تو اس نے فوراً کہا:

اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمدًا رسول اللہ وانک وصی رسول اللہ. میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمدؐ، اللہ کے رسول ہیں اور آپ رسول اللہؐ کے وصی ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ اور تمام حاضرین نے آپ کی طرف رخ کر کے کہا: بے شک آپ مشکلات کے ہٹانے والے اور غم و اندوہ کے دور کرنے والے ہیں۔

نصرانی مسافرین اور ان کے سوالات

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد بادشاہ روم کے پاس نصرانیوں کا اجتماع ہوا اور انہوں نے کہا کہ ہم نے انجیل میں یہ بات پڑھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ایک نبی آئے گا جس کا نام احمدؐ ہوگا۔ ہمیں اس کی بعثت کا انتظار ہے۔ اس بارے میں جو آپ کی رائے ہو ہم اسے قبول کریں گے۔

بادشاہ روم نے ایک سو عیسائیوں کا انتخاب کیا اور ان سے کہا کہ وہ مدینہ جائیں اور مسلمانوں کے نبی کے وصی سے ملاقات کریں اور اس سے ایسے سوالات کریں جو انبیاء سے کئے جاتے ہیں۔ اگر وہ ان سوالات کا صحیح جواب دیدے تو تم مسلمانوں کے نبی اور اس کے وصی پر ایمان لانا اور مجھے بھی مطلع کرنا اور اگر وہ

جواب نہ دے سکے تو سمجھ لینا کہ مسلمانوں کا نبی شہرت وحکومت کا طلبگار تھا۔ پھر آنے والے پیغمبر کا انتظار کرتے رہنا۔

بادشاہ روم کے مقرر کردہ ایک سو افراد پہلے بیت المقدس آئے اور انہوں نے وہاں کے یہودی علماء سے اپنے ارادوں کا تذکرہ کیا۔ ان کے شوق دلانے پر ایک سو یہودی علماء بھی ان کے ساتھ مدینے کی طرف روانہ ہوئے۔ یہودیوں کے سردار کا نام راس الجالوت تھا۔

دو سو افراد پر مشتمل قافلہ سفر طے کر کے مدینہ آیا۔ مدینے سے باہر حضرت سلمان فارسیؓ سے ان کی ملاقات ہوئی۔ سلمانؓ انہیں اپنے ساتھ لے کر مسجد نبوی میں آئے۔ جمعہ کا دن تھا، مسجد کھچا کھچ بھری ہوئی تھی اور حضرت ابوبکرؓ مسجد میں بیٹھ کر فتویٰ دینے میں مصروف تھے۔

یہودی عالم راس الجالوت نے ان سے کہا: ہم یہود و نصاریٰ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہم آپ کے دین کی آزمائش کرنے آئے ہیں اور یہ موازنہ کرنے آئے ہیں کہ تمہارا دین ہمارے دین سے کیونکر افضل ہے۔ اگر ہم نے محسوس کیا کہ تمہارا دین بہتر ہے تو ہم اسے قبول کریں گے ورنہ ہم یہ سمجھیں گے کہ ہمارا دین دنیا کا بہترین دین ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے کہا: تمہیں جو کچھ پوچھنا ہے پوچھ لو۔ خدا نے چاہا تو میں تمہارے سوالوں کا جواب دوں گا۔

راس الجالوت نے کہا: میں اور آپ خدا کے ہاں کیسے ہیں؟

حضرت ابوبکرؓ نے کہا: اس وقت میں خدا کی نظر میں اور اپنی نظر میں مومن ہوں۔ البتہ میں مستقبل کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔

یہودی نے کہا: آپ اپنے جنت کے مکان کے اوصاف بیان کریں اور

میرے دوزخی مقام کی بھی وضاحت کریں کہ وہ کیسا ہے؟

یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے حاضرین کو امداد طلب نظروں سے دیکھا۔ کبھی عام حاضرین پر نظر ڈالتے اور کبھی عبداللہ بن مسعود پر نظر کرتے کہ شاید کوئی ان کی مدد کرے۔

یہودی نے اپنی مقامی زبان میں اپنے ساتھیوں سے کہا: معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص پیغمبر نہیں ہے۔

سلمانؓ کہتے ہیں کہ حاضرین نے میری طرف دیکھا تو میں نے کہا: تمہیں گھبرانے کی کیا ضرورت ہے کیونکہ وہ شخص اس وقت اپنے گھر میں موجود ہے جو ہمیشہ یہ کہا کرتا ہے کہ اگر میرے لئے مسند علم بچھادی جائے اور میں اس پر بیٹھ جاؤں تو اہل تورات کو تورات سے اور اہل انجیل کو انجیل سے اور اہل قرآن کو قرآن سے جواب دوں گا۔ میں ان کتابوں کے ظاہر کو بھی جانتا ہوں اور ان کے باطن کو بھی جانتا ہوں۔

اس کے بعد معاذ اٹھ کر حضرت علیؑ کے پاس گئے اور ان سے عرض کیا کہ آج مسجد نبوی میں اسلام کو خطرہ ہے۔ آپ تشریف لائیں کیونکہ یہود و نصاریٰ کا وفد آیا ہوا ہے اور خلیفہ صاحب لاجواب ہوچکے ہیں۔

یہ سن کر حضرت علی علیہ السلام مسجد کی طرف روانہ ہوئے۔ ابن مسعود کا بیان ہے کہ علیؑ کے آنے سے پہلے ہم اپنے دلوں میں سخت شرمندگی محسوس کر رہے تھے اور جب علیؑ آئے تو ہمارے سر فخر سے بلند ہوگئے۔

حضرت علی علیہ السلام نے آتے ہی راس الجالوت سے فرمایا: تمہیں جو کچھ پوچھنا ہے وہ مجھ سے پوچھو۔

راس الجالوت نے کہا: یہ بتائیں کہ خدا کے ہاں میں اور آپ کیسے ہیں؟

حضرت علیؑ نے فرمایا: میں موجودہ ساعت تک خدا کی نظر میں بھی مومن ہوں اور اپنی نظر میں بھی مومن ہوں اور آئندہ وقت کے لئے کچھ معلوم نہیں ہے کہ کیا ہوگا۔ جہاں تک تیرا سوال ہے تو اس وقت خدا کی نظر اور میری نظر میں تو کافر ہے۔ البتہ اس گھڑی کے بعد کیا ہوگا اس کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہے۔

راس الجالوت نے کہا: آپ اپنے جنتی مقام کی کیفیت بیان کریں اور میرے دوزخی مقام کے اوصاف بھی بیان فرمائیں تاکہ مجھے اپنا مقام چھوڑنے اور آپ کے مقام کے حاصل کرنے کا شوق پیدا ہو۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: میں نے جنت و جہنم کو دیکھا نہیں کہ تیرے لئے اس کی کیفیت بیان کروں۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے مومنین کے لئے جنت اور کافرین کے لئے جہنم تیار کی ہوئی ہے۔ اگر تو میری باتوں میں شک کرتا ہے تو تو اپنے انبیاء کو جھٹلاتا ہے اور تیرا دین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوگا۔

راس الجالوت نے کہا: آپ یہ بتائیں کہ آپ نے محمدؐ کے ذریعے سے خدا کو پہچانا یا خدا کے ذریعے سے محمدؐ کو پہچانا ہے؟

حضرت علیؑ نے فرمایا: میں نے خدا کو محمدؐ کے وسیلے سے نہیں پہچانا بلکہ خدا کے وسیلے سے محمدؐ کو پہچانا ہے کیونکہ محمدؐ ایک مخلوق محدود اور خدا کے بندے ہیں جنہیں خدا نے اپنی نبوت کے لئے منتخب کیا اور ان پر اپنی وحی نازل کی۔

راس الجالوت نے کہا: آپ نے سچ کہا۔

پھر اس نے پوچھا: یہ بتائیں کہ اللہ دنیا میں ہے یا آخرت میں ہے؟

حضرت علیؑ نے فرمایا: تمہارا سوال صحیح نہیں ہے کیونکہ جب کسی چیز کے متعلق کہا جاتا ہے کہ فلاں چیز فلاں ''میں'' ہے تو جس چیز میں کوئی چیز ہوتی ہے تو وہ محدود ہو جاتی ہے۔ اللہ کے متعلق یہ کہنا صحیح نہیں کہ وہ دنیا یا آخرت میں ہے

بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ جو کچھ دنیا یا آخرت میں ہے اسے خدا جانتا ہے۔

اعتذار:

علامہ امینی نے اس واقعے کو اسی جگہ ختم کردیا ہے۔ اسی لئے ہم بھی اس مکالمے کو یہاں ختم کرنے پر مجبور ہیں اور پورا مکالمہ نہ لکھنے کی وجہ سے اپنے قارئین سے معذرت خواہ ہیں۔

غصب فدک یا سقیفہ کا ایک نتیجہ

۲۱۸ھ ہجری میں امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کی اولاد میں سے کچھ سربرآوردہ افراد جمع ہو کر عباسی خلیفہ مامون کے پاس تشریف لائے اور اس سے فدک اور عوالی کی جاگیر کی واپسی کا مطالبہ کیا اور کہا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ زہراؑ کو مذکورہ جاگیر عنایت فرمائی تھی اور ابوبکرؓ نے ان کی جائیداد ضبط کرلی تھی۔ آپ ہمیں ہماری ضبط شدہ جاگیر واپس کردیں۔

مامون نے حجاز اور دوسرے شہروں سے دوسو علمائے اہلسنت کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ انہیں اس سلسلے میں جو کچھ معلوم ہے وہ اسے پوری دیانتداری سے دربار میں بیان کریں۔ چنانچہ کچھ علماء نے بشر بن ولید، واقدی اور بشر بن عتاب کی اسناد سے رسول اکرمؐ کے متعلق یہ بات روایت کی کہ جب خیبر فتح ہوا تو رسول اکرمؐ نے چند بستیاں اپنے لئے مخصوص کرلیں۔ اس وقت جبرئیل امینؑ نازل ہوئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام پہنچایا:

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ. آپ قرابتدار کو اس کا حق دیں۔

پیغمبر اکرمؐ نے پوچھا: قرابتدار سے کون مراد ہے اور حق سے کیا مراد ہے؟

جبرئیل امینؑ نے کہا: قرابت دار سے آپ کی صاحبزادی فاطمہ زہراؑ مراد

ہیں اور حق سے مراد یہ ہے کہ آپ انہیں فدک کی جاگیر عطا فرمائیں۔

اس حکم الٰہی کے بعد آپ نے فاطمہ زہراؑ کو فدک کی جاگیر ہبہ فرمائی اور اس کے بعد آپ نے ''عوالی'' کا بھی اضافہ کیا۔[1] رسول اکرمؐ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو تصرف سے روک دیا تھا۔ چنانچہ حضرت سیدہؑ نے اپنے استقرار حق کے لئے خلیفہ سے گفتگو کی اور فرمایا: فدک و عوالی کی جائیداد میرے والد گرامی نے مجھے ہبہ کی تھی۔

حضرت ابوبکرؓ نے کہا: میں آپ کے والد ماجد کی عطا کردہ جائیداد سے آپ کو محروم نہیں رکھنا چاہتا۔ انہوں نے مذکورہ جائیداد کی واپسی کے لئے سند لکھ کر دینی چاہی لیکن عمرؓ بن الخطاب نے انہیں ایسا نہ کرنے دیا۔[2]

حضرت عمرؓ نے کہا کہ آپ ان سے ہبہ فدک کے لئے گواہ طلب کریں۔

حضرت ابوبکرؓ نے بی بی سے گواہ طلب کئے تو بی بی نے ام ایمنؓ، اسماءؓ بنت عمیس اور علی ابن ابی طالبؑ کو بطور گواہ پیش کیا اور انہوں نے ہبہ فدک کی گواہی دی۔

۱۔ عوالی وہ زمینیں تھیں جو مدینے سے اوپر کی طرف تھیں جو چار میل کے فاصلے سے شروع ہوتی تھیں اور آٹھ میل کے فاصلے پر ختم ہوتی تھیں۔

۲۔ سیرت حلبیہ میں مذکور ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے سیدہؑ کی جائیداد کی واپسی کے لئے سند لکھی۔ اتنے میں عمرؓ بن الخطاب ان کے پاس آئے اور ان سے کہا: تم نے یہ سند کس کے لئے تحریر کی ہے؟

حضرت ابوبکرؓ نے کہا: میں نے دختر پیغمبر کی جائیداد کی واپسی کے لئے یہ سند لکھی ہے۔

عمرؓ بن الخطاب نے کہا: اگر تم نے فدک کی جائیداد سیدہؑ کو واپس کردی تو پھر فوج کا خرچ کہاں سے پورا کرو گے جبکہ اس وقت چاروں طرف سے عرب تمہارے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ پھر انہوں نے اس سند کو اٹھا کر پھاڑ دیا۔ (نقل از الغدیر، جلد ۷، ص ۱۹۴)

چنانچہ ملاحظہ کیجئے کہ عمرؓ نہیں چاہتے تھے کہ علیؑ مالی اعتبار سے آسودہ ہوں۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ تنگدست رہیں تاکہ اپنے حامی اور ناصر اکٹھا نہ کرسکیں۔ دیکھئے کہ لشکر کا خرچ پورا کرنے کے لئے کس طرح حضرت فاطمہ زہراؑ کے ثابت شدہ حق کو پامال کیا گیا۔

چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے فدک کی واپسی کے لئے سند تحریر کردی۔

حضرت عمرؓ کو سند کے متعلق جیسے ہی معلوم ہوا تو انہوں نے سند اٹھالی اور کہا: فاطمہؑ ایک عورت ہے۔ علیؑ اس کا شوہر ہے اور فدک کی واپسی میں علیؑ کا ذاتی فائدہ ہے۔ جب کسی گواہ کو ذاتی فائدہ ملنے کا امکان ہو تو اس کی وہ گواہی قابل قبول نہیں ہوتی۔ باقی ام ایمن اور اسماء کا جہاں تک معاملہ ہے تو وہ دوعورتیں ہیں جب تک ان کی گواہی کے ساتھ ایک مرد کی گواہی شامل حال نہ ہو اس وقت تک ان کی گواہی قابل قبول نہیں ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے جناب سیدہ فاطمہ زہراؑ کو پیغام بھیجا کہ ان کا نصاب شہادت نامکمل ہے۔

حضرت فاطمہ زہراؑ، حضرت ابوبکرؓ کے پاس تشریف لے گئیں اور ان فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے، ان گواہوں نے حق و صداقت پر مبنی گواہی دی ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے جواب میں کہا: شاید آپ کی بات درست ہو لیکن آپ جب تک غیر جانب دار گواہ پیش نہ کریں گی اس وقت تک میں آپ کے حق میں فیصلہ نہیں کروں گا۔

حضرت سیدہؑ نے فرمایا: کیا تم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بات نہیں سنی تھی کہ اسماءؓ بنت عمیس اور ام ایمنؓ جنتی خواتین ہیں؟

حضرت ابوبکرؓ نے کہا: جی ہاں! ہم نے یہ بات سنی تھی۔

حضرت سیدہؑ نے فرمایا: پھر خود سوچو کہ جنتی خواتین جھوٹی گواہی کیسے دے سکتی ہیں؟

اس کے بعد حضرت سیدہؑ روتی ہوئی مسجد نبوی سے تشریف لائیں اور

فرمایا کہ میرے والد ماجد نے مجھے بتایا تھا کہ ان کی وفات کے تھوڑے دن بعد میں بھی دنیا سے رخصت ہو جاؤں گی۔ خدا کی قسم! میں اپنے والد کے حضور تم دونوں کی شکایت کروں گی۔

پھر چند دنوں بعد حضرت سیدہؑ بیمار ہوئیں اور انہوں نے اپنے آخری لمحات میں اپنے شوہر کو وصیت کی کہ ابوبکرؓ و عمرؓ ان کے جنازے میں شریک نہ ہوں۔ بی بی نے شیخین سے قطع تعلق کرلیا اور ان سے کلام کرنا چھوڑ دیا یہاں تک کہ ان کی وفات ہوگئی۔[1]

دوسرے دن مامون نے ایک ہزار علماء ودانشوروں کو اپنے دربار میں طلب کیا اور ان کے سامنے مکمل واقعات پیش کیے۔ پھر انہیں خدا کا واسطہ دے کر کہا کہ وہ پوری دیانتداری کے ساتھ اس مسئلے کے متعلق ایک دوسرے سے مباحثہ کریں۔

مباحثے کے دوران علماء دو حصوں میں تقسیم ہوگئے۔ ایک گروہ کا کہنا تھا کہ مقدمہ فدک میں علیؑ ذی نفع تھے۔ اسی لئے ان کی گواہی قابل قبول نہیں تھی۔ البتہ دو خواتین نے سیدہؑ کے حق میں گواہی دی تھی اور حضرت سیدہؑ نے خود قسم کھا کر اپنی صداقت کی تائید کی تھی۔ لہذا مدعیہ کی قسم اور دو خواتین کی گواہی سے بی بیؑ کا حق ثابت ہو جاتا ہے۔

دوسرے گروہ کا یہ موقف تھا کہ مدعیہ کی قسم کو ایک گواہ کے برابر نہیں مانا جاسکتا۔ البتہ علیؑ کی گواہی مسلّم و معتبر ہے۔ لہذا اس مقدمہ میں ایک مرد اوز دو عورتوں کی گواہی موجود ہے اس لحاظ سے بی بی کا حق ثابت ہو جاتا ہے۔

بہرنوع علماء کے دونوں گروہوں نے کہا کہ بی بی کا حق ہر لحاظ سے ثابت ہو جاتا ہے۔

۱۔ انوار نعمانی، جلد۱، ص۸۹۔ بحوالہ تاریخ عباسی مولفہ یکی از اہلسنت۔

اس مباحثے کے بعد مامون نے علماء سے فضائل علیؑ کی احادیث بیان کرنے کا تقاضا کیا۔ بہت سے علماء نے فضائل علیؑ کی بہت سی احادیث بیان کیں۔

اس کے بعد مامون نے علماء سے حضرت سیدہؑ کی فضائل کی احادیث بیان کرنے کا تقاضا کیا۔ علماء نے حضرت سیدہؑ کے فضائل کی بھی بہت سی احادیث بیان کیں۔

اس کے بعد مامون نے اسماءؓ بنت عمیس اور ام ایمنؓ کے متعلق پوچھا۔

علماء نے کہا: ان دونوں کے اہل جنت ہونے کی بشارت رسول اکرمؐ نے خود دی تھی۔

اس کے بعد مامون نے کہا: آپ حضرات نے حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ کی فضیلت میں بہت سی احادیث بیان کی ہیں۔ تو کیا جن بزرگوار شخصیات کے رسول اکرمؐ نے اتنے فضائل بیان کئے تھے ان کے متعلق یہ سوچا بھی جاسکتا ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کے مال کو ہتھیانے کے لئے غلط دعویٰ کیا ہوگا اور گواہوں نے غلط دعویٰ کی تصدیق میں اپنی گواہی دی ہوگی؟ یقیناً حضرت سیدہؑ کا مقام اس سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے کہ وہ عصمت و طہارت کی ملکہ ہو کر غلط دعویٰ کریں اور حضرت علیؑ کا مقام بھی اس سے کہیں بلند و بالا ہے کہ وہ بیوی کے غلط دعویٰ کی تصدیق کریں اور اسماءؓ اور ام ایمنؓ دونوں جنتی خواتین کے متعلق بھی سوچنا غلط ہے کہ انہوں نے جھوٹی گواہی دی ہوگی۔ حضرت فاطمہ زہراؑ اور ان کے گواہوں کی عیب جوئی کتاب خدا کی عیب جوئی اور دین کے ساتھ کفر ہے۔

اس کے بعد مامون نے یہ روایت پڑھ کر تمام علماء کو لاجواب کردیا:

وفات پیغمبر کے بعد حضرت علیؑ نے اعلان کیا تھا کہ جس نے رسول اکرمؐ سے قرض لینا ہو یا جس کے ساتھ رسول اکرمؐ نے کوئی وعدہ کیا ہو تو وہ ان کے

پاس آئے اور ان سے اپنا قرض اور وعدہ وصول کر لے۔ حضرت علیؑ کا یہ اعلان سن کر بہت سے افراد حضرت علیؑ کے پاس آئے اور سب نے اپنے اپنے دعوے پیش کیئے۔ حضرت علیؑ نے کسی سے گواہ طلب نہ کیئے۔ جس نے جتنا بھی مطالبہ کیا حضرت علیؑ نے فوراً ادا کر دیا۔

اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے بھی اپنی طرف سے یہ اعلان کر دیا کہ جس نے رسول اکرمؐ سے قرض لینا ہو یا جس سے حضور اکرمؐ نے کوئی وعدہ کیا ہو تو وہ ان کے پاس آئے۔ اس اعلان کے بعد جریر بن عبداللہ، حضرت ابوبکرؓ کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ پیغمبر اکرمؐ نے مجھ سے اتنی رقم کا وعدہ کیا تھا۔

حضرت ابوبکرؓ نے اس سے کوئی گواہ طلب نہ کیا اور اسے اس کی مطلوبہ رقم فراہم کر دی۔

بحرین سے خلیفہ صاحب کے پاس مال آیا تو جابر بن عبداللہ انصاری، ابوبکرؓ کے پاس گئے اور کہا: رسول اکرمؐ نے مجھ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ جب بحرین سے مال آئے گا تو میں تجھے اس میں سے تین مٹھیاں بھر کر دوں گا۔

حضرت ابوبکرؓ نے جابر بن عبداللہ انصاری سے کوئی گواہ طلب نہ کیا اور انہیں مال بحرین میں سے تین مٹھیاں بھر کر ان کے حوالے کیں۔

جمع بین الصحیحین کے مطابق جب جابر نے انہیں شمار کیا تو وہ پانچ سو درہم تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے انہیں مزید پانچ سو درہم عطا کیئے۔

اس کے بعد مامون نے علماء کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: کیا حضرت فاطمہ زہراؑ اور ان کے گواہوں کا مقام جریر بن عبداللہ اور جابر بن عبداللہ کے برابر بھی نہیں تھا؟ آخر کیا وجہ تھی کہ جریر اور جابر کی زبان پر اعتماد کر کے ان کا مطالبہ تو مان لیا گیا مگر بنت پیغمبر سے گواہ طلب کرنے کے باوجود بھی انہیں ان کے حق سے

محروم رکھا گیا؟ حالانکہ فاطمہ زہراؑ کا دعویٰ، علیؑ، اسماءؓ، اور ام ایمنؓ کی گواہی سے ثابت ہو چکا تھا۔

اس کے بعد مامون نے فدک وعوالی کی جائیداد محمدؒ بن یحییٰؒ بن علیؑ بن الحسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ کے حوالے کی اور کہا کہ وہ مذکورہ جائیداد کو بنا سنوار کر فاطمہ زہراؑ کے وارثوں میں تقسیم کر دے۔

علامہ امینی نے الغدیر کی جلد ہفتم کے صفحہ ۱۹۶ پر لکھا:

مامون نے مبارک طبرسی کو جو کہ اس کی طرف سے فدک کا نگہبان تھا، یہ تحریر کیا کہ وہ فدک کو فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے وارثان بازگشت میں تقسیم کر دے اور اس کام کے لئے محمدؒ بن یحییٰؒ بن زیدؒ بن علیؑ بن الحسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ اور محمدؒ بن عبداللہؒ بن حسنؒ بن علیؑ بن الحسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ کی خدمات حاصل کرے۔

تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ فدک مختلف ادوار میں مختلف ہاتھوں میں کھلونا بنا رہا:

۱۔ حضرت رسول مقبولؐ نے فدک کی جائیداد اپنی صاحبزادی کو ہبہ فرمائی تھی لیکن آنحضرتؐ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے حضرت سیدہؑ سے چھین کر اسے قومی تحویل میں لے لیا تھا۔

۲۔ حضرت عثمانؓ نے فدک کی جائیداد مروان بن الحکم کو عطا کی تھی۔

۳۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے خاندان سے فدک واپس لے کر اولاد فاطمہؑ کے حوالے کیا۔

۴۔ یزید بن عبدالملک نے اولاد فاطمہؑ سے چھین کر بنی امیہ کے حوالے کر دیا۔

۵۔ ابوالعباس سفاح عباسی نے بنی امیہ سے چھین کر بنی فاطمہؑ کو واپس کیا۔

۶۔ اس کے بھائی منصور دوانقی نے اولاد فاطمہؑ سے فدک چھین لیا۔

۷۔ منصور کے بیٹے مہدی نے فدک اولاد فاطمہؑ کو واپس کیا۔

۸۔ موسیٰ بن مہدی اور اس کے بھائی نے فدک اولاد فاطمہؑ سے چھین لیا۔

۹۔ مامون نے فدک اولاد فاطمہؑ کے سپرد کیا۔

۱۰۔ متوکل نے اولاد فاطمہؑ سے فدک واپس لے لیا۔

۱۱۔ واثق نے فدک اولاد فاطمہؑ کو واپس کیا۔

۱۲۔ واثق کے بعد پھر اولاد فاطمہؑ سے فدک کو واپس لے لیا گیا۔

۱۳۔ مستنصر عباسی نے اولاد فاطمہؑ کو فدک واپس کیا۔

۱۴۔ بعد ازاں اولاد فاطمہؑ سے فدک واپس لے لیا گیا۔

۱۵۔ راضی باللہ عباسی نے فدک اولاد فاطمہؑ کو واپس کیا۔

عباسی عہد حکومت میں جو خلیفہ اولاد علیؑ کا خیرخواہ ہوتا تھا، وہ فدک واپس کر دیتا تھا اور جب کوئی دشمن آل محمدؐ خلیفہ بنتا تو وہ واپس لے لیتا تھا۔

(انوار نعمانی، جلد اول، ص ۴۷)

کیا صدیقہ کبریٰؑ شیخین سے ناراض تھیں

ابن قتیبہ نے الامامۃ والسیاسۃ کی جلد اول صفحہ ۱۴ پر تحریر کیا:

حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا: آؤ! فاطمہؑ کے پاس چلیں، ہم نے انہیں غضب ناک کیا ہے۔

دونوں حضرت زہراؑ کے گھر کی طرف چلے اور بی بی سے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ بنت پیغمبر نے انہیں گھر میں آنے کی اجازت نہ دی۔ انہوں نے حضرت علیؑ سے رابطہ کیا تا کہ وہ ان کے لئے اجازت حاصل کریں۔ حضرت علیؑ

ان دونوں کولیکر بی بی کے پاس گئے۔ بی بی نے انہیں دیکھ کر اپنا منہ دیوار کی طرف پھیر لیا۔ انہوں نے سلام کیا لیکن بی بی نے ان کے سلام کا کوئی جواب نہ دیا۔

حضرت ابوبکرؓ نے کہا: اے محبوبہ پیغمبر! خدا کی قسم مجھے رسول اکرمؐ کے رشتہ دار اپنے رشتہ داروں سے زیادہ عزیز ہیں۔ آپ مجھے میری اپنی بیٹی عائشہؓ سے زیادہ عزیز ہیں۔ میں چاہتا تھا کہ آپ کے والد کی موت کے دن میں مر جاتا اور وہ زندہ رہتے۔ کیا آپ یہ سمجھتی ہیں کہ میں آپ کی فضیلت و شرافت کو جان پہچان کر بھی آپ کو میراث اور آپ کے حق سے محروم رکھا ہے؟ نہیں ایسا نہیں ہے۔ میں نے پیغمبر اکرمؐ سے سنا تھا کہ ہم کوئی چیز میراث میں نہیں چھوڑتے اور ہم جو کچھ چھوڑ جائیں تو وہ صدقہ ہوتا ہے۔

حضرت فاطمہؑ نے کہا: اگر میں تمہیں رسول اکرمؐ کی ایک حدیث یاد دلاؤں تو کیا تم اس پر عمل کرو گے؟

انہوں نے کہا: جی ہاں۔

پھر بی بی نے فرمایا: میں تمہیں خدا کی قسم دے کر تم سے پوچھتی ہوں کہ کیا تم نے پیغمبر اکرمؐ سے یہ نہیں سنا تھا کہ فاطمہؑ کی رضا میری رضا ہے اور فاطمہؑ کی ناراضگی میری ناراضگی ہے؟ جس نے اس سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے اسے راضی کی اس نے مجھے راضی کیا اور جس نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا؟

شیخین نے کہا: جی ہاں! ہم نے رسول خداؐ سے یہ حدیث سنی تھی۔

اس وقت حضرت فاطمہ زہراؑ نے فرمایا: میں خدا اور اس کے فرشتوں کو گواہ بنا کر کہتی ہوں کہ تم دونوں نے مجھے ناراض کیا ہے اور مجھے راضی نہیں کیا۔ میں جب رسول خداؐ سے ملوں گی تو تم دونوں کی شکایت کروں گی۔

حضرت ابوبکرؓ نے کہا: میں رسول خداؐ اور آپ کی ناراضگی سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں۔ اس کے بعد ابوبکرؓ اتنا روئے کہ ان کی جان نکلنے کے قریب ہوگئی۔

فاطمہ زہراؑ مسلسل کہتی رہیں: **واللہ لادعون علیک فی کل صلاۃ اصلیھا**۔ خدا کی قسم! میں ہر نماز میں تجھے بددعا کروں گی۔

حضرت ابوبکرؓ روتے ہوئے باہر آئے تو لوگ ان کے گرد جمع ہوگئے۔ انہوں نے لوگوں سے کہا: تم میں سے ہر شخص آرام وسکون کی زندگی بسر کر رہا ہے اور تم میں سے ہر شخص اپنی بیوی کے ساتھ شب بسر کر رہا ہے۔ لیکن میں اس گرفتاری میں مبتلا ہو چکا ہوں۔ مجھ سے میری بیعت واپس لو۔ مجھے تمہاری بیعت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

مکتب تسنن کے حدیث کے مشہور امام محمد بن اسماعیل بخاری نے اپنی صحیح کی جلد پنجم، باب فرض خمس، صفحہ ۵ پر بی بی عائشہؓ کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے کہ فاطمہؑ بنت پیغمبرؐ نے رسول اکرمؐ کی وفات کے بعد ابوبکرؓ سے ان کی میراث تقسیم کرنے کا مطالبہ کیا۔ ابوبکرؓ نے کہا کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا تھا کہ ہم کوئی چیز میراث میں نہیں چھوڑتے اور جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔

فاطمہ زہراؑ، ناراض ہوگئیں اور انہوں نے ابوبکرؓ سے دوری اختیار کر لی اور مسلسل ناراض رہیں یہاں تک کہ ان کی وفات ہوگئی۔[1]

امام علی رضا علیہ السلام خراسان میں گھوڑے پر سوار ہو کر آرہے تھے کہ اولاد برامکہ میں سے ایک شخص نے آپ کے گھوڑے کی لگام کو پکڑ کر آپ سے پوچھا: آپ ابوبکرؓ و عمرؓ کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: **سبحان اللہ والحمدللہ ولا الہ الا**

۱۔ بنقل الغدیر، جلد ۷، ص ۲۲۶۔

اللہ واللہ اکبر۔ لیکن اس شخص نے باربار اپنے سوال پر اصرار کیا تو آپ نے اس سے فرمایا: كانت لنا ام صالحة ماتت وهی علیهما ساخطة ولم يأتنا بعد خبر انها رضيت عنهما. ہماری ایک مقدس اور صالح ماں تھیں جو ان پر ناراض تھیں اور ناراضگی کی حالت میں ہی دنیا سے رخصت ہوئیں۔ ان کی وفات کے بعد ہمارے پاس ایسی کوئی خبر نہیں پہنچی کہ وہ ان سے راضی ہوگئیں۔[1]

تاریخ ابن کثیر، جلد ششم، ص۳۳۳ پر مرقوم ہے:

فاطمہ زہراؑ اپنی زندگی میں ابوبکرؓ پر ناراض رہیں اور وہ اتنی سخت ناراض تھیں کہ انہوں نے حضرت علیؑ کو وصیت کی تھی کہ وہ انہیں رات کے وقت دفن کریں تاکہ خلیفہ کو علم ہی نہ ہو۔ حضرت علیؑ نے ان کی وصیت پر پورا عمل کیا اور تاریکی شب میں انہیں دفن کردیا اور خلیفہ کو اطلاع تک نہ دی۔

کسی شاعر نے کیا ہی خوب کہا تھا:

ولای الامور تدفن لیلا

بضعة المصطفیٰ و یعفیٰ ثراها

دختر پیغمبر کو آخر کس وجہ سے رات کے وقت دفن کیا جارہا ہے اور ان کی قبر کا نشان مٹایا جارہا ہے؟

سقیفہ سے جنم لینے والا سپہ سالار

خلیفہ اول نے خالد کو لشکر کا سالار مقرر کر کے ''بطاح'' کی جانب روانہ کیا۔ اس کے آنے سے قبل مالک بن نویرہ نے بنی یربوع کو متفرق ٹولیوں میں ادھر ادھر کردیا تھا۔ جب خالد بطاح پہنچا تو وہاں کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ اس نے

۱۔ انوار نعمانیہ، جلد اول، ص۴۷۔

لشکر کو اطراف میں روانہ کیا کہ جاؤ دیکھو جو بھی اسلام سے سرپیچی کرے اسے یہاں لے آؤ اور اگر کوئی یہاں آنے سے انکار کرے تو اسے قتل کردو۔

خلیفہ نے اپنے سالار کو روانہ کرتے وقت یہ وصیت کی تھی کہ وہ جہاں بھی جائے تو وہاں اذان و اقامت کہے۔ اگر وہاں کے رہنے والے بھی اذان و اقامت کہیں تو انہیں کچھ نہ کہے اور اگر وہ جواب میں اذان و اقامت نہ کہیں تو انہیں جیسے تمہارا جی چاہے قتل کرو، اگر چاہو تو انہیں آگ میں جلا دو اور ان کے گھروں کو لوٹ لو۔ اگر وہ اسلام کا اقرار کریں تو ان سے زکوٰۃ کے متعلق سوال کرو اگر وہ زکوٰۃ کا اقرار کریں تو قبول کرلو اور اگر انکار کریں تو انہیں لوٹنے پر اکتفا کرو۔ اس کے علاوہ ان سے مزید تعرض نہ کرو۔

مالک بن نویرہ اور بنی ثعلبہ بن یربوع کے چند افراد جن میں عاصم، عبید، عرین، جعفر نمایاں تھے، ان سب کو خالد بن ولید کے سامنے پیش کیا گیا۔

ابوقتادہ انصاری بھی خالد کے لشکر میں موجود تھے۔ انہوں نے خالد کے سامنے گواہی دی کہ ان لوگوں نے اذان و اقامت کہی تھی۔

خالد نے ان لوگوں کے قید کرنے کا حکم دیا۔ رات بہت سرد تھی اور سردی کی شدت میں لحہ بہ لحہ اضافہ ہو رہا تھا۔ خالد نے حکم دیا کہ تمام قیدیوں کو تہہ تیغ کر دیا جائے۔

تاریخ طبری کی جلد سوم صفحہ ۲۴۱ پر مرقوم ہے:

خالد بن ولید نے مالک بن نویرہ کی بیوی کو دیکھ لیا تھا۔ وہ انتہائی حسین و جمیل عورت تھی۔

مالک نے جیسے ہی محسوس کیا کہ خالد اس کی بیوی کو دیکھ چکا ہے تو اس نے اپنی بیوی سے کہا: تو میرے قتل کا سبب بن گئی ہے۔ یعنی میں اپنے ناموس کی

حفاظت کے لئے قتل ہو جاؤں گا۔

مالک بن نویرہ کے جملے کا جو مطلب طبری نے نکالا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب مالک نے دیکھا کہ خالد اس کی بیوی کو دیکھ چکا ہے تو اسے یقین ہوگیا کہ خالد اس کی بیوی کو ہتھیانے کے لئے ضرور اس پر ارتداد کا الزام لگا کر قتل کردے گا اور اس ذریعے سے وہ اس کی بیوی پر تصرف حاصل کرے گا۔

زمخشری، ابن اثیر، ابوالفداء اور زبیدی نے لکھا:

جس دن خالد نے مالک کو قتل کیا اس نے اسی دن اپنی بیوی سے کہا تھا: تو نے اپنے حسن و جمال کی وجہ سے مجھے قتل کے خطرے میں ڈال دیا ہے۔ اسی لئے ضروری ہے کہ میں تیرا دفاع کروں اور اپنے ناموس کی حفاظت کروں۔ مالک کی بیوی انتہائی حسین اور متناسب اعضاء رکھنے والی عورت تھی۔ خالد نے مالک کو قتل کر کے اسی رات اس سے شادی کی۔

یہ خبر مدینے پہنچی۔ حضرت عمرؓ اس سے مطلع ہوئے تو انہوں نے اس موضوع کے متعلق ابوبکرؓ سے کئی بار گفتگو کی اور انہوں نے کہا: اس دشمن خدا نے ایک مرد مسلمان پر تجاوز کیا اور اسے ناحق قتل کیا۔ پھر اس کی بیوی پر متصرف ہوا۔

کچھ دن بعد خالد بن ولید مدینے آیا اور مسجد میں داخل ہوا۔ خالد نے اس وقت اپنی مخصوص قبا پہنی ہوئی تھی جسے وہ فخر و انبساط کے اوقات میں پہنا کرتا تھا، اس نے اپنے آپ کو لوہے کے ہتھیاروں سے سجایا ہوا تھا اور اپنی خود میں کچھ تیر آویزاں کر رکھے تھے۔

جب وہ اس ہیئت کے ساتھ مسجد میں آیا تو حضرت عمرؓ نے اٹھ کر اس کے خود سے تیر نکال کر توڑ دیئے اور اس سے کہا: تو ایک مسلمان کو قتل کرتا ہے اور پھر اس کے ناموس کو برباد کرتا ہے۔ خدا کی قسم میں تجھے سنگسار کروں گا۔

خالد نے عمرؓ کے جواب میں کچھ نہ کہا۔ اس کا خیال تھا کہ ابوبکرؓ کی رائے بھی عمرؓ کی رائے کے مطابق ہے۔ پھر خالد مسجد سے اٹھ کر حضرت ابوبکرؓ کے گھر گیا اور انہیں حالات سے مطلع کیا اور ان سے عذر خواہی کی۔

ابوبکرؓ نے اسے معاف کردیا اور اس جنگ میں اس سے جو غلطیاں سرزد ہوئی تھیں ان سے چشم پوشی کی۔

جب ابوبکرؓ، خالد سے راضی ہوگئے تو خالد مسجد میں آیا اور عمرؓ بن الخطاب کو دیکھ کر کہا: **هلم الی یابن ام شملہ.** اے ام شملہ کے فرزند میری طرف آؤ۔

جب حضرت عمرؓ نے خالد کی یہ جسارت ملاحظہ کی تو انہیں یقین ہوگیا کہ وہ ابوبکرؓ کو راضی کر کے آیا ہے۔ اسی لئے حضرت عمرؓ نے اس سے کوئی بات نہ کی اور اپنے گھر روانہ ہوگئے۔

سوید کا بیان ہے کہ باقی مقتولین کی بہ نسبت مالک بن نویرہ کے بال لمبے اور گھنے تھے۔ مالک کو قتل کر کے خالد نے اس کی بیوی پر تصرف حاصل کیا اور اس نے ولیمہ کے لئے دیگیں پکوائیں تو دیگوں کے نیچے پتھروں کی بجائے مقتولین کے سر رکھے گئے اور ان سروں پر دیگیں رکھ کر پکائی گئیں۔ دیگوں کے نیچے کی آگ نے باقی سروں کی پوست کو متاثر کیا لیکن مالک کے سر کی کھال اس کے لمبے اور گھنے بالوں کی وجہ سے محفوظ رہی۔[1]

مالک بن نویرہ کے قتل کے بعد اس کے بھائی متمم بن نویرہ نے اپنے بھائی کے مرثیے میں بڑے دردناک اشعار کہے اور اس نے اپنے خاندان کے اسیروں کی واپسی کا مُطالبہ بھی کیا۔ اس نے مسجد نبوی میں حضرت ابوبکرؓ کے سامنے اپنے بھائی کے مرثیے کے اشعار پڑھے اور خالد کی سنگدلی کا تذکرہ کیا۔

۱۔ بنقل الغدیر، جلد ۷، ص ۱۵۸ تا ۱۸۰۔

حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے اصرار کیا کہ وہ خالد کو سالار کے منصب سے معزول کردیں کیونکہ اس کی تلوار کی نوک سے بے گناہوں کا خون ٹپک رہا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے کہا: جس تلوار کو خدا نے نیام سے نکالا ہے میں اسے نیام میں نہیں ڈالوں گا۔

پھر حضرت ابوبکرؓ نے مالک بن نویرہ کی ماں کو مالک کے قتل کی دیت کی پیشکش کی اور بجائے قصاص دینے کے انہوں نے خالد سے کہا کہ وہ مالک کی بیوی کو طلاق دیدے۔

قتل مالک پر علامہ امینی کا تبصرہ

علامہ امینی مالک بن نویرہ کے قتل کے واقعات کے بعد لکھتے ہیں:

اس ناخوشگوار واقعے کے دو پہلوؤں پر خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔

اول: خالد کے اس جرم کی شدت پر نظر کرنی چاہئے۔ خالد نے جو کچھ کیا اسلام کا دعویدار کوئی بھی شخص اس طرح کے ظلم کا تصور تک نہیں کرسکتا۔ خالد کا فعل قرآن کریم کی آیات اور سنت پیغمبر کے سراسر خلاف تھا اور خدا و رسولؐ پر ایمان رکھنے والا ہر شخص ایسے انسان سے بیزاری کا اظہار کرتا ہے۔

قرآن مجید کی کس آیت اور پیغمبر اکرمؐ کی کس حدیث نے خالد کو بے گناہ مسلمانوں کے قتل کی اجازت دی تھی؟ خالد کے پاس مالک کے قتل کرنے کا کیا جواز تھا؟ جبکہ مالک رسول خداؐ کا صحابی تھا، رسول اکرمؐ نے اسے اس کی قوم کا عامل صدقات مقرر کیا تھا، وہ زمانہ جاہلیت اور اسلام میں ایک محترم انسان مانا جاتا تھا اور اسے بادشاہوں کی ردیف میں شمار کیا جاتا تھا۔

خالد کی سنگدلی اور بے رحمی کی انتہا یہ ہے کہ اس نے مقتولین کے سروں

کو پتھروں کی جگہ دیگوں کے نیچے رکھ کر شادی کا کھانا تیار کرایا۔ اس نے ایسا کر کے اسلام کو دنیا میں بدنام کیا۔ ابھی مالک کی لاش تڑپ رہی تھی کہ خالد نے اس کی بیوی سے زفاف کیا۔ اس سے بڑھ کر سنگدلی کی اور کیا مثال بیان کی جاسکتی ہے؟

مالک نے جب اپنی بیوی پر خالد کی رال کو ٹپکتا دیکھا تھا تو اسے یقین ہوگیا تھا کہ اب اس کا زندہ رہنا مشکل ہوچکا ہے اور وہ بے چارہ اپنی غیرت و ناموس کی وجہ سے قتل ہوا۔

نبی اکرمؐ کا فرمان ہے: **من قتل دون اهله فهو شهيد.** جو اپنے ناموس کی حفاظت کے لئے قتل ہو جائے تو وہ شہید ہے۔

اگر خالد کا کوئی مداح یہ عذر پیش کرے کہ خالد نے مالک کو اس لئے قتل کیا تھا کہ وہ مانع زکوٰۃ تھا۔ اس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ یہ صرف عذر لنگ ہے کیونکہ جو خدا اور رسولؐ پر ایمان رکھتا ہو اور جو بلند آواز سے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرتا ہو اور پیغمبر نے اسے عامل زکوٰۃ مقرر کیا ہو تو وہ منکر زکوٰۃ بھلا کیسے ہوسکتا ہے؟

سوال یہ ہے کہ اگر ایک شخص کسی مخصوص فرد کو زکوٰۃ نہ دے تو کیا اسے اس بنا پر مرتد قرار دیا جاسکتا ہے؟ اور کیا اسے قتل کیا جاسکتا ہے؟

جبکہ رسول اکرمؐ کا واضح فرمان ہے: **لا يحل دم امرى مسلم الا باحدى ثلاث. رجل كفر بعد اسلامه اوزنى بعد احصانه او قتل نفسا بغير نفس.** کسی بھی مسلمان کا خون تین وجوہات میں سے کسی ایک کے بغیر حلال نہیں ہے۔ (۱) جو اسلام کے بعد کفر اختیار کرے۔ (۲) شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کرے۔ (۳) کسی کو ناحق قتل کرے۔

جبکہ مالک بن نویرہ نے اسلام کے بعد کفر نہیں کیا تھا۔ اس نے شادی

شدہ ہونے کے بعد زنا کا ارتکاب نہیں کیا تھا اور اس نے کسی کو ناحق قتل بھی نہیں کیا تھا تو آخر خالد نے اسے کس جرم میں قتل کیا؟

دوم: خالد نے جو جرم کیا سو کیا۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سقیفائی حکمران نے ایسے شخص کو سپہ سالاری جیسا کلیدی عہدہ کیوں دیا؟ ایسے شراب خوار اور ظلم ڈھانے والے کو مسلمانوں کی عزت و آبرو برباد کرنے کی کھلی چھوٹ کیوں دی؟ اپنے لشکر کو یہ وصیت کیوں کی کہ وہ اہل ارتداد کو آگ میں جلادیں؟ کیا آگ میں جلانا انسانیت کے شرف کی توہین نہیں ہے؟ جب خالد نے ان جرائم کا ارتکاب کیا تو خلیفہ نے اس کا محاسبہ کیوں نہ کیا؟ اس سے مسلمان مقتولین کا قصاص کیوں نہ لیا؟ اس پر حد زنا جاری کرنے سے اجتناب کیوں کیا؟

سوال یہ ہے کہ اگر خلیفہ کسی وجہ سے سخت مجبور تھے اور اس سے قصاص نہیں لے سکتا تھے اور اس پر زنا کی حد شرعی نافذ کرنے سے بھی مجبور تھے تو کم از کم اسے معزول تو کیا جاسکتا تھا۔ لیکن اس قضیہ میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اسے معزول کرنا تو رہا، الٹا اس کی حوصلہ افزائی کی گئی۔

ہمیں یہ بات بھی معلوم ہے کہ خلیفہ نے مالک کے قتل اور اس کی بیوی پر تصرف جیسے افعال کو جائز بھی نہیں سمجھا تھا کیونکہ اگر خلیفہ خالد کے دونوں اعمال کو جائز سمجھتے تو وہ مالک کی والدہ کو اس کی دیت ادا کرنے کی پیشکش نہ کرتے اور خالد سے یہ نہ کہتے کہ وہ مالک کی بیوی کو طلاق دیدے۔

اگر ہم ان تمام باتوں پر اصرار نہ بھی کریں تو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے تقاضوں کے تحت خلیفہ صاحب خالد کو ڈانٹ ڈپٹ تو کرسکتے تھے اور اس کے عمل کو ناپسند تو کرسکتے تھے۔ مگر انہیں اس کی بھی توفیق نہ ہوئی۔ اس کی بجائے

انہوں نے خالد کے جرائم کا دفاع کیا۔ کبھی کہا کہ خالد کو اشتباہ ہوا تھا۔ کبھی کہا کہ خالد خدا کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے اور انہوں نے حضرت عمرؓ کو خالد پر تنقید کرنے سے روک دیا تھا۔

ابوقتادہ انصاری نے خلیفہ کے سامنے خالد کے جرائم کو بے نقاب کیا اور کہا کہ میں قسم کھا چکا ہوں کہ آئندہ جس لشکر کا سپہ سالار خالد ہوگا میں اس لشکر میں کبھی شمولیت اختیار نہیں کروں گا۔

خلیفہ صاحب کو ابوقتادہ کے یہ جملے ناگوار گزرے اور وہ ابوقتادہ پر ناراض ہوئے۔ جیسا کہ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ کی جلد چہارم کے صفحہ ۱۸۷ پر لکھا ہے۔ (انتہیٰ کلام الامینی)

قارئین کرام! رسول اکرمؐ کی وفات کو تھوڑا سا عرصہ ہوا تھا کہ سقیفائی حکومت نے ہنستے بستے مسلمانوں پر فوج کشی کردی، فوج نے انہیں قتل کیا، ان کے مال لوٹے اور ان کی عزتوں کو برباد کیا۔ جب وفات رسولؐ کے چند ماہ بعد یہ حشر ہوا تو چالیس پچاس سال بعد جب معاویہ و یزید برسراقتدار آئے تو اس وقت غریب مسلمانوں پر کیا گزرتی ہوگی۔ اس دور میں اسلام کا مفہوم صرف یہی رہ گیا تھا کہ خلیفہ کی اطاعت کرو۔ یہی دین ہے اور یہی اسلام ہے۔ (چاہے خلیفہ حجر بن عدی جیسے پاکباز مسلمانوں کو قتل کرنے کا حکم جاری کرے تو انہیں بے دریغ قتل کردیا جائے اور) اگر خلیفہ فرزند رسول امام حسین علیہ السلام کو قتل کرنے کا حکم دے تو انہیں بھی شہید کردیا جائے اور خلیفہ کی اطاعت کو روح دین تسلیم کیا جائے۔ باقی دین اللہ اللہ خیر صلا۔

بے سروپا روایات سے سقیفائی حکومت کو سند جواز نہیں مل سکتا

(سقیفائی حکومت کے مداحوں نے اپنے ممدوح خلفاء کا حق نمک ادا کرنے کے لئے جھوٹی احادیث بنانے سے بھی اجتناب نہیں کیا۔ خلفاء کی شان میں ایسی بے سروپا روایات بنائی گئیں جو عقل سلیم کے لئے بوجھ محسوس ہوتی ہیں۔ مکتب خلفاء میں ایسی روایات بہت زیادہ ہیں۔ بطور نمونہ ہم چند روایات نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں اور روایات کے بعد ہم تبصرہ کا حق بھی محفوظ رکھتے ہیں۔)

شیخ ابراہیم عبیدی مالکی نے کتاب عقائق کے حوالے سے اپنی کتاب عمدة التحقیق فی بشائر آل الصدیق میں لکھا اور اسی روایت کو صفوری نے عیون المجالس کے حوالے سے اپنی کتاب نزهة المجالس کی جلد چہارم صفحہ ۱۸۴ پر تحریر کیا ہے۔

ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بی بی عائشہؓ سے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سورج کو سفید موتی سے پیدا کیا اور سورج اس دنیا سے ایک سو چالیس گنا بڑا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سورج کو ایک چرخی پر رکھا اور اس چرخی کو آٹھ سو ساٹھ دستے لگائے اور ہر دستے میں سرخ یاقوت کی زنجیر نصب کی۔ اس کے بعد ساٹھ ہزار فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ اپنی پوری قوت و توانائی سے سورج کو چرخی پر حرکت دیں۔ سورج روزانہ سبز قبہ پر گردش کرتا ہے اور اس کا نور اہل زمین کو روشنی فراہم کرتا ہے۔ اور جب سورج سفر کرتے کرتے بیت اللہ یعنی خانۂ کعبہ کے اوپر آتا ہے تو خط استوا پر توقف کرتا ہے کیونکہ خانۂ کعبہ زمین کا مرکز ہے، اس وقت سورج فرشتوں سے کہتا ہے کہ ''اے میرے پروردگار کے فرشتو! میں روزانہ کعبہ کے سامنے آتا ہوں اور کعبہ مومنین کا قبلہ ہے اور میں روزانہ یہاں آ کر چلا جاتا

ہوں۔ اس سے مجھے شرم محسوس ہوتی ہے۔''

یہ کہہ کر سورج مزید چلنے سے انکار کر دیتا ہے۔ فرشتے پورے زور سے اسے حرکت دیتے ہیں لیکن سورج اس کے باوجود ذرہ برابر نہیں ہلتا تو فرشتے تنگ آ کر خدا سے درخواست کرتے ہیں کہ سورج سفر کرنے پر آمادہ نہیں ہو رہا اب ہم کیا کریں؟ اس وقت اللہ تعالیٰ فرشتوں کو الہام کرتا ہے کہ تم سورج سے یہ کہو کہ ہم تجھے اس مرد کی حرمت کا واسطہ دیتے ہیں جس کا نام تیرے روشن چہرے پر لکھا ہوا ہے۔ اپنی حرکت کو جاری رکھ اور توقف نہ کر۔ سورج فرشتوں کی زبان سے جیسے ہی وہ واسطہ سنتا ہے تو وہ اپنی ضد سے باز آ جاتا ہے اور حرکت پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

بی بی عائشہؓ نے پوچھا: یارسول اللہﷺ! سورج پر کس کا نام لکھا ہوا ہے؟

آنحضرتؐ نے بی بی عائشہؓ سے فرمایا: **هو ابوبكرؓ الصديق يا عائشه.**

اے عائشہؓ! وہ ابوبکرؓ صدیق کا نام ہے۔

اللہ تعالیٰ تخلیق کائنات سے پہلے اپنے علم ازلی کے تحت جانتا تھا کہ وہ ہوا پیدا کرے گا اور اس ہوا میں آسمان بنائے گا۔ پھر پانی کا ایک سمندر بنائے گا اور اس سمندر میں ایک چرخی بنائے گا جو سورج کی سواری ہوگی۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ جب سورج خط استوا پر پہنچے گا تو وہ مزید سفر کرنے سے رک جائے گا۔ ادھر اللہ نے روز ازل سے ہی یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ آخری زمانے میں ایک پیغمبر مبعوث کرے گا جو تمام انبیاء کا سردار ہوگا اور وہ پیغمبر تیرا شوہر ہے۔ خواہ دشمن اسے ناپسند ہی کیوں نہ کریں۔ پھر اللہ نے سورج کے چہرے پر اس پیغمبر کے وزیر کا نام نقش کیا۔ اس سے میرا مقصود ابوبکرؓ صدیق ہے۔ جب فرشتے سورج کو اس کے نام اور اس کی عظمت کا واسطہ دیتے ہیں تو وہ اپنی گردش شروع کر دیتا ہے۔

جب میری امت کے گناہگار دوزخ کو پل صراط کے ذریعے سے عبور کریں گے اور دوزخ کے شعلے ان کو جلانے کی غرض سے ان کی طرف لپکیں گے تو انہیں گناہگاروں کے دلوں میں خدا اور ابوبکرؓ کی محبت دکھائی دے گی اس لئے بڑھتے ہوئے شعلے پیچھے ہٹ جائیں گے اور کسی دوسرے کو تلاش کرنے لگیں گے۔

قارئین کرام! خود ہی انصاف سے فیصلہ کریں کہ یہ داستان کس قدر خرافات پر مبنی ہے۔ موجودہ علم الافلاک کے ماہرین دیوہیکل دور بینوں سے ابھی تک سورج کی چرخی کو دریافت نہیں کر سکے اور اگر حضرت ابوبکرؓ کے نام نامی میں اتنی برکت ہے کہ سورج ان کا نام سن کر گردش کرنے لگ جاتا ہے تو پھر اللہ نے ساٹھ ہزار فرشتوں کو مفت کی بیگار میں کیوں لگایا ہوا ہے؟ جبکہ اس کے لئے تو ارادہ کرنا ہی کافی ہوتا ہے اور چیز موجود ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے: اذا اراداللہ شیئًا ان یقول له کن فیکون.

اس روایت کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سورج بھی بلا کا ضدی ہے۔ وہ بھی روزانہ کسی اڑیل ٹٹو کی طرح بیت اللہ کے سامنے رک جاتا ہے اور فرشتے بیچارے زور لگا لگا کر تھک جاتے ہیں۔ مگر وہ کسی طرح گردش پر آمادہ ہی نہیں ہوتا۔ آخرکار انہیں مجبور ہو کر سورج کو حضرت ابوبکرؓ کی حرمت کا واسطہ دینا پڑتا ہے جس کے بعد سورج اپنی منزل کی طرف روانہ ہوتا ہے۔ ویسے اصولی طور پر فرشتوں کو سورج کے مزاج کا پتا تو چل گیا ہے۔ لہذا انہیں کیا پڑی ہے کہ وہ روزانہ سورج کو کھینچنے کے لئے محنت کریں اور زور لگائیں جیسے ہی دیکھیں کہ سورج رک رہا ہے اسے فوراً حضرت ابوبکرؓ کا واسطہ دے کر گردش کو جاری کرا دینا چاہئے۔

پیر خود نہیں اڑتے مرید اڑایا کرتے ہیں

اسی طرح سے سراسر خرافات پر مبنی ایک اور داستان بھی ملاحظہ فرمائیں۔

یافعی نے روض الریاحین میں حضرت ابوبکرؓ سے روایت کی ہے کہ ایک دن ہم خدمت نبوی میں موجود تھے، اسی اثناء میں ایک نابینا شخص آیا، اس نے سلام کیا اور ہم نے سلام کا جواب دیا۔ پھر اسے رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر کیا۔

نابینا شخص نے کہا: تم میں کوئی ایسا ہے جو محبت پیغمبرؐ کی وجہ سے میری ایک حاجت پوری کرے؟

حضرت ابوبکرؓ نے کہا: تم اپنی حاجت بیان کرو۔

نابینا نے کہا: میں عیالدار شخص ہوں اور بھوک و افلاس کی وجہ سے سخت پریشان ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میں سے کوئی شخص میری مدد کرے تاکہ میں اپنی اور اپنے خاندان کی بھوک کا مداوا کرسکوں۔

حضرت ابوبکرؓ نے اس سے کہا: میں تجھے اتنا کچھ دوں گا کہ تیری بھوک کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ اگر کوئی اور حاجت بھی رکھتے ہو تو وہ بھی بیان کرو۔

نابینا نے کہا: میری ایک جوان اور خوبصورت بیٹی ہے۔ کیا تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جو محبت رسولؐ کی وجہ سے اس سے نکاح کرے تاکہ میں اس کی فکر سے آزاد ہو جاؤں؟

حضرت ابوبکرؓ نے کہا: محبت رسولؐ کی وجہ سے میں اس سے نکاح کرتا ہوں۔ انہوں نے پھر کہا کہ تمہاری کوئی اور حاجت ہو تو وہ بھی بیان کرو۔

نابینا نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ تم میں سے کوئی شخص محبت رسولؐ میں

میرے ہاتھ کو پکڑ کر ابو بکرؓ کے چہرے اور داڑھی پر رکھے۔

حضرت ابو بکرؓ آگے بڑھے اور اپنی داڑھی پکڑ کر نابینا کے ہاتھ میں دے دی اور اس سے کہا: محبت رسولؐ میں میرے چہرے اور داڑھی پر ہاتھ پھیرو۔

اس نابینا نے حضرت ابو بکرؓ کی داڑھی کو ہاتھ میں لے کر کہا: اے خدایا! میں تجھ سے ابو بکرؓ کی داڑھی کی حرمت کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ مجھے بینائی عطا فرما۔ نابینا کی جیسے ہی دعا ختم ہوئی تو وہ بینا ہوگیا اور سب کچھ دیکھنے لگا۔

اس وقت جبرئیل امینؑ، پیغمبر اکرمؐ پر نازل ہوئے اور کہا: آپ کا پروردگار آپ پر سلام بھیجتا ہے اور فرماتا ہے کہ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم! اگر پوری کائنات کے اندھے ابو بکرؓ کی داڑھی کی حرمت کا واسطہ دے کر مجھ سے بینائی کی دعا کریں تو میں سب کو بینا بنادوں گا اور روئے زمین پر ایک بھی اندھا باقی نہیں ہوگا۔ یہ سب کچھ آپ کی عظمت و برکت کے صدقے میں ہے۔

علامہ امینی نے اس واقعے پر خوبصورت تبصرہ کیا اور فرمایا: معلوم ہوتا ہے کہ وہ اندھا صرف آنکھوں سے ہی اندھا نہیں تھا بلکہ دل کا بھی اندھا تھا۔ اگر وہ دل کا اندھا نہ ہوتا تو اسے یہ ضرور معلوم ہوتا کہ حضرت رسول اکرمؐ کے محاسن اور خوبیوں کی قسم کھانا ابو بکرؓ کی داڑھی کی قسم کھانے سے کہیں زیادہ سزاوار ہے۔

اگر یہ واقعہ سچ ہے تو اہلسنت بھائی ابھی تک اس ''نسخۂ کیمیا'' سے کیوں محروم ہیں؟ اور اندھوں کو یہ کیوں نہیں بتاتے کہ وہ حضرت ابو بکرؓ کی داڑھی کی حرمت کا واسطہ دے کر خدا سے درخواست کریں تاکہ انہیں بینائی میسر آسکے؟ اس نسخۂ کیمیا کی موجودگی میں آخر اہلسنت میں اندھے کیوں دکھائی دیتے ہیں اور علمائے اہلسنت انہیں یہ نسخہ بتانے میں بخل کیوں کر رہے ہیں؟

اصل بات یہ ہے کہ علمائے اہلسنت کو بھی معلوم ہے کہ یہ جھوٹی روایت

صدیوں بعد آٹھویں ہجری میں یافعی کے دور میں تراشی گئی ہے۔ اسی لئے اس کے بتانے سے کسی کو بینائی نہیں ملے گی۔

(اگر طبیعتوں پر بوجھ محسوس نہ ہو اور جبینوں پر شکن نہ آئے تو خود حضرت ابوبکرؓ کی بہن ام فروہ جس کا انہوں نے اشعث بن قیس سے نکاح کیا تھا، وہ بھی آنکھوں سے نابینا تھیں۔ تعجب ہے کہ ام فروہ کو تو بھائی کے ساتھ رہنے کے باوجود آنکھیں نہ ملیں مگر ایک اندھے کو صرف ان کی ریش مبارک کے واسطے سے آنکھیں مل گئیں۔

سوال یہ ہے کہ جب اندھے کو ان کی ریش مبارک کی حرمت کے واسطے سے بینائی ملی تھی تو حضرت ابوبکرؓ کی بہن نے اس ''طرفہ دعا'' سے استفادہ کرنا کیوں مناسب نہ جانا؟)

اس روایت کے بنانے والوں نے خدا اور اس کے رسولؐ اور جبرئیل امینؑ کا مذاق اڑایا ہے۔

اس داستان کو بھی ضرور پڑھیں

انسؓ بن مالک کا بیان ہے کہ انصار میں سے ایک خاتون کا شوہر سفر پر گیا ہوا تھا۔ اس نے خواب دیکھا اور وہ خواب کی تعبیر معلوم کرنے کی غرض سے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آنحضرتؐ سے عرض کیا: یارسول اللہؐ! میرا شوہر سفر پر نکلا ہوا ہے اور میں نے آج رات یہ خواب دیکھا ہے کہ میرے گھر میں کھڑا ہوا کھجور کا درخت گر گیا ہے۔ میرے اس خواب کی تعبیر کیا ہے؟

رسول خداؐ نے فرمایا: صبر کرو۔ تم شوہر کو دوبارہ نہیں دیکھ سکوگی۔

عورت روتی ہوئی آپ کے گھر سے برآمد ہوئی۔ ابھی وہ راستے میں تھی

کہ اسے حضرت ابوبکرؓ آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ اس نے اپنی آنکھوں کو پونچھا اور حضرت ابوبکرؓ سے کہا: میرا شوہر سفر پر نکلا ہوا ہے اور آج رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے گھر میں کھڑا ہوا کھجور کا درخت گر گیا۔ آپ میرے خواب کی تعبیر بیان کریں۔ عورت نے انہیں یہ نہ بتایا کہ وہ اس خواب کی تعبیر رسول خداؐ سے معلوم کرچکی ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے کہا: مطمئن رہو، آج رات تمہارا شوہر گھر پہنچ جائے گا۔

عورت گھر چلی آئی اور سارا دن سوچتی رہی کہ رسول خداؐ نے کچھ اور تعبیر بیان کی ہے اور حضرت ابوبکرؓ نے کچھ اور تعبیر بیان کی ہے۔ خدا جانے کس بزرگ کی تعبیر سچی ثابت ہوتی ہے؟ جیسے ہی رات ہوئی تو اس عورت کا شوہر گھر آ گیا۔

دوسری صبح وہ عورت رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور ان کے سامنے اپنے ساری داستان بیان کی۔

رسول خداؐ یہ سن کر کافی دیر تک عورت کی طرف دیکھتے رہے۔ اسی اثناء میں حضرت جبرئیل امینؑ نازل ہوئے اور انہوں نے آنحضرتؐ سے کہا: اللہ تعالیٰ آپ پر درود و سلام بھیجتا ہے اور کہہ رہا ہے کہ خواب کی تعبیر وہی تھی جو آپ نے بیان کی تھی لیکن ابوبکرؓ نے کہہ دیا تھا کہ آج رات اس کا شوہر زندہ سلامت گھر آجائے گا، مجھے ابوبکرؓ کی بات جھوٹی ثابت کرتے ہوئے شرم محسوس ہوئی کیونکہ وہ صدیق ہے اور اس کی زبان پر جھوٹ جاری نہیں ہوسکتا۔ ابوبکرؓ کی شان صدیقیت کو مدنظر رکھ کر میں نے اس شخص کو زندہ سلامت اس کے گھر بھیج دیا۔

اس روایت کو پڑھ کر ہم اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ہی پڑھ سکتے ہیں کیونکہ روایت بنانے والوں نے خلیفہ کو سچا ثابت کرنے کی غرض سے رسول اللہؐ کے دامن عصمت پر جھوٹ کا دھبہ لگانے کی کوشش کی ہے۔ روایت بنانے والا

شخص اتنا سنگدل اور بد بخت تھا کہ اس نے اپنے دل میں یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ رسول اللہؐ پر جھوٹ کا الزام آئے تو بے شک آتا رہے لیکن اس کے ممدوح کی شان بلند ہونی چاہیئے۔

روایت بنانے والے نے بے حیائی کی تمام حدود کو پھلانگتے ہوئے یہ کہا کہ ابوبکرؓ کا نام صدیق ہے اور میں ''خدا'' صدیق کی بات کو جھوٹا ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

یہ روایت بنانے والے کو شاید معلوم نہیں تھا کہ رسول خداؐ، ابوبکرؓ تو کیا بلکہ تمام انبیائے کرامؑ سے بھی بڑے صدیق تھے مگر اس کو اس کی پروا نہیں تھی۔

دفن ابوبکرؓ کی کرامت

ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں لکھا:

حضرت ابوبکرؓ نے اپنی وفات کے وقت حاضرین سے کہا تھا: جب میں مر جاؤں اور تم میرے غسل و کفن سے فارغ ہو جاؤ تو میرا جنازہ اٹھا کر اس حجرے کے دروازے کے سامنے رکھ دینا جس میں آنحضرتؐ مدفون ہیں اور کہنا: **السلام علیک یارسول اللّٰه.** ابوبکرؓ آپ سے اندر آنے کی اجازت چاہتا ہے۔

اگر اس کے بعد دروازے پر لگا ہوا تالا ٹوٹ جائے اور دروازہ خود بخود کھل جائے تو میرا جنازہ اندر لے جانا اور مجھے وہاں دفن کر دینا اور اگر تالا نہ ٹوٹے اور دروازہ نہ کھلے تو میری میت کو بقیع میں لے جا کر دفن کر دینا۔

الغرض غسل و کفن کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے جنازے کو مقبرہ پیغمبر کے سامنے رکھا گیا اور حضرت ابوبکرؓ کے کہے ہوئے جملوں سے اجازت طلب کی گئی تو اچانک تالا ٹوٹ گیا، دروازہ کھل گیا اور قبر سے یہ آواز آئی: **ادخلوا الحبیب الی**

الحبیب فان الحبیب الی الحبیب مشتاق. دوست کو دوست کے پاس لے آؤ کیونکہ دوست اپنے دوست کا مشتاق ہے۔

اس واقعے کو رازی نے اپنی تفسیر کی جلد پنجم صفحہ ۳۷۸، حلبی نے سیرت نبویہ جلد سوم صفحہ ۳۹۴، دیار بکری نے تاریخ خمیس جلد دوم صفحہ ۲۶۴، قرمانی نے اخبار الدول برحاشیہ کامل جلد اول صفحہ ۲۰۰ اور صفوری نے نزہۃ المجالس جلد دوم صفحہ ۱۹۸ پر نقل کیا ہے۔[۱]

علامہ امینی نے اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

یار لوگوں نے خلیفہ صاحب کے دفن کو جائز قرار دینے کے لئے اس طرح کی روایات وضع کی ہیں اور انہوں نے اپنے تئیں یہ روایت گھڑ کر ان کے دفن کا جواز پیدا کیا ہے۔

اصل مسئلہ یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس حجرے میں مدفون ہیں وہ آپ کے ذاتی گھر کا ایک حصہ ہے۔ وفات پیغمبر کی وجہ سے حجرہ دو حال سے خالی نہیں۔

۱۔ وہ حجرہ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد بھی بدستور آپ کی ملکیت ہے۔

۲۔ یا پھر آپ کے بعد وہ عامۃ المسلمین کے لئے صدقہ ہے جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ کی ''لاوارثی'' حدیث سے اس کا اثبات ہوتا ہے۔

اگر حجرے کو آنحضرتؐ کی ملکیت تسلیم کیا جائے تو پھر اس کی وارثہ حضرت زہراؑ تھیں اور جب حضرت ابوبکرؓ کی وفات ہوئی تو اس وقت حضرت زہراؑ دنیا میں موجود نہیں تھیں۔ حضرت زہراؑ کی وراثت ان کی اولاد میں منتقل ہوئی۔ اس وقت امام حسن اور امام حسین اور حضرت زینب و ام کلثوم علیہم السلام

۱۔ مذکورہ تمام حوالے الغدیر جلد ہفتم، ص۲۴۹ سے نقل کئے گئے ہیں۔

اس حجرے کے شرعی وارث تھے۔

اب اگر حضرت ابوبکرؓ اپنے دفن کو شرعی حیثیت دینے کے خواہش مند تھے تو ان کا حق بنتا تھا کہ وہ اپنی قبر کی جگہ کے لئے حضرت زہراؑ کی اولاد سے سوال کرتے۔ مگر ہمیں تاریخ میں اس طرح کا سوال کہیں دکھائی نہیں دیتا۔

اور اگر دوسری شکل کو صحیح مانا جائے کہ انبیاء کا ترکہ عامۃ المسلمین کے لئے صدقہ ہوتا ہے اور اس میں میراث کا اجراء نہیں ہوتا تو رسول خداؐ کی وفات کے بعد وہ حجرہ عامۃ المسلمین کی ملکیت بن چکا تھا۔ لہذا اگر حضرت ابوبکرؓ اپنی قبر وہاں بنوانے کے ہی خواہش مند تھے تو انہیں عامۃ المسلمین سے اس کی اجازت لینی چاہئے تھی۔ مگر تاریخ میں اس طرح کی اجازت کے بھی شواہد کہیں نہیں ملتے۔

اسی لئے ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ خلیفہ کو وہاں دفن ہونے کا کوئی شرعی جواز حاصل نہیں تھا۔

اگر حضرت ابوبکرؓ کا کوئی بہی خواہ یہاں یہ عذر لنگ بیان کرے کہ وہ حجرہ رسول خداؐ کا تھا اور آپ کی وفات کے بعد وہ حجرہ بی بی عائشہؓ کو میراث میں ملا تھا اسی لئے انہوں نے اپنے والد کو وہاں دفن ہونے کی اجازت دی تھی۔

اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت زہراؑ کو میراث پدر سے محروم کرتے وقت یہ کہا تھا کہ رسول خداؐ کا اپنا فرمان ہے کہ انبیاء کے ترکے میں میراث جاری نہیں ہوتی ان کا ترکہ صدقہ ہوتا ہے۔ اسی لئے جب حضرت سیدہؑ کو جن کا میراث میں ۸/۷ حصہ بنتا تھا، محروم کردیا گیا تو ۲۷/۱ حصہ والی کو میراث کا اجراء کیسے کیا جاسکتا ہے؟

اگر بالفرض میراث کو تسلیم بھی کرلیا جائے تو بیوی کو شوہر کی میراث سے آٹھواں حصہ ملتا ہے اور رسول خداؐ کی وفات کے وقت نو بیویاں زندہ تھیں اور اگر نو

کو آٹھ سے ضرب دی جائے تو حاصل ضرب بہتر (۷۲) بنتا ہے۔ $\frac{1}{72} = 9 \times \frac{1}{8}$

اور یوں نبی اکرمؐ کی ہر بیوی کے حصے میں ۱/۷۲ واں حصہ میراث میں آتا ہے۔ یہ مقدار اتنی قلیل ہے کہ اس میں ایک شخص کی قبر کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

بی بی عائشہؓ کا حصہ تین چار بالشت سے زیادہ نہیں بنتا تھا اور ایک قبر کے لئے اس سے زیادہ زمین کی ضرورت ہوتی ہے۔ انہوں نے باقی حصہ داروں سے بقیہ زمین کی اجازت بھی طلب نہیں کی تھی اس لئے انہیں اس میں تصرف کا کوئی حق حاصل نہیں تھا۔

مکتب خلافت کے علماء کو ان تمام مشکلات سے بچنے کے لئے مذکورہ بالا روایت وضع کرنی پڑی۔

مکتب خلافت سے تعلق رکھنے والے علماء نے اپنے ممدوح خلفاء کی شان بڑھانے کے لئے اس طرح کی بیسیوں بے سروپا روایات وضع کی ہیں۔

ہم اس طرح کی داستانوں کو مزید نقل کرنے سے قاصر ہیں اور تحقیق کے خواہش مند حضرات کو مشورہ دیتے ہیں کہ وہ علامہ امینی کی کتاب الغدیر کی چھٹی، ساتویں، آٹھویں اور نویں جلد کی طرف رجوع کریں۔

خلافت عمر بن الخطابؓ

حضرت ابوبکرؓ نے پہلے سے طے شدہ منصوبے پر پوری دیانت داری کے ساتھ عمل کیا اور انہوں نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

حضرت امیر علیہ السلام نے خطبہ شقشقیہ میں اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

حتی مضٰی الاول لسبیله فادلی بها الی ابن الخطاب بعده فیاعجبا یستقیلها فی حیاته اذ عقدها لاخر بعد وفاته لشدّ ما تشطّر اضرعیها....

> ''یہاں تک کہ پہلے نے اپنی راہ لی اور اپنے بعد خلافت ابن خطاب کو دے گیا۔ تعجب ہے کہ وہ اپنی زندگی میں تو خلافت سے سبکدوش ہونا چاہتا تھا لیکن اپنے مرنے کے بعد اس کی بنیاد دوسرے کے لئے استوار کرتا گیا۔ بے شک ان دونوں نے سختی کے ساتھ خلافت کے تھنوں کو آپس میں بانٹ لیا۔ اس نے خلافت کو ایک سخت و درشت محل میں رکھ دیا جس کے چرکے کاری تھے، جس کو چھو کر بھی درشتی محسوس ہوتی تھی، جہاں بات بات میں ٹھوکر کھانا اور پھر عذر کرنا تھا، جس کا اس سے سابقہ پڑے وہ ایسا ہے جیسے سرکش اونٹنی کا

سوار کہ اگر مہار کھینچتا ہے تو (اس کی منہ زوری سے) اس کی ناک کا درمیانی حصہ ہی شگافتہ ہوا جاتا ہے (جس کے بعد مہار دینا ہی ناممکن ہو جائے گا) اگر باگ کو ڈھیلا چھوڑ دیتا ہے تو وہ اس کے ساتھ مہلکوں میں پڑ جائے گا۔ اس کی وجہ سے بقائے ایزد کی قسم! لوگ کجروی، سرکشی، متلون مزاجی اور بے راہ روی میں مبتلا ہو گئے۔"

خلیفہ دوم کو نہ تو اسلام میں سبقت حاصل تھی اور نہ ہی غزوات پیغمبر میں انہوں نے کوئی کارنامہ سرانجام دیا تھا اور علمی طور پر بھی وہ کسی خاص مرتبے کے حامل نہ تھے۔ اس وقت ان سے علم و عمل کے لحاظ سے بہتر صحابہ مدینے میں موجود تھے۔ علمی طور پر خلیفہ دوم اتنے کمزور تھے کہ انہوں نے ایک بار منبر پر اپنی کم علمی کا اعتراف کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے تھے: **کل الناس افقه من عمرؓ حتی ربات الحجال.** تمام لوگ عمرؓ سے دین کی زیادہ سمجھ بوجھ رکھتے ہیں یہاں تک کہ پردہ نشین عورتیں بھی مجھ سے دین کی زیادہ سمجھ رکھتی ہیں۔

خلیفہ دوم کی علمی کم مائیگی کے چند نمونے ملاحظہ فرمائیں:

خلیفہ دوم احکام تیمّم سے ناواقف تھے

صحیح مسلم کے باب تیمّم میں چار اسناد سے عبدالرحمٰن بن ابزیٰ سے مروی ہے کہ ایک شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور ان سے کہا: مجھ پر جنابت طاری ہو جائے اور پانی موجود نہ ہو تو میں کیا کروں؟

حضرت عمرؓ نے کہا: **لا تصل.** اس حالت میں نماز مت پڑھو۔

عمارؓ بن یاسرؓ اس محفل میں موجود تھے انہوں نے ان سے کہا: امیر المومنین! آپ کو وہ موقع بھول گیا جب میں اور آپ لشکر میں شامل تھے اور ہم دونوں پر

جنابت طاری ہوگئی، ہمیں وہاں پانی نہ ملا، آپ نے تو پانی نہ ملنے کی وجہ سے نماز نہیں پڑھی تھی اور میں نے اپنے تمام بدن پر مٹی مل کر نماز پڑھ لی تھی۔

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا تھا: تجھے اتنی مٹی ملنے کی ضرورت نہ تھی۔ تجھے مٹی پر دونوں ہاتھ مار کر ان کی گرد جھاڑ لینی چاہئے تھی۔ پھر وہی خاک آلودہ ہاتھ اپنے چہرے اور اپنی ہتھیلیوں پر مارنے چاہئے تھے۔

حضرت عمرؓ نے یہ سنا تو کہا: اے عمار! خدا سے ڈرو۔

عمار نے کہا: اگر آپ کی خواہش ہو تو میں یہ حدیث کسی سے بیان نہیں کروں گا۔[1]

شقیق راوی ہیں:

ہم عبداللہ بن مسعود اور ابوموسیٰ کے پاس بیٹھے تھے۔ ابوموسیٰ نے کہا: ابوعبدالرحمٰن! اگر کسی شخص پر جنابت واجب ہو جائے اور اسے پورے ایک ماہ تک پانی نہ ملے تو وہ کیا کرے؟

ابن مسعود نے کہا: اسے تیمّم نہیں کرنا چاہئے اگرچہ اسے ایک ماہ تک پانی نہ بھی ملے۔

ابوموسیٰ نے کہا: اس صورت میں آپ سورۂ مائدہ کی اس آیت مجیدہ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا۔ اگر تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی پر تیمّم کرو، کے متعلق آپ کیا کہیں گے؟

عبداللہ بن مسعود نے جواب دیا: اگر ہم نے جنابت کے لئے تیمّم کی اجازت دے دی تو لوگ سردی کے دن پانی کی بجائے تیمّم کرنے لگ جائیں گے۔

ابوموسیٰ نے کہا: شاید اسی خوف کی وجہ سے آپ حالت جنابت میں بھی

۱۔ بنقل الغدیر، جلد ۶، ص ۸۳۔

تیمّم کی اجازت دینے پر آمادہ نہیں ہیں۔

عبداللہ بن مسعود نے کہا: جی ہاں۔

ابوموسیٰ نے عبداللہ بن مسعود سے کہا: تو کیا آپ نے عمار کی وہ روایت نہیں سنی جو اس نے عمرؓ کے سامنے بیان کی تھی کہ رسول اکرمؐ نے مجھے جنگ پر روانہ کیا۔ مجھ پر جنابت طاری ہوئی اور مجھے پانی نہ مل سکا تو میں نے مٹی پر جانوروں کی طرح سے لوٹنا شروع کر دیا۔ پھر جب میں رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے اپنا مسئلہ ان کے سامنے بیان کیا۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: تمہیں اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارنے کافی تھے۔ پھر آنحضرتؐ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور ان کی مٹی کو آپ نے جھاڑ کر بائیں ہاتھ کی پشت پر دائیں ہاتھ سے مسح کیا اور بائیں ہاتھ سے دائیں ہاتھ کی پشت پر مسح کیا پھر آپ نے منہ کا مسح بھی کیا۔

عبداللہ بن مسعود نے کہا: کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ عمرؓ نے اس پر قناعت نہیں کی تھی۔

ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں حدیث عمار کے متن میں تحریف کی۔ اس کے بعد لکھا کہ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ عمار کے لئے یہ بات کیسے جائز ہوسکتی تھی کہ انہوں نے کہا: ''اگر آپ چاہیں تو میں اس حدیث کا کسی سے تذکرہ نہیں کروں گا'' یہ عمل کتمان علم میں شامل ہے؟

ذہبی نے اس کے جواب میں لکھا:

یہ علم کا چھپانا نہیں ہے کیونکہ عمار نے حدیث امیرالمومنین کی محفل میں بیان کر دی لیکن انہوں نے عمرؓ کے ساتھ جو ملاطفت کی اس کی وجہ یہ تھی کہ عمار جانتے تھے کہ عمرؓ زیادہ احادیث بیان کرنے سے منع کرتے تھے کہ کہیں لوگوں کو

اشتباہ نہ ہو جائے۔ علاوہ ازیں عمرؓ اس لئے بھی نقل حدیث سے لوگوں کو منع کرتے تھے کہ کہیں لوگ احادیث میں الجھ کر قرآن کو فراموش نہ کردیں۔

علامہ امینی رقم طراز ہیں:

اے کاش! مکتب خلفاء کے علماء نے حضرت عمرؓ کے اس قول سے کیوں غفلت کی جو انہوں نے ایک شخص کے جواب میں کہا تھا کہ جنابت کی حالت میں جب تجھے پانی میسر نہ ہو تو نماز مت پڑھا کر اور میں بھی ایسی حالت میں نماز نہیں پڑھتا حالانکہ حضرت عمرؓ اپنے آپ کو امیر المومنین کہلاتے تھے اور مسئلہ تیمّم اسلام کا ایک آسان اور روزمرہ پیش آنے والا مسئلہ ہے اس کے باوجود بھی انہیں اس مسئلے کا علم نہیں تھا۔

اسی طرح سے مجھے آج تک یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ جب عمار نے انہیں اپنا اور خود ان کا واقعہ یاد دلا کر مسئلہ تیمّم کی وضاحت کی تھی تو انہوں نے عمار سے یہ کیوں کہا تھا کہ خدا کا خوف کر اور اس بات کو رہنے دے۔ حالانکہ قرآن مجید میں تیمّم کا حکم واضح الفاظ میں موجود ہے۔ مگر خلیفہ کو قرآنی آیت کے متعلق علم نہیں تھا اور جب عمار نے انہیں فرمان پیغمبر یاد دلایا تو انہوں نے اس سے بھی چشم پوشی کی تھی۔ اس کے باوجود علمائے تسنن ان کی محبت میں اندھے ہو چکے ہیں کہ خلیفہ کی غلطی کی طرف توجہ دینے کی بجائے بے چارے عمار پر آج تک اعتراض کرتے آرہے ہیں کہ عمار نے یہ کیوں کہا تھا کہ اگر آپ کہیں تو میں اس حدیث کو کسی کے سامنے بیان نہ کروں گا۔

علامہ امینی نے شقیق کی روایت کے متعلق یہ تبصرہ فرمایا:

جس شخصیت نے یہ فتویٰ دیا کہ اگر جنب کو تیمّم کی اجازت دے دی جائے تو پھر لوگ اس سے سوئے استفادہ کریں گے اور سردیوں میں ٹھنڈے پانی

سے وضو کرنے کی بجائے تیمّم کرنے لگ جائیں گے۔

معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ فتویٰ صادر کرنے والا جنابت زدہ افراد پر انتہائی مہربان اور شفیق تھا اور اس نے اہل جنابت کو یہ اجازت مرحمت فرمائی کہ اگر ایک مہینہ بھی پانی میسر نہ آئے تو وہ نماز نہ پڑھیں۔ مگر مفتی مذکور وضو کی احتیاج رکھنے والوں پر بڑے سخت تھے۔ مفتی صاحب کی نظر میں اگر جنب پورا مہینہ نماز نہ پڑھے تو کوئی حرج نہیں مگر کوئی شخص ٹھنڈے پانی سے وضو کرے تو مفتی صاحب غصے سے لال پیلے ہو رہے ہیں۔

یقیناً اس طرح کا بزعم خویش مفتی اپنے آپ کو صاحب شریعت پیغمبر سے بھی زیادہ اجتماعی مصالح کا عالم سمجھتا ہوگا اور گویا اس کا نظریہ یہ تھا کہ رسول اکرمؐ نے اس مسئلے کی طرف توجہ نہیں کی تھی کہ اگر جنب کو تیمّم کی اجازت دے دی گئی تو ٹھنڈے پانی کا عذر کر کے لوگ تیمّم کرنے لگ جائیں گے۔ مگر اللہ نے رسول خداؐ کی عدم توجہ کا تدارک اس مفتی صاحب کے ذریعے سے کیا جس نے اپنی خام رائے اور باطل دلیل کی وجہ سے یہ طرفہ فتویٰ صادر کیا اور گویا اور گویا.......

خلیفہ کا مبلغ علم

حافظ عبدالرزاق، عبدالحمید اور ابن منذر نے اپنی اسناد سے دؤلی سے نقل کیا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو حضرت عمرؓ کے پاس لایا اور کہا: میری شادی کو ابھی پورے چھ ماہ ہوئے ہیں اور میری بیوی نے چھ ماہ بعد بچہ پیدا کیا ہے۔ لہذا میری بیوی خائنہ ہے اور اس پر حد شرعی جاری ہونی چاہئے۔

حضرت عمرؓ نے اس عورت کے سنگسار کرنے کا فیصلہ جاری کیا۔ اس عورت کی بہن روتی ہوئی حضرت علیؑ کے پاس آئی اور کہا: مولا! میری بہن کو شادی

کے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہوا ہے اور عمرؓ نے اسے سنگسار کرنے کا حکم جاری کیا ہے۔ اگر آپ کے پاس میری بہن کے بچانے کی کوئی مضبوط دلیل ہو تو خدارا آپ اسے سنگسار ہونے سے بچائیں۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: ہاں! میرے پاس تمہاری بہن کے لئے معقول عذر ہے۔ تم فوراً حضرت عمرؓ کے پاس جاؤ اور انہیں اس سے روک دو۔

عورت یہ سن کر اتنی خوش ہوئی کہ اس نے زور سے تکبیر کی صدا بلند کی جو کہ مسجد نبوی میں ہر شخص نے سنی۔ اس نے حضرت عمرؓ سے کہا: آپ علیؑ کو آنے دیں اس کے بعد فیصلہ کریں۔

اتنے میں حضرت علیؑ تشریف لائے اور عمرؓ سے کہا: آپ اس عورت کو جانے دیں کیونکہ چھ ماہ میں پیدا ہونے والا بچہ قرآن کی رُو سے حلال زادہ ہے۔

حضرت عمرؓ نے پوچھا: وہ کیسے؟

حضرت علیؑ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

وَحَمۡلُهٗ وَفِصَالُهٗ ثَلٰثُوۡنَ شَهۡرًا. اس کے حمل اور دودھ پلانے کی مدت تیس ماہ ہے۔ (احقاف: ۱۵)

اللہ تعالیٰ نے ایک اور آیت میں فرمایا:

وَالۡوَالِدٰتُ يُرۡضِعۡنَ اَوۡلَادَهُنَّ حَوۡلَيۡنِ كَامِلَيۡنِ. مائیں اپنی اولاد کو دو سال تک دودھ پلائیں۔ (البقرہ: ۲۳۳)

دو سال کے چوبیس مہینے بنتے ہیں اور جب تیس کے عدد سے چوبیس کو نفی کیا جائے تو جواب چھ آتا ہے۔ لہذا ایک انسان کی کم سے کم مدت حمل چھ ماہ ہے اور اگر کوئی عورت چھ ماہ میں بچہ جنے تو اسے زنا کی پیداوار نہیں کہا جاسکتا۔[1]

۱۔ بنقل الغدیر، جلد ۶، ص ۹۳۔

حضرت علیؑ کی یہ دلیل سن کر حضرت عمرؓ نے اس عورت کو رہا کردیا۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اس عورت کو ایک اور شش ماہا بچہ پیدا ہوا۔

نیشاپوری اور حافظ گنجی نے لکھا:

حضرت عمرؓ نے حضرت علیؑ کی تصدیق کی اور کہا: **لولا علی لهلک عمرؓ.** اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہو جاتا۔

سبط بن جوزی نے یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد لکھا:

حضرت عمرؓ نے اس عورت کو آزاد کردیا اور کہا: **اللّٰھم لا تبقنی لمعضلة لیس لها ابن ابی طالبؑ.** اے خدایا! مجھے کسی ایسی مشکل کے وقت زندہ نہ رکھنا جس کے حل کے لئے علی بن ابی طالبؑ نہ ہوں۔

علامہ امینی نے اہلسنت کی پندرہ کتابوں سے جلد اور صفحہ کے حوالے سے اس واقعے کا تذکرہ کیا ہے جو سنن کبریٰ جلد ہفتم صفحہ ۴۴۷، مختصر جامع ص ۱۵۰، الریاض النضر ہ جلد دوم صفحہ ۱۹۴ اور ذخائر العقبیٰ صفحہ ۸۲ کے علاوہ باقی بھی بہت سی کتابوں میں موجود ہے۔

نہلے پہ دہلا

عبداللہ جہنی کا بیان ہے کہ ہمارے قبیلے کے ایک شخص نے قبیلہ جہنیہ کی ایک عورت سے شادی کی۔ شادی کے چھ ماہ بعد بیٹا پیدا ہوا۔ اس کا شوہر اسے حضرت عثمانؓ کے پاس لایا اور ان کے سامنے صورتحال بیان کی۔ حضرت عثمانؓ نے عورت کو سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ جب اس فیصلے کی اطلاع حضرت علیؑ کو ملی تو آپ خلیفہ کے پاس گئے اور فرمایا: اس عورت پر حد شرعی جاری نہیں ہوسکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: **وَحَمْلُهُ وَ فِصَالُهُ ثَلاَثُوْنَ شَهْرًا.** اس کے

حمل اور دودھ پلانے کی مدت تیس ماہ ہے۔

ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ. مائیں اپنی اولاد کو دو سال تک دودھ پلائیں۔

دو سال کے چوبیس مہینے ہوتے ہیں اور جب تیس مہینوں میں سے چوبیس مہینوں کو نفی کیا جائے تو باقی چھ مہینے بچتے ہیں۔ اسی لئے چھ ماہ میں پیدا ہونے والا بچہ حلال زادہ ہے۔ اس واسطے عورت پر کوئی حد جاری نہیں کی جاسکتی۔

حضرت عثمانؓ نے کہا: خدا کی قسم! میں پہلے اس امر کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

پھر انہوں نے حکم دیا کہ عورت کو واپس بلایا جائے لیکن عورت بے چاری سنگسار ہوچکی تھی۔ اس نے سنگساری سے قبل اپنی بہن سے کہا تھا کہ تمہیں غمگین ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ خدا گواہ ہے کہ میں نے آج تک کسی غیر مرد کے ساتھ ناجائز مراسم قائم نہیں کئے تھے۔

بعد میں اس عورت کا بیٹا جوان ہوا تو باپ نے اس کی فرزندی کا اعتراف کرلیا اور وہ لڑکا اپنے باپ کی مکمل شبیہ تھا۔

راوی کا بیان ہے کہ بعدازاں اس مرد نے اپنا عضو تناسل قطع کردیا تھا۔ خلیفہ دوم کے عہد حکومت میں وہ عورت زندہ تو بچ گئی تھی لیکن خلیفہ سوم کے عہد میں اسی الزام کے تحت عورت زندہ نہ رہ سکی۔[1]

کیا احکام شرع سے اس حد تک ناواقف شخص بھی نیابت رسول کے قابل ہوسکتا ہے؟ ایسے افراد کو مسلمانوں کے جان و مال و ناموس کا محافظ بنانا کہاں تک درست ہے؟ اس کا فیصلہ ہمارے منصف مزاج قارئین ہی کریں گے۔

۱۔ موطا مالک، جلد۲، ص۱۷۶۔ بیہقی در سنن کبریٰ، جلد۷، ص۴۴۷۔ بنقل الغدیر، جلد۶، ص۹۴۔

تمام لوگ مجھ سے زیادہ دین سے واقف ہیں
حضرت عمرؓ کا اعتراف

مسروق بن اجدع کا بیان ہے کہ ایک دن حضرت عمرؓ نے منبر پر کھڑے ہو کر کہا: اے لوگو! تم نے عورتوں کا حق مہر بہت زیادہ بڑھا دیا ہے جبکہ رسول خداؐ اور ان کے اصحاب ہمیشہ چار سو درہم کے قریب قریب یا اس سے کم حق مہر مقرر کیا کرتے تھے۔ اگر تم عورتوں کے مہر کو زیادہ رکھنا تقویٰ اور پرہیزگاری سمجھتے ہو تو وہ تمہارے اس عمل سے تم پر قابو حاصل کرلیں گی۔ اب اگر کسی شخص نے چار سو درہم سے زیادہ حق مہر اپنی بیوی کو ادا کیا تو بقایا رقم بحق سرکار ضبط کرلی جائے گی۔ یہ کہہ کر آپ منبر سے نیچے آ گئے۔

ایک قریشی خاتون جو کہ پاس سے گزر رہی تھی اور اس نے خلیفہ کا حکم سن لیا تھا، اس نے خلیفہ سے کہا: ابھی آپ یہ فرما رہے تھے کہ عورتوں کا حق مہر چار سو درہم سے زیادہ نہیں ہونا چاہیے۔

خلیفہ نے کہا: جی ہاں۔

قریشی خاتون نے کہا: یہ کہاں کا انصاف ہے کہ اللہ تو ہمیں پورا خزانہ عطا کرے اور عمرؓ ہمیں اس سے منع کرے؟

خلیفہ صاحب نے کہا: وہ بھلا کیسے؟

خاتون نے قرآن مجید کی یہ آیت مجیدہ پڑھی:

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا. اگر تم ایک زوجہ کی جگہ پر دوسری زوجہ کو لانا چاہو اور ایک کو مال کثیر بھی دے چکے ہو تو خبردار اس میں سے کچھ واپس

نہ لینا۔ کیا تم اس مال کو بہتان اور کھلے گناہ کے طور پر لینا چاہتے ہو؟ (النساء: ۲۰)

خاتون کا دندان شکن جواب سن کر خلیفہ نے کہا کہ اے خدایا! مجھے معاف فرما۔ پھر انہوں نے منبر پر برسر عام کہا: اے لوگو! عورت نے صحیح کہا اور عمرؓ سے غلطی ہوئی اور اس کے ساتھ انہوں نے اضافہ کرتے ہوئے کہا کہ کل الناس افقه من عمرؓ. تمام لوگ عمرؓ سے مسائل دین زیادہ جانتے ہیں۔ اے لوگو! میں نے حکم دیا تھا کہ چار سو درہم سے زیادہ حق مہر نہیں ہونا چاہئے۔ اب میری طرف سے لوگوں کو اجازت ہے کہ وہ جتنا چاہیں اپنی بیویوں کا حق مہر مقرر کریں۔[1]

ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد اول صفحہ۶۱ اور جلد سوم صفحہ۹۶ پر لکھا کہ حضرت عمرؓ نے اس موقع پر کہا تھا: کل الناس افقه من عمر حتی ربات الحجال الا تعجبون من امام اخطاء و امرأة اصابت؟ تمام لوگ مسائل دین کو عمرؓ سے زیادہ بہتر جانتے ہیں حتی کہ پردہ نشین عورتیں بھی مجھ سے زیادہ دین کی سمجھ بوجھ رکھتی ہیں۔ کیا تمہیں اس بات سے تعجب نہیں ہوتا کہ امام سے غلطی ہوئی اور ایک عورت نے اس کی اصلاح کی؟

خلیفہ کو حالت احرام میں شترمرغ کے انڈوں کے کفارے کا علم نہیں تھا

محمد بن زبیر کا بیان ہے:

میں دمشق کی مسجد میں گیا، وہاں میں نے ایک انتہائی بوڑھے شخص کو دیکھا کہ جس کے سینے کے اوپر کی دو ہڈیاں آپس میں مل گئی تھیں، میں نے پوچھا:

۱۔ علامہ امینی نے الغدیر، جلد۶، ص۹۶ پر اس روایت کو اہلسنت کی بارہ کتابوں کے جلد اور صفحہ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

اے بزرگ محترم! آپ نے کس کا زمانہ پایا ہے؟

بزرگ نے کہا: میں نے عمرؓ کا عہد پایا ہے۔

میں (راوی) نے ان سے کہا: آپ نے کس جنگ میں شرکت کی تھی؟

بزرگ نے کہا: میں نے جنگ یرموک میں شرکت کی تھی۔

میں نے بزرگ سے کہا: آپ نے جو کوئی بھی حدیث سنی ہو بیان کریں؟

بزرگ نے کہا: میں قتیبہ کے ساتھ حج پر گیا۔ ہم نے میقات سے احرام باندھے۔ راستے میں ہمیں شترمرغ کے کچھ انڈے ملے۔ ہم نے اس موضوع کا تذکرہ عمرؓ سے کیا۔ عمرؓ نے ہماری طرف پشت کی اور کہا کہ تم میرے ساتھ آؤ۔ ہم ان کے پیچھے چل پڑے۔ انہوں نے ایک دروازے پر دستک دی اور پوچھا کہ ابوالحسن علی بن ابی طالبؑ موجود ہیں؟ ایک عورت نے جواب میں کہا کہ وہ موجود نہیں ہیں۔ پھر حضرت عمرؓ نے ہم سے کہا کہ تم میرے ساتھ چلو۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم نے علیؑ کو دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھوں سے مٹی جھاڑ رہے تھے۔ انہوں نے عمرؓ کو دیکھا تو خوش آمدید کہا۔

حضرت عمرؓ نے ان سے کہا: ان لوگوں نے حالت احرام میں شترمرغ کے کچھ انڈے اٹھائے ہیں، ان کا کفارہ کیا ہے؟

حضرت علیؑ نے کہا: آپ کسی کو بھیج کر مجھے اپنے پاس بلا سکتے تھے۔ (آخر آپ نے اتنی تکلیف کیوں کی؟)

حضرت عمرؓ نے کہا: انا احق باتیانک. میرا آپ کے پاس چل کر آنا زیادہ مناسب تھا۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: انہوں نے جتنے انڈے اٹھائے ہیں اتنی اونٹنیوں کا اونٹوں سے ملاپ کرائیں۔ اس ملاپ کی وجہ سے جتنے بچے پیدا ہوں ان بچوں کو

کعبہ کے سامنے قربان کردیں۔

حضرت عمرؓ نے کہا: بعض اوقات ملاپ کے باوجود کئی اونٹنیاں حاملہ نہیں بھی ہوتیں؟

حضرت علیؑ نے کہا: اس طرح سے شترمرغ کے بھی کئی انڈے خراب ہو جاتے ہیں اور ان سے بچے نہیں نکلتے۔

اس وقت حضرت عمرؓ نے کہا: **اللّٰھم لا تنزل بی شدیدۃ الا و ابوالحسن الی جنبی.** اے خدایا! میں جب بھی کسی دشوار مسئلے سے دوچار ہو جاؤں تو ابوالحسن کو میرے پہلو میں موجود رکھنا۔[1]

حذیفہؓ پر ناراضگی

حضرت عمرؓ اور حذیفہؓ بن یمان کی سر راہ ملاقات ہوئی۔ انہوں نے حذیفہؓ سے خیرخیریت پوچھی تو حذیفہؓ نے کہا: میری حالت تو یہ ہے کہ میں حق کو دوست نہیں رکھتا، فتنے سے محبت کرتا ہوں، جس چیز کو میں نے نہیں دیکھا اس کی گواہی دیتا ہوں، غیر مخلوق کو حفظ کرتا ہوں، وضو کے بغیر صلوٰۃ پڑھتا ہوں، زمین پر رہ کر میں ایسی چیز کا مالک ہوں کہ خدا آسمان پر بھی اس کا مالک نہیں ہے۔

حضرت عمرؓ نے حذیفہؓ کی جیسے ہی یہ گفتگو سنی تو ان کی جبین پر سلوٹیں ابھر آئیں۔ مگر اس وقت انہیں کچھ جلدی تھی لہذا خاموش ہو کر چلے گئے اور دل میں یہ بات ٹھان لی کہ میں حذیفہؓ کو ان باتوں پر تادیب کروں گا۔

حضرت عمرؓ ابھی راستے میں ہی تھے کہ حضرت علیؑ سے ان کی ملاقات ہوگئی۔ حضرت علیؑ نے ان کے چہرے پر غصے کے آثار دیکھے تو دریافت فرمایا:

۱۔ الریاض النضرۃ، جلد۲، ص۱۹۴۔ ذخائر العقبیٰ، ص۸۲۔ بنقل الغدیر، جلد۶، ص۱۰۴۔

کیوں خیر تو ہے کس پر ناراض ہو؟

حضرت عمرؓ نے کہا: یا علیؑ! آج میں نے حذیفہؓ سے اس کا حال پوچھا تو اس نے کہا کہ میری حالت یہ ہے کہ میں حق کو دوست نہیں رکھتا۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: حذیفہؓ نے بالکل سچ کہا کیونکہ موت حق ہے اور وہ اسے دوست نہیں رکھتا۔

حضرت عمرؓ نے کہا: حذیفہؓ نے تو یہ بھی کہا کہ وہ فتنہ سے محبت رکھتا ہے۔

حضرت علی نے فرمایا: حذیفہؓ نے بالکل سچ کہا کیونکہ اللہ کا فرمان ہے:

اِنَّمَا اَمْوَالُکُمْ وَ اَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ. تمہارا مال اور اولاد تمہارے لئے فتنہ ہے اور حذیفہؓ اپنے مال و اولاد سے محبت رکھتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے کہا: حذیفہؓ نے یہ بھی کہا کہ میں نے جس چیز کو نہیں دیکھا اس کی گواہی دیتا ہوں۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: یہ بات بھی حق پر مبنی ہے کیونکہ وہ خدا کے وجود، فرشتوں، قبر سے اٹھنے، قیامت، صراط، اور جنت وجہنم کی گواہی دیتا ہے اور اس نے یہ چیزیں ابھی تک نہیں دیکھیں۔

حضرت عمرؓ نے کہا: حذیفہؓ نے کہا کہ میں غیر مخلوق کو حفظ کرتا ہوں۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: یہ بھی صحیح ہے کیونکہ وہ قرآن مجید کو حفظ کرتا ہے اور قرآن غیر مخلوق ہے۔[1]

حضرت عمرؓ نے کہا: حذیفہؓ نے یہ بھی کہا کہ وہ وضو کے بغیر صلوٰۃ پڑھتا ہے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: اس میں تعجب کی کیا بات ہے کیونکہ لفظ صلوٰۃ سے حذیفہؓ کی مراد نماز نہیں بلکہ نبی اکرمؐ پر درود بھیجنا ہے اور تم یہ مسئلہ جانتے ہو کہ درود

۱۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملہ اشاعرہ نے اپنے موقف کو سچا ثابت کرنے کے لئے داخل کیا ہے۔

پڑھنے کے لئے وضو ضروری نہیں ہے۔

حضرت عمرؓ نے کہا: یا علیؑ! اس نے سب سے زیادہ بری بات یہ کہی ہے کہ میں زمین پر رہ کر کچھ ایسی چیزوں کا مالک ہوں جو خدا کی ملکیت میں بھی نہیں ہیں۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: اس میں بھلا ناراض ہونے کا کون سا پہلو ہے؟ وہ بیوی بچوں کا مالک ہے جب کہ اللہ بیوی بچوں کا مالک نہیں ہے۔

حضرت علیؑ کے جوابات سن کر حضرت عمرؓ نے کہا: **کادیھلک ابن الخطاب لولا علی بن ابی طالبؑ**. عمرؓ ہلاکت کے قریب پہنچ گیا تھا، اگر علی بن ابی طالبؑ موجود نہ ہوتا۔

حافظ گنجی کفایہ کے صفحہ ۹۶ پر لکھتے ہیں:

اہل نقل کے ہاں یہ خبر ثابت ہے۔ بہت سے اہل سیر نے اسے نقل کیا ہے۔ ابن صباغ مالکی نے بھی اس واقعے کو الفصول المہمہ کے صفحہ ۱۸ پر نقل کیا ہے۔

خلیفہ اور علمائے یہود کے سوالات

خلیفہ دوم کو مسند خلافت پر بیٹھے ہوئے ابھی چند روز ہی گزرے تھے کہ کچھ یہودی علماء ان کے پاس آئے اور کہا: اے عمرؓ! اگر آپ محمد مصطفیٰؐ کے جانشین ہیں تو ہم آپ سے چند باتیں پوچھنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ نے ہمیں ان کے صحیح جواب دیئے تو ہم جان لیں گے کہ اسلام سچا دین ہے اور محمد مصطفیٰؐ سچے رسول ہیں۔ اگر آپ نے جواب نہ دیا تو ہم یہ سمجھیں گے کہ اسلام باطل دین ہے اور محمدؐ پیغمبر نہ تھے۔

انہوں نے کہا: جو کچھ تم چاہتے ہو پوچھو۔

انہوں نے حسب ذیل سوال کیئے:

۱۔ آسمان کے تالے کیا ہیں؟

۲۔ آسمانوں کی چابی کیا ہے؟

۳۔ وہ کونسی قبر ہے جو مردے کو لے کر سفر کرتی رہی؟

۴۔ وہ ڈرانے والا کون ہے جس نے اپنی قوم کو ڈرایا جبکہ اس کا تعلق نہ انسانوں سے تھا اور نہ ہی جنات سے تھا؟

۵۔ وہ کونسی پانچ چیزیں ہیں جو باپ کی صلب اور ماں کے شکم میں نہیں رہیں؟

جب حضرت عمرؓ نے یہ سوالات سنے تو کہا: جس چیز کو عمرؓ نہیں جانتا اس سے لاعلمی کا اعتراف کرنے میں اسے کوئی شرم محسوس نہیں ہوتی۔

یہ جواب سن کر یہودی علماء اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمدؐ اللہ کے نبی نہیں تھے اور اسلام خدائی دین نہیں ہے۔ (نعوذ باللہ)

حضرت سلمان فارسیؓ اٹھے اور یہودیوں سے کہا: تم لوگ یہاں رکو، میں اس شخصیت کو یہاں لے آتا ہوں جو علم انبیاء کا وارث ہے۔

سلمانؓ حضرت علیؑ کے دروازے پر آئے اور آپ سے عرض کیا: اے ابوالحسنؑ! اسلام پر مشکل آپڑی ہے، آپ اسلام کی مدد کریں۔

حضرت علیؑ نے رسول خداؐ کی عبا زیب تن کی اور مسجد کی طرف تشریف لائے۔ جیسے ہی حضرت عمرؓ نے انہیں دیکھا تو اپنی جگہ سے اٹھے۔ انہیں اپنی آغوش میں لیا اور کہا: اے ابوالحسنؑ! میں ہر مشکل مسئلے کے لئے آپ کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ آپ ان یہودیوں کو مطمئن کریں۔

حضرت علیؑ نے یہودیوں کو اپنے قریب بلایا اور ان سے فرمایا: تم نے جو کچھ پوچھنا ہو مجھ سے پوچھ لو۔ پیغمبر اکرمؐ نے مجھے علم کے ایسے ہزار دروازوں کی تعلیم دی تھی کہ ہر دروازے سے ہزار دروازے اور کھل گئے۔ حضرت علیؑ نے

یہودیوں سے مزید فرمایا کہ سوال و جواب سے پہلے تم لوگ میرے ساتھ یہ وعدہ کرو کہ اگر میرے جواب تورات کے عین مطابق ہوں تو تم ایمان لاؤ گے۔

انہوں نے کہا: جی ہاں ہم وعدہ کرتے ہیں۔

پھر آپ نے فرمایا: اچھا اب پوچھو۔ (مذکورہ سوال و جواب کو ہم مکالمے کی شکل میں لکھتے ہیں):

علمائے یہود: آسمانوں کا تالا کیا ہے؟

حضرت علیؑ: شرک آسمانوں کا تالا ہے کیونکہ مشرک انسان کا کوئی بھی عمل آسمان تک نہیں پہنچتا۔

علمائے یہود: آسمانوں کی چابی کیا ہے؟

حضرت علیؑ: خدا کی توحید اور محمد مصطفیٰؐ کی نبوت پر ایمان لانا آسمانوں کی چابی ہے۔ جب کوئی شخص اللہ کی توحید اور محمد مصطفیٰؐ کی نبوت پر ایمان لاتا ہے تو اس کے اعمال کے لئے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

حضرت علیؑ کا یہ جواب سن کر یہودی علماء نے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر کہا کہ یہ جوان صحیح جواب دے رہا ہے۔

علمائے یہود: وہ کونسی قبر ہے جو اپنے مردے کو لے کر سفر کرتی رہی تھی؟

حضرت علیؑ: وہ مچھلی جس نے حضرت یونسؑ کو نگلا تھا وہ انہیں اپنے شکم میں لے کر سات سمندروں میں پھرتی رہی۔

علمائے یہود: وہ ڈرانے والا کون ہے جس نے اپنی قوم کو ڈرایا تھا لیکن نہ تو وہ جنات میں سے تھا اور نہ انسانوں میں سے تھا؟

حضرت علیؑ: یہ وہ چیونٹی ہے جس نے حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے لشکر کو دیکھ کر اپنی قوم سے کہا تھا کہ یَا اَیُّھَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسَاکِنَکُمْ

لَایَحْطِمَنَّکُمْ سُلَیْمَانُ وَجُنُوْدُہٗ وَھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ. اے چیونٹیو! تم اپنے اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ کہیں سلیمان اور ان کا لشکر تمہیں پامال نہ کردے اور انہیں علم تک بھی نہ ہو۔(نمل: ۱۸)

علمائے یہود: آپ ان پانچ چیزوں کے متعلق بتائیں جو کہ باپ کے صلب اور ماں کے شکم میں نہیں رہیں؟

حضرت علیؑ: وہ یہ ہیں: (۱) حضرت آدم۔ (۲) حضرت حوا۔ (۳) ناقہ صالحؑ۔ (۴) حضرت اسمٰعیلؑ کی جگہ ذبح ہونے والا دنبہ۔ (۵) عصائے موسیٰؑ۔

یہودی علماء کی تعداد تین تھی۔ ان میں سے دو عالم تو اسی وقت ایمان لے آئے اور تیسرے عالم نے کہا: یاعلیؑ! اسلام کے لئے میرا دل بھی مائل ہو چکا ہے لیکن میں آپ سے ان افراد کی داستان سننا چاہتا ہوں جو کہ تین سو نو سال تک مرے پڑے رہے اس کے بعد خدا نے انہیں زندگی دی۔ آپ ان کا واقعہ تفصیل سے بیان کریں۔ اس کے جواب میں آپ نے اصحاب کہف کا مکمل قصہ بیان فرمایا اور جب آپ قصہ بیان کر چکے تو آپ نے اس سے پوچھا: اے یہودی! یہ بتاؤ کہ جو کچھ میں نے بیان کیا ہے یہ تورات کے مطابق ہے یا نہیں؟

اس نے چیخ کر کہا: مولا! آپ مجھے یہودی نہ کہیں۔ خدا کی قسم جو کچھ آپ نے بیان کیا ہے تورات میں بھی یہی کچھ مذکور ہے۔

پھر اس نے کہا: اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَاَشْھَدُ اَنَّکَ اَعْلَمُ ھٰذِہِ الْاُ مَّۃِ. میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ، اللہ کے رسول ہیں اور میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ آپ اس امت کے سب سے بڑے عالم ہیں۔

ڈرا دھمکا کر اقرار جرم کرانے کی کوئی اہمیت نہیں

ایک حاملہ عورت کو حضرت عمرؓ کے سامنے لایا گیا کہ اس نے اپنے زنا کا اقرار کیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اسے سنگسار کرنے کا حکم صادر کیا۔

حکومت کے ملازمین اسے لے جارہے تھے کہ حضرت علیؑ تشریف لائے اور ان سے کہا کہ اسے دربار خلافت میں لے جاؤ۔ پھر آپ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا: تجھے اس عورت پر تو اختیار حاصل ہے لیکن اس کے شکم میں جو بچہ پل رہا ہے اس کے قتل کرنے کا تجھے کس نے اختیار دیا ہے؟ علاوہ ازیں تمہیں یہ تحقیق کرنی چاہئے کہ کیا عورت کو ڈرا دھمکا کر تو یہ بیان حاصل نہیں کیا گیا؟

حضرت عمرؓ نے کہا: جی ہاں! اسے ہراساں اور خوفزدہ کر کے اس سے اقرار جرم کرایا گیا ہے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: رسول خداؐ کا فرمان ہے کہ **لاحد علی معترف بعد بلاء من قید او حبس او تهدد فلا اقرار له.** جسے زنجیر پہنا کر یا زندان میں رکھ کر یا ڈرا دھمکا کر اعتراف جرم کرایا گیا ہو تو اس پر کوئی حد نہیں ہے۔

حضرت عمرؓ نے اس عورت کو آزاد کردیا اور کہا: **عجزت النساء ان یلدن مثل علی بن ابی طالبؑ لولا علی لهلک عمر.** عورتیں علیؑ جیسا بچہ پیدا کرنے سے عاجز ہیں۔ اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہو جاتا۔[1]

۱۔ الریاض النضرۃ، جلد۲، ص۱۹۶۔ ذخائر العقبیٰ، ص۸۰۔ مطالب السؤل، ص۱۳۔ مناقب خوارزمی، ص۴۸۔ فخر الدین رازی کی اربعین، ص۴۶۶۔ (از الغدیر، ج۶، ص۱۱۰)۔

حالت اضطرار میں زنا[1]

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے ایک عورت کو سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ حکومتی اہلکار رجم کرنے کے لئے اسے لے جا رہے تھے کہ حضرت علیؑ کا وہاں سے گزر ہوا۔ آپ نے لوگوں سے عورت کا معاملہ دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ خلیفہ نے اسے سنگسار کرنے کا حکم دیا ہے۔ ہم اسے اسی نیت سے لے جا رہے ہیں۔

حضرت علیؑ نے سرکاری ملازمین سے فرمایا: اسے واپس لے چلو۔

ملازمین اسے حضرت عمرؓ کے پاس واپس لے آئے۔ اتنے میں حضرت علیؑ بھی مسجد نبوی میں وارد ہوئے اور خلیفہ سے کہا: اگر تمہیں اختیار حاصل ہے تو صرف عورت پر حاصل ہے۔ اس کے پیٹ میں پلنے والے بچے پر تمہیں کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔

یہ سن کر حضرت عمرؓ نے کہا: کل الناس افقه منی. تمام لوگ مجھ سے زیادہ عالم ہیں۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: میں اس عورت کی ضمانت دیتا ہوں، تم اسے واپس جانے دو اور بچے کی پیدائش کے بعد یہ واپس آئے گی، اس وقت اس پر حد شرعی نافذ کرنا۔

حضرت علیؑ کی ضمانت پر عورت کو رہائی ملی اور وہ وضع حمل کے بعد دربار خلافت میں پیش ہوئی اور اسے سنگسار کیا گیا۔

محبّ الدین طبری نے یہ اور اس سے پہلے والی دونوں روایات کو ریاض النضرہ جلد دوم، صفحہ ۱۹۶ اور ذخائرالعقبیٰ صفحہ ۸۱ پر نقل کر کے لکھا ہے۔

۱۔ اضافہ از مترجم۔

یہ دونوں علیحدہ علیحدہ واقعات ہیں لیکن پہلے واقعے میں عورت سے تشدد کے ذریعے سے اقرار کرایا گیا تھا اور اسے رہائی مل گئی تھی جبکہ اس واقعے میں مذکورہ عورت کو وضع حمل تک کی محدود رہائی ملی تھی لیکن بعدازاں اس پر رجم کی سزا نافذ کی گئی تھی۔

اسی طرح خلیفہ دوم کے عہد حکومت میں ایک عورت ان کے سامنے لائی گئی جس نے زنا کا اعتراف کیا۔ خلیفہ دوم نے اس کے سنگسار کرنے کا حکم جاری کیا۔

حضرت علیؑ اس محفل میں موجود تھے آپ نے فرمایا: اے عمرؓ! حدود میں یوں جلد بازی نہ کیا کرو۔ کم از کم اس عورت سے یہ تو پوچھ لو کہ آخر اس نے زنا کیوں کیا تھا؟

جب اس عورت سے پوچھا گیا تو اس نے اپنی داستان یوں بیان کی:

میں ایک سفر پر نکلی اور اس سفر میں ایک مرد بھی میرا ہمسفر بن گیا۔ اس مرد کے پاس کافی مقدار میں پانی اور زاد راہ موجود تھا۔ راستے میں جب میرا پانی ختم ہوگیا اور میں نے اس سے پانی مانگا تو اس نے کہا کہ جب تک تو اپنے آپ پر مجھے قابو نہ دے گی اس وقت تک تجھے ایک بوند پانی بھی نہیں دوں گا۔ میں نے اس کی خواہش ماننے سے انکار کردیا۔

پھر جوں جوں دن چڑھتا گیا پیاس سے میری حالت غیر ہونے لگی اور میں نے محسوس کیا کہ اگر چند لمحات میں مجھے پانی نہ ملا تو میں تشنگی سے ہلاک ہوجاؤں گی۔ آخرکار مجھے مجبور ہوکر اپنے ہمسفر کا مطالبہ پورا کرنا پڑا۔

جب عورت نے اپنی یہ داستان مکمل کی تو حضرت علیؑ نے تکبیر کی آواز بلند کی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلاَ عَادٍ فَلاَ اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ.

اور جو کوئی مجبور ہو جائے اور وہ زیادتی کرنے والا نہ ہو اور حد سے بڑھنے والا نہ ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (البقرہ: ۱۷۳)

علامہ امینی اس واقعے کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اے کاش! خلیفہ صاحب قرآن مجید کی آیات سے واقف ہوتے تو یہ ان کے حق میں زیادہ بہتر ہوتا۔

اگر اس دور میں حضرت علیؑ نہ ہوتے تو نجانے کتنے بے گناہ عدالت کے ذریعے سے قتل ہو جاتے اور کتنے ہی غلط فیصلے تاریخ اسلامی کا حصہ بن جاتے۔ بہرحال حضرت عمرؓ کو اپنی علمی کم مائیگی کا پورا پورا احساس تھا۔ اسی لئے وہ اکثر و بیشتر یہ کہا کرتے تھے: **لولا علی لھلک عمر.** اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہو جاتا۔

مغیرہ بن شعبہ کو حد شرعی سے بچانا

انسؓ بن مالک کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں مغیرہ بن شعبہ بصرہ کا گورنر تھا۔ وہ روزانہ دوپہر کے وقت دارالامارہ سے نکل کر باہر جاتا تھا۔

ابوبکرہ اسے روزانہ جاتے ہوئے دیکھ کر پوچھتا تھا کہ کہاں جا رہے ہو؟

وہ جواب میں کہتا تھا کہ میں ایک کام کے لئے جا رہا ہوں۔

ابوبکرہ کہتا تھا کہ تجھے کون سا کام لاحق ہے؟ لوگ اپنے کاموں کے لئے امیر کے پاس آتے ہیں جبکہ امیر تو لوگوں کے پاس نہیں جاتا۔

اصل بات یہ تھی کہ مغیرہ بن شعبہ نے ایک فاحشہ عورت ام جمیل سے ناجائز تعلقات استوار کئے ہوئے تھے اور وہ روزانہ اپنی محبوبہ کے ساتھ بدکاری کرنے کے لئے جاتا تھا۔

مغیرہ کی محبوبہ ام جمیل بنت افقم کا گھر ابوبکرہ کے گھر کے بالکل سامنے تھا۔

ایک روز مغیرہ بن شعبہ حسب دستور دوپہر کے وقت ام جمیل کے گھر آیا۔ وہ فاحشہ عورت ایک بالاخانے میں زندگی بسر کرتی تھی جو ابوبکرہ کے بالاخانے کے بالکل سامنے تھا۔

اس دن ابوبکرہ نے اپنے بھائی نافع، زیاد اور شبل بن معبد کو اپنے گھر بلایا اور انہیں اپنے گھر کے بالاخانے میں بٹھادیا۔ ابوبکرہ اور اس کے دوسرے تین افراد نے کچھ دیر بعد دیکھا کہ مغیرہ اس عورت کے ساتھ بے حیائی میں مصروف ہے۔

ابوبکرہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: اس وقت ہم شدید مصیبت میں پھنس چکے ہیں۔ لہذا تم اس منظر کو اچھی طرح اور پورے غور سے دیکھو تا کہ کل کلاں جب ہمیں گواہی دینی پڑے تو ہماری گواہی ہر لحاظ سے کامل ہو۔

سب نے بے حیائی کے اس منظر کو خوب توجہ سے دیکھا۔ پھر ابوبکرہ اپنے بالاخانے سے نیچے اترا اور کچھ دیر بعد مغیرہ بھی فاحشہ عورت کے بالاخانے سے نیچے آیا۔ جیسے ہی مغیرہ اس کے سامنے آیا تو ابوبکرہ نے کہا: تو نے فعل بد سرانجام دیا ہے لہذا آئندہ یہاں آنے کی کبھی کوشش نہ کرنا۔

ظہر کا وقت ہوا مغیرہ نماز پڑھانے کے لئے اٹھا تو ابوبکرہ نے اس سے کہا: خدا کی قسم! تو ہمیں نماز نہیں پڑھا سکتا کیونکہ تو بے حیائی کا ارتکاب کر چکا ہے۔

لوگوں نے ابوبکرہ سے کہا: اسے کچھ نہ کہو، اسے نماز پڑھانے دو کیونکہ یہ اس وقت ہمارے شہر کا والی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تم یہ معاملہ عمرؓ کے پاس لکھ بھیجو اور وہی اس امر کا فیصلہ کریں گے۔

چنانچہ حضرت عمرؓ کو خط لکھا گیا۔ انہوں نے مغیرہ اور تمام گواہوں کو اپنے پاس مدینے طلب کیا۔

مصعب بن سعد نے کہا: جب تمام گواہ اور مدعی علیہ پہنچ گئے تو ایک دن

حضرت عمرؓ فیصلہ کرنے کے لئے بیٹھے۔

ابوبکرہ، حضرت عمرؓ کے پاس بطور گواہ پیش ہوا تو انہوں نے اس سے کہا: کیا تو نے مغیرہ کو اس عورت کے رانوں کے درمیان بیٹھا ہوا دیکھا تھا؟

ابوبکرہ نے کہا: جی ہاں! خدا کی قسم! مجھے تو اس وقت بھی یوں لگتا ہے جیسے یہ اس کی ٹانگوں کے درمیان سے اٹھ رہا ہو۔

مغیرہ نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا: معلوم ہوتا ہے کہ تو بڑے غور سے یہ عمل دیکھتا رہا۔

ابوبکرہ نے کہا: جی ہاں! میں نے خوب غور سے تیری بدکاری کو دیکھا تھا اور میرا یہ مشاہدہ ابھی تیری ذلت کا سبب ثابت ہوگا۔

حضرت عمرؓ نے کہا: نہیں خدا کی قسم! ابھی گواہی مکمل نہیں ہوئی۔ کیا تو نے اپنی آنکھوں سے یہ منظر بھی دیکھا تھا جیسے سلائی سرمہ دانی میں ہو؟ اور کیا تو نے مغیرہ کو جماع کرتے ہوئے دیکھا تھا؟

ابوبکرہ نے کہا: جی ہاں! میں نے اسے بالکل اسی حالت میں دیکھا تھا۔

حضرت عمرؓ نے مغیرہ کی طرف منہ کر کے کہا: چار میں سے ایک گواہی تیرے خلاف مکمل ہو چکی ہے۔

پھر حضرت عمرؓ نے نافع کو بلایا اور کہا: تو کس بات کی گواہی دیتا ہے؟

نافع نے کہا: میں وہی گواہی دیتا ہوں جو ابوبکرہ نے دی تھی۔

حضرت عمرؓ نے کہا: کیا تو نے اس کے آلۂ تناسل کو اس کی فرج میں ایسے دیکھا تھا جیسے سرمہ دانی میں سلائی ہوتی ہے؟

نافع نے کہا: جی ہاں! بلکہ اس سے بڑھ کر یہ بھی کہتا ہوں کہ جیسے تیر پیکان تک پہنچ جاتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے مغیرہ سے کہا: اب تیرے خلاف دو گواہیاں ثابت ہو چکی ہیں۔

پھر انہوں نے تیسرے گواہ کو بلایا اور اس پر سابقہ سوالات کیے۔ اس نے بھی اپنے ساتھیوں کی طرح سے جواب دیئے۔

آخر میں انہوں نے چوتھے گواہ زیاد کو بلایا۔ جب وہ آیا تو اس نے خلیفہ کو مہاجرین و انصار کے درمیان بیٹھا ہوا دیکھا۔ مغیرہ نے اس موقع پر کہا: میرے پاس اس جماعت کے حلیم ترین فرد کے لئے ایک بات ہے۔[1]

حضرت عمرؓ نے زیاد کو دیکھا تو انہوں نے اپنی خواہش کا اظہار اپنی زبان سے ان الفاظ میں کیا: **انی لاری رجلا لن یخزی اللہ علی لسانہ رجلا من المھاجرین.** مجھے اس وقت ایک ایسا شخص دکھائی دے رہا ہے جس کی زبان سے اللہ مہاجرین کے ایک شخص (مغیرہ بن شعبہ) کو ہرگز رسوا نہیں کرے گا۔ اس طرح حضرت عمرؓ نے آنے والے آخری گواہ کو اپنی پسند و ناپسند کے متعلق واضح پیغام دے دیا۔[2]

زیاد نے کہا: جناب میری گواہی بھی قریباً قریباً اپنے تین دوستوں کی سی ہے۔ البتہ میں سمجھتا ہوں کہ شاید مکمل زنا نہ ہوا ہو۔ البتہ میں نے مغیرہ کو سخت ناشائستہ حالت میں دیکھا اور میں نے اس کی صدائیں سنیں جو کہ اس کی شدید فعالیت پر دلالت کرتی تھیں اور شدت فعالیت کی وجہ سے وہ تیز تیز سانسیں لے رہا

۱۔ یہیں سے گواہ کو اپنے فائدے کے لئے پلٹایا گیا۔ مغیرہ نے زیاد سے کہا: میں ایک بات جانتا ہوں جو میں حضرت عمرؓ سے بتا چکا ہوں۔ مراد یہ تھی کہ تم کسی پریشانی میں نہ پڑو، میں اپنے معاملے کو درست کر چکا ہوں یا زیاد کو دھوکا دینے کے لئے اس طرح کہا کہ میں ایک راز رکھتا ہوں اور زیاد جو ان گواہوں میں حلیم ترین ہے اسے گواہی کے لئے پیش کرتا ہوں۔

۲۔ چنانچہ ملاحظہ کیجئے کہ حضرت عمرؓ نے ان الفاظ سے زیاد سے فرمائش کی کہ مغیرہ کے فائدے میں گواہی دے اور اسے حد زنا سے بچالے اور زیاد نے بھی اس سلسلے میں اپنی ذمہ داری کو پوری طرح سمجھ لیا۔

تھا۔ مغیرہ کو میں نے اس عورت کے پیٹ پر لیٹا ہوا دیکھا۔

حضرت عمرؓ نے کہا: کیا تو نے اس کے عضو خاص کو اس کی اندام نہانی میں یوں دیکھا تھا جیسے سرمہ دانی میں سلائی ہو؟

گواہ نے کہا: نہیں! میں نے یہ تو نہیں دیکھا تھا۔ البتہ میں نے یہ ضرور دیکھا کہ مغیرہ نے اس کی ٹانگیں اٹھا رکھی تھیں اور اس کے خصیے اس کی رانوں کے درمیان متحرک دکھائی دیتے تھے اور تیز تیز سانسوں کی آوازیں بھی سنی تھیں۔

طبری میں ہے کہ زیاد نے کہا: میں نے مہندی لگے دو پاؤں دیکھے جو آگے پیچھے ہو رہے تھے اور دو جسم کمر سے پاؤں تک برہنہ تھے اور ان کے تیز تیز سانسوں کو میں نے سنا۔

حضرت عمرؓ نے کہا: کیا تو نے اس طرح دیکھا جیسے سلائی سرمہ دانی میں جاتی ہے؟

اس نے کہا: اس طرح نہیں۔

یہ سن کر خلیفہ نے اللہ اکبر کی صدا بلند کی اور کہا: بس ثابت ہوگیا کہ یہ مغیرہ پر تہمت لگائی ہے۔ حضرت عمرؓ زیاد کی گواہی پر بے حد خوش ہوئے اور حد رجم مغیرہ پر سے اٹھالی۔ اس کے بعد تین گواہوں کے متعلق انہوں نے یہ حکم صادر کیا کہ انہیں اسّی اسّی کوڑے مارے جائیں۔

ابوبکرہ جب تازیانے کھا چکا تو اس نے کہا: اگرچہ مجھے تازیانے لگائے گئے ہیں اس کے باوجود میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مغیرہ نے زنا کیا تھا۔

حضرت عمرؓ نے جیسے ہی یہ الفاظ سنے تو وہ ابوبکرہ کو دوبارہ تازیانے مارنے کے لئے اٹھے۔ اسی وقت حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: اگر آپ نے ابوبکرہ کو تازیانے مارے تو میں مغیرہ کو سنگسار کردوں گا۔

حضرت علیؑ کی دھمکی سن کر حضرت عمرؓ اپنے ارادے سے باز آئے۔[1]

اس واقعے کو نقل کرنے کے بعد علامہ امینی نے لکھا:

مقام تعجب ہے کہ خلیفہ نے اپنے دوست کو بچانے کے لئے گواہوں میں سے ایک گواہ کو منحرف کیا کیونکہ جب انہوں نے چوتھے گواہ کو آتے ہوئے دیکھا تو انہیں یقین ہوگیا کہ اگر اس نے بھی سلائی اور سرمہ دانی کی گواہی دی تو پھر مغیرہ کی زندگی ختم ہو جائے گی۔ اسی لئے انہوں نے چوتھے گواہ کو دیکھ کر اور اسے سُنوا کر یہ کہا کہ میں ایک ایسے شخص کو دیکھ رہا ہوں جس کی زبان سے اللہ ایک مہاجر کو ہرگز رُسوا نہیں کرے گا۔

یا ایک اور روایت کی رُو سے کہا: میں ایک ایسے شخص کو دیکھ رہا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ اس کے ہاتھوں ایک صحابی رسول سنگسار نہیں ہوگا اور چند دوسری روایات میں ہر ایک سے کامل طور پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اشارہ کیا کہ شہادت کو چھپانا ہے۔

گواہ بھی انسان تھا جو حضرت عمرؓ کی چھپی ہوئی خواہش کو تاڑ گیا اور اسے یقین ہوگیا کہ خلیفہ ہر قیمت پر اپنے دوست کو بچانے کی فکر میں ہے۔ اسی لئے چوتھے گواہ نے گواہی کے الفاظ میں ہلکا سا توڑ مروڑ سے کام لیا۔ جہاں اس نے سلائی اور سرمہ دانی کی گواہی نہ دی وہاں یہ بھی کہا کہ میں نے مغیرہ کو برہنہ ام جمیل کی رانوں کے درمیان بیٹھا ہوا دیکھا اور میں نے اس کے خصیتین کو بھی آگے پیچھے ہوتے ہوئے دیکھا۔ کیا اس صورت میں ممکن ہے کہ سلائی سرمہ دانی میں نہ گئی ہو یا

۱۔ اغانی ابوالفرج اصفہانی، جلد۱۵، ص۱۴۶۔ تاریخ طبری، جلد۴، ص۲۰۷۔ فتوح البلدان بلاذری، ص۳۵۲۔ کامل ابن اثیر، جلد۲، ص۲۲۸۔ شرح ابن ابی الحدید، جلد۳، ص۱۶۱۔ ابن خلکان، جلد۲، ص۴۵۵۔ تاریخ ابن کثیر، جلد۷، ص۸۱۔ عمدۃ القاری، جلد۶، ص۳۴۰۔

تیر نشانے تک نہ پہنچا ہو؟

اس واضح سی گواہی کے بعد حضرت عمرؓ کے پاس کون سا عذر شرعی باقی رہ گیا تھا؟ اگر بالفرض مغیرہ نے بدکاری نہیں کی تھی تو اس کے خصیے آگے پیچھے کیوں ہو رہے تھے؟ مگر اس موقع پر واضح گواہیوں کے باوجود خلیفہ صاحب نے اجتہاد کیا اور مغیرہ پر حد جاری کرنے کی بجائے تین گواہوں پر حد قذف جاری کی۔ جبکہ انہیں یہ یقین تھا کہ مغیرہ نے یہ فعل بد انجام دیا ہے۔

چنانچہ ایام حج میں ایک روز حضرت عمرؓ نے ام جمیل کو دیکھا تو مغیرہ سے پوچھا کہ یہ عورت کون ہے؟

مغیرہ نے کہا: یہ ام کلثوم دختر علی ہے۔

حضرت عمرؓ نے کہا: تو میرے سامنے بھی بیہودگی کی باتیں کرتا ہے۔ خدا کی قسم! میں نہیں سمجھتا کہ ابوبکرہ نے تجھ پر بہتان طرازی کی ہو۔ میں جب بھی تجھے دیکھتا ہوں تو مجھے یہ خوف ہوتا ہے کہ کہیں مجھ پر آسمان سے پتھر نہ گریں۔

مجھے نہیں معلوم کہ حضرت عمرؓ کے خوف کی کیا وجہ تھی؟ ایک وجہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ انہیں یہ یقین تھا کہ مغیرہ واقعی مجرم ہے اور انہوں نے اسے چھوڑ کر اپنے لئے عذاب الٰہی کو دعوت دی ہے۔ یا پھر انہیں یہ فکر ستائے رہتی تھی کہ انہوں نے مغیرہ کے خلاف گواہی دینے والوں کو ناحق سزا دی تھی جبکہ ابوبکرہ رسول خداؐ کے ممتاز صحابی شمار ہوتے تھے اور کثرت عبادت کی وجہ سے وہ کسی تیر کی طرح سے پتلے دبلے ہو چکے تھے۔ میں نہیں جانتا کہ حضرت عمرؓ کیوں ڈرتے تھے کہ ان پر پتھر برس سکتے تھے۔

ابن ابی الحدید معتزلی کہتے ہیں:

اس بات میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ مغیرہ نے ام جمیل سے

زنا کیا تھا کیونکہ مغیرہ کی بدکاری کی داستانیں زبان زد خاص و عام تھیں۔ البتہ حضرت عمرؓ نے اس پر حد جاری نہیں کی تھی تو ہماری نظر میں حضرت عمرؓ کا یہ اقدام بھی درست تھا کیونکہ امام کو چاہئے کہ وہ ملزم کو زیادہ سے زیادہ شک کا فائدہ دے۔ اگرچہ امام کا گمان یہ ہو کہ ملزم حد شرعی کا حقدار ہے، اس کے باوجود بھی امام کو چاہئے کہ ملزم کو زیادہ سے زیادہ فائدہ دے۔

ہم (علامہ امینی) کہتے ہیں کہ شبہہ کی وجہ سے حد کے ٹل جانے کا فائدہ صرف مغیرہ کے لئے کیوں مخصوص کیا گیا۔ امام جہاں ملزم کو شک کا فائدہ دے تو وہاں گواہوں کے مفادات کا بھی اسے خیال کرنا چاہئے۔ یہ کیسے ممکن ہوا کہ مغیرہ پر حد جاری نہیں کی گئی حالانکہ اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ دور جاہلیت میں سب سے زیادہ زانی مشہور تھا۔ جب اسلام آیا تو دین کی سزا (کے خوف) نے اسے زنا سے روکا۔ یہ رکاوٹ اس کے والی بصرہ بن جانے تک رہی یہاں آ کر وہ اپنی پرانی عادتوں میں اس طرح ملوث ہوا کہ اس کی حرکتوں سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا تھا۔ یہاں تک کہ خلیفہ کو اس پر حد کے واجب ہو جانے کا گمان غالب ہوا۔

بدکاری کے عادی مجرم مغیرہ جیسے شخص کو حد شرعی سے بچانے کے لئے تین بے گناہ مسلمانوں پر حد قذف جاری کرنا کہاں کی دانش مندی اور کہاں کا انصاف ہے؟ کیا مغیرہ جیسے بدنام شخص کو حد شرعی سے بچا کر اور عبادت گزار مسلمانوں پر حد قذف جاری کر کے معاشرے میں بد چلنی کو عام کرنے میں تو مدد نہیں دی گئی؟ اور کیا اس سے مسلمانوں کو آئندہ کے لئے یہ پیغام تو نہیں دیا گیا کہ مجرم کو کچھ نہیں کہا جائے گا۔ البتہ جس نے گواہی کی جسارت کی تو اس کی کھال کھینچ لی جائے گی؟

ہم حیران ہیں کہ خلیفہ نے اگرچہ چوتھے گواہ کو منحرف کرنے کے لئے اپنا اثر و رسوخ استعمال کیا تھا، مگر اس کے باوجود اس نے باقی تین گواہوں سے صرف

اس بات میں اختلاف کیا تھا کہ اس نے سلائی اور سرمہ دانی کا مشاہدہ نہیں کیا تھا۔ البتہ اس نے مغیرہ کو ام جمیل کے شکم پر بیٹھا ہوا دیکھا، اس نے ام جمیل کی ٹانگوں کو اٹھا ہوا دیکھا تھا اور اس نے مغیرہ کے خصیتین کو بھی حالت حرکت میں دیکھا۔ مگر اتنی واضح شہادت کے بعد بھی خلیفہ نے اپنے دوست کو بے گناہ قرار دیا اور گواہوں کو اسّی اسّی کوڑے مارے۔ پھر کیوں اس عمل ناشائستہ کے لئے جس کی ان چاروں افراد نے بالاتفاق گواہی دی تھی، مغیرہ کو تنبیہ نہ کی گئی، نہ تعزیر کی گئی اور نہ کوڑے مارے گئے؟ کیا یہ گواہیاں تعزیر دینے کا سبب نہیں بنتی تھیں؟

جبکہ حضرت عمرؓ کی زندگی میں ہمیں تعزیر کے بہت سے واقعات دکھائی دیتے ہیں۔ مثلاً انہوں نے ایک شخص کو شراب کے دسترخوان پر بیٹھا ہوا دیکھا تو انہوں نے اسے تازیانے مارے تھے جبکہ وہ شخص حالت روزہ میں تھا اور اس نے شراب کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔

خلیفہ صاحب نے ایک مرتبہ ایک عورت و مرد کو ایک لحاف میں لیٹا ہوا دیکھا تو انہوں نے دونوں کو پچاس پچاس کوڑے مارے تھے۔

ابن مسعود نے ایک مرد و عورت کے متعلق جو کہ ایک لحاف میں پائے گئے تھے یہ فیصلہ کیا تھا کہ دونوں کو چالیس چالیس تازیانے مارے جائیں۔ جب اس عورت اور مرد کے لواحقین نے حضرت عمرؓ کے سامنے ابن مسعود کے اس فیصلے کے خلاف اپیل کی تو انہوں نے ابن مسعود سے اس کے فیصلے کی وجہ دریافت کی تھی۔ پھر اس پر انہوں نے کہا تھا کہ اس طرح کے مقدمے میں بطور تعزیر میں اتنی سزا جاری کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے ابن مسعود کی رائے کو صحیح قرار دیا تھا اور انہوں نے کہا تھا کہ ابن مسعود نے بالکل صحیح کام کیا ہے۔

شکایت کنندگان نے تعجب سے کہا: ہم ابن مسعود کی شکایت کرنے آئے

تھے لیکن خلیفہ خود ہی ابن مسعود کا پیروکار رہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر مذکورہ افراد پر تعزیر نافذ ہوسکتی ہے تو اتنی ٹھوس گواہیوں کے باوجود مغیرہ بن شعبہ پر تعزیر کیوں نہ لگائی گئی؟

جبکہ ایک لحاف میں مرد و عورت کو تعزیر کے قابل سمجھا گیا حالانکہ انہوں نے کم از کم ایک لحاف کا پردہ تو رکھا تھا جبکہ مغیرہ نے بے حیائی کی تمام حدود پھلانگ دی تھیں۔ اس نے زیر آسمان بے حیائی کا ارتکاب کیا اور کسی طرح کے پردے کا بھی کوئی تکلف کرنا گوارا نہیں کیا تھا۔[1]

خوشامدیوں کا طرز عمل

ابن عباسؓ کا بیان ہے:

حضرت عمر بن خطابؓ کو ایک مسئلہ درپیش ہوا جس کو حل کرنے سے وہ عاجز رہے۔ انہوں نے وہ مسئلہ صحابہ کے سامنے رکھا اور ان سے رہنمائی کی درخواست کی۔

صحابہ نے کہا: اس طرح کے مسائل کے لئے تو ہم آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور مشکلات کے حل کے لئے آپ ہی ہمارا آسرا ہوتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کو لوگوں کی یہ خوشامد پسند نہ آئی اور ناراض ہوکر ان سے کہا: خدا کا خوف کرو اور مسئلہ حل کرنے کے متعلق کوئی بات کرو۔

حاضرین نے کہا: اس مسئلے کا ہمارے پاس کوئی حل موجود نہیں ہے۔

حضرت عمرؓ نے کہا: مگر میں اس شخص کو بخوبی جانتا ہوں جو اس مسئلے کو حل کرسکتا ہے۔ میں اس مسئلے کے حل کرنے والے شخص کے خاندانی شجرے تک سے

۱۔ الغدیر، ج۶، ص۱۳۸ تا ۱۴۲۔

بھی واقف ہوں اور معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلے کے حل کے لئے مجھے اس کے پاس جانا ہی پڑے گا۔

حاضرین نے کہا: ان الفاظ سے آپ علی ابن ابی طالبؑ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں؟

حضرت عمرؓ نے کہا: جی ہاں! میں تمہیں خدا کی قسم دے کر تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا ماؤں نے اس جیسا لال پیدا کیا ہے اور کیا کسی مائی کے لال میں اس جیسے فضائل موجود ہیں؟

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے کہا: آؤ ہم اس کے پاس چلیں۔

چند خوشامدیوں نے کہا: آپ کو ان کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہے؟ آپ انہیں اپنے ہاں بلالیں وہ آپ کے پاس آجائیں گے۔

حضرت عمرؓ نے خوشامدیوں سے کہا: تم نے انتہائی غلط فیصلہ کیا ہے۔ علیؑ بنی ہاشم کے شجر کی بلند ترین شاخ ہے۔ وہ پیغمبر اکرمؐ کا انتہائی قریبی رشتہ دار ہے۔ علیؑ کو امتیاز علمی میسر ہے۔ اسی لئے ہمیں ان کے پاس جانا چاہئے نہ کہ انہیں اپنے پاس بلانا چاہئے۔ اس کے گھر کا دروازہ حکمت کا چشمہ ہے۔ آؤ ہم ان کے پاس چلیں۔ (پھر وہ اٹھے اور حضرت علیؑ کو تلاش کرنے لگے)۔

انہوں نے حضرت علیؑ کو ایک باغ میں دیکھا۔ آپ قرآن مجید کی اس آیت مجیدہ کی تکرار کر رہے تھے اور رو رہے تھے:

اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَنۡ یُّتۡرَکَ سُدًی. کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ اسے ایسے ہی چھوڑ دیا جائے گا؟ (قیامة: ٣٦)

حضرت عمرؓ نے انہیں سلام کیا اور سب حضرت علیؑ کے پاس بیٹھ گئے۔

حضرت عمرؓ نے شریح قاضی سے کہا: تو نے جو داستان میرے سامنے پیش کی ہے وہ

داستان علیؑ کے سامنے پیش کر۔

شریح نے کہا: یا علیؑ! ایک شخص کی دو بیویاں ہیں ان میں سے ایک عورت آزاد اور بھاری حق مہر والی ہے جبکہ دوسری ام ولد کنیز ہے۔

کل رات وہ دونوں بیویوں کو میرے گھر لے آیا اور مجھ سے کہا: میں کہیں باہر جارہا ہوں اور میں اپنی دونوں بیویاں آپ کے پاس بطور امانت ٹھہراتا ہوں اور ان کے خرچ کے لئے آپ کو کچھ رقم بھی دیتا ہوں اور انشاء اللہ جیسے ہی میں اپنے گھر واپس آؤں گا تو اپنی بیویوں کو بھی لے جاؤں گا۔

میں نے اپنے ایک خالی گھر میں اس کی بیویوں کو رہائش دی اور اتفاق سے کل رات دونوں بیویوں کے ہاں وضع حمل ہوا۔ ایک کو لڑکا پیدا ہوا اور دوسری کو لڑکی پیدا ہوئی۔ مگر ان دونوں میں سے کوئی بھی عورت لڑکی اٹھانے پر آمادہ نہیں ہے۔ دونوں عورتوں کا یہ دعویٰ ہے کہ اس نے لڑکا جنا ہے اور دوسری کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے۔ اب میں انتہائی پریشان ہوں کہ ان کے درمیان کیسے فیصلہ کروں؟

حضرت علیؑ نے کہا: تم نے ان کے درمیان فیصلہ کیوں نہیں کر دیا؟

شریح نے کہا: اگر میں فیصلہ کرسکتا تو آپ کے پاس کیوں آتا؟

حضرت علیؑ نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر توڑا اور ان لوگوں سے فرمایا: اس کا فیصلہ تو اس تنکے کو توڑنے سے بھی زیادہ آسان ہے۔ کیا اس وقت وہ دونوں عورتیں موجود ہیں؟

شریح نے کہا: جی ہاں! میں انہیں اپنے ساتھ لایا ہوں۔

اس کے بعد آپ نے دو شیشیاں منگوائیں اور ان کا وزن کرایا۔ دونوں کا وزن برابر تھا۔ پھر آپ نے ایک شیشی پر آزاد عورت کا نام لکھا اور اسے وہ شیشی دے کر فرمایا کہ وہ اس شیشی میں اپنا دودھ بھر دے۔

ایک دوسری شیشی پر آپ نے کنیز کا نام لکھا اور اسے بھی حکم دیا کہ وہ اس میں اپنا دودھ بھر دے۔

دونوں عورتوں نے اپنی اپنی شیشی میں دودھ بھر کر آپ کے حوالے کیا۔

اس کے بعد آپ نے ان دونوں شیشیوں کو اٹھا کر ترازو کے علیحدہ علیحدہ پلڑے میں رکھا۔ ان میں سے ایک شیشی کا وزن زیادہ تھا اور دوسری کا کم تھا۔ جس شیشی کا وزن زیادہ تھا تو آپ نے فرمایا کہ بیٹا اس کا ہے اور جس شیشی کا وزن کم تھا تو آپ نے فرمایا کہ بیٹی اس کی ہے۔

حضرت عمرؓ اور قاضی شریح نے جب آپ کا یہ فیصلہ دیکھا تو کہا: اے ابوالحسنؑ! آپ نے دودھ سے فیصلہ کیسے کر دیا؟

حضرت علیؑ نے فرمایا: کیا تمہیں علم نہیں ہے کہ لڑکے کی میراث دو برابر اور لڑکی کی ایک برابر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جسے میراث میں زیادہ حصہ دیا ہے اس کا دودھ بھی وزنی بنایا ہے اور جس کا میراث میں حصہ کم ہے اس کا دودھ بھی ہلکا ہے۔

حضرت امیر کا یہ فیصلہ سن کر حضرت عمرؓ اور جملہ حاضرین عش عش کر اٹھے اور حضرت عمرؓ نے کہا: **لا ابقانی اللہ لشدة لست لها ولافی بلد لست فیه.** اللہ مجھے کسی سخت امر کے لئے باقی نہ رکھے جس کی مشکل کشائی کے لئے آپ موجود نہ ہوں اور اللہ مجھے کسی ایسے شہر میں نہ رہنے دے جس میں آپ نہ ہوں۔

عیسائی واعظ کے سوالات

خلیفہ دوم کی خلافت کے ابتدائی ایام میں ایک دن عیسائیوں کا ایک واعظ آیا اور اس نے خلیفہ سے کہا: ہمارا علاقہ انتہائی سرد اور ٹھنڈا ہے، آپ کی فوج وہاں

قیام نہیں کرسکتی لہذا خراج کا میں خود ضامن ہوں۔ میں سالانہ خراج کی رقم آپ کے پاس بھیج دوں گا۔ حضرت عمرؓ نے اس کی پیشکش کو قبول کیا۔

اس کے بعد وہی واعظ ہر سال خراج کی رقم لے کر حضرت عمرؓ کے پاس پہنچ جاتا تھا اور خلیفہ صاحب اسے رسید لکھ کر دے دیتے تھے۔

پھر ایک سال وہ واعظ خراج کی رقم لایا تو اپنے ساتھ ایک خوش شکل اور باوقار عالم کو بھی لے کر آیا۔ حضرت عمرؓ نے اسے اسلام کی دعوت دی اور اسلام کے دنیوی اور اخروی فوائد بیان کئے۔

اسقف نے کہا: اے عمرؓ! آپ لوگ قرآن میں پڑھتے ہیں: وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ. جنت حاصل کرنے کے لئے جلدی کرو جس کا عرض آسمان وزمین کے برابر ہے۔ (حدید: ۲۱) سوال یہ ہے کہ جب جنت کا عرض زمین اور آسمان کی مقدار کے برابر ہے تو پھر دوزخ کہاں جائے گی؟

حضرت عمرؓ سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو انہوں نے حضرت علیؑ کی طرف رخ کر کے کہا: آپ اسے جواب دیں۔

حضرت علیؑ نے پادری سے پوچھا: یہ بتاؤ جب دن آتا ہے تو رات کہاں چلی جاتی ہے اور جب رات آتی ہے تو دن کہاں چلا جاتا ہے؟

پادری نے حضرت عمرؓ سے کہا: میں تو سمجھتا تھا کہ اس سوال کا کوئی جواب نہیں دے سکے گا مگر اس جوان نے انتہائی حسین جواب دیا ہے۔ آپ بتائیں کہ یہ جوان کون ہے؟

حضرت عمرؓ نے کہا: یہ علی بن ابی طالبؑ داماد پیغمبر اور والد حسنینؑ ہیں۔

اس کے بعد پادری نے پوچھا: اچھا یہ بتائیں کہ وہ کون سی سرزمین ہے جس پر سورج صرف ایک بار چمکا ہے وہاں آج تک دوبارہ سورج نہیں چمکا؟

حضرت عمرؓ نے پادری سے کہا کہ اس نوجوان سے پوچھو۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: یہ دریا کا وہ علاقہ ہے جہاں سے حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو لے کر گزرے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دریا کو خشک کر کے انہیں اور ان کی قوم کو راستہ دیا تھا۔ جب وہ گزر گئے تو اللہ نے پانی کی لہروں کو ایک دوسرے میں ملا دیا۔ چنانچہ یہ وہ سرزمین ہے جہاں صرف ایک مرتبہ سورج چمکا تھا اور دوسری مرتبہ نہیں چمکا۔

پادری نے کہا: جنت کے میووں کی یہ شان ہوگی جیسے شاخ سے میوہ توڑا جائے گا تو اس کی جگہ دوسرا میوہ آ جائے گا۔ اس کی کوئی دنیاوی مثال بیان کریں۔

حضرت علیؑ نے کہا: دنیا میں اس کی مثال قرآن ہے۔ اگر ساری دنیا اس سے استفادہ کرے تو بھی اس میں سے کوئی کمی پیدا نہیں ہوگی۔

پادری نے کہا: صحیح ہے آپ یہ بتائیں کہ زمین پر سب سے پہلا خون کا قطرہ کس کا گرا تھا؟

حضرت علیؑ نے فرمایا: میں تمہاری طرح سے یہ نہیں کہوں گا کہ خون کا گرنے والا پہلا قطرہ چمگادڑ کے خون کا ہے۔ اس کی بجائے میں یہ کہتا ہوں کہ خون کا گرنے والا پہلا قطرہ حضرت حوا کی بچہ دانی کا ہے۔ جب انہیں ہابیل پیدا ہوا تھا تو ان کی بچہ دانی سے جو خون کا قطرہ گرا تھا وہ زمین پر گرنے والا خون کا پہلا قطرہ تھا۔

پادری نے کہا: آپ نے بالکل صحیح کہا۔ پھر اس نے پوچھا: آپ مجھے یہ بتائیں کہ خدا کہاں ہے؟

حضرت عمرؓ یہ سوال سن کر خشمگیں ہوئے۔ مگر حضرت علیؑ نے فرمایا: میں تجھے اس کا جواب دیتا ہوں۔ ہم ایک دن پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے

تھے کہ آپ کے پاس ایک فرشتہ آیا۔ رسول اکرمؐ نے اس سے پوچھا کہ تم کہاں سے آرہے ہو؟ اس نے جواب میں کہا کہ میں ساتویں آسمان سے اپنے خدا کے پاس سے آرہا ہوں۔ اس کے بعد دوسرا فرشتہ نازل ہوا۔ آنحضرتؐ نے اس سے پوچھا کہ تم کہاں سے آرہے ہو؟ اس نے کہا کہ میں ساتویں زمین سے اپنے خدا کے پاس سے آرہا ہوں۔ اسی طرح ایک فرشتہ مشرق سے اور دوسرا مغرب سے آپ کے پاس آیا۔ آپ نے دونوں سے پوچھا کہ تم کہاں سے آرہے ہو تو دونوں نے کہا کہ ہم اللہ کی طرف سے آرہے ہیں۔ لہذا خدا ہر جگہ اور یہاں وہاں ہر مقام پر موجود ہے۔ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّ فِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ. وہ آسمان میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی معبود ہے۔[1]

ایک یہودی کے چند سوال

ابوالطفیل بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم حضرت عمرؓ کے پاس مسجد نبوی میں بیٹھے تھے کہ چند یہودی مسجد میں داخل ہوئے اور وہ اپنے میں سے ایک شخص کا بہت زیادہ احترام کر رہے تھے۔ جب ہم نے ان سے اس کی بزرگی کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے کہا: اس شخص کا تعلق اولاد ہارون علیہ السلام سے ہے۔

اس شخص نے حضرت عمرؓ سے کہا: اس مجمع میں کتاب خدا اور پیغمبر اسلامؐ کو زیادہ جاننے والا کون ہے اور آپ جس کے متعلق رہنمائی کریں گے میں اس سے چند سوال پوچھوں گا۔

حضرت عمرؓ نے حضرت علی علیہ السلام کی طرف اشارہ کر کے کہا: هذا اعلم بنبینا و بکتاب نبینا. یہ ہمارے نبی اور ہماری نبی کی کتاب کو ہم سب سے زیادہ جانتا ہے۔

۱۔ زین الفتیٰ در شرح سورۂ هل اتیٰ۔ بنقل الغدیر، جلد ۶، ص ۲۴۳۔

یہودی نے کہا: میں آپ سے تین مسئلے، پھر تین مسئلے اور پھر ایک مسئلہ پوچھنا چاہتا ہوں۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: سیدھی طرح کیوں نہیں کہتے کہ تمہیں سات مسائل پوچھنے ہیں۔

یہودی نے کہا: میں نے یہ بات اس لئے کہی کہ پہلے میں تین مسائل پوچھوں گا۔ اگر آپ نے ان کے صحیح جواب دیئے تو میں مزید تین سوال کروں گا اور اگر آپ نے ان کا صحیح جواب دیا تو پھر میں ایک اور مسئلہ پوچھوں گا۔

آپ نے فرمایا: بھلا تجھے کیسے معلوم ہوگا کہ میرے جواب صحیح ہیں یا نہیں؟

اس نے اپنی آستین سے ایک پرانی کتاب نکال کر آپ کو دکھائی اور کہا: اس کتاب کا مضمون حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لکھایا تھا اور حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں سے اسے تحریر کیا تھا۔ یہ کتاب میرے آباؤاجداد کی طرف سے مجھے میراث میں ملی ہے۔ اس کتاب میں یہ سات سوال موجود ہیں۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: میں تجھے خدا کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ اگر میرے جواب صحیح ہوئے تو تو اسلام قبول کرلے گا۔

اس نے کہا: میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر آپ کے جواب صحیح ہوئے تو میں اسی وقت آپ کے ہاتھوں اسلام قبول کرلوں گا۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: اب پوچھو جو تمہیں پوچھنا ہے۔

یہودی نے مندرجہ ذیل تین سوالات پوچھے:

۱۔ روئے زمین پر سب سے پہلا پتھر کون سا نصب کیا گیا؟

۲۔ روئے زمین پر سب سے پہلا اُگنے والا درخت کون سا ہے؟

۳۔ روئے زمین پر سب سے پہلے اُبلنے والا چشمہ کون سا ہے؟

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: یہودی یہ سمجھتے ہیں کہ روئے زمین کا پہلا پتھر بیت المقدس کی چٹان ہے لیکن وہ جھوٹ کہتے ہیں۔ اس زمین پر سب سے پہلا پتھر حجر اسود ہے جسے حضرت آدمؑ جنت سے اپنے ساتھ لائے تھے۔ لوگ اس پر ہاتھ پھیرتے ہیں اس کا بوسہ لیتے ہیں اور اپنے اور اپنے خدا کے درمیان عہد کی تجدید کرتے ہیں۔

حضرت علیؑ کا یہ جواب سن کر یہودی نے کہا: خدا کی قسم! آپ نے بالکل صحیح فرمایا۔

پھر آپ نے فرمایا: یہودیوں کا خیال ہے کہ روئے زمین پر سب سے پہلے زیتون کا درخت پیدا ہوا تھا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ حضرت آدمؑ اپنے ساتھ "عجوہ" کھجور کا درخت لائے تھے اور اسی کی نسل سے عجوہ کھجوریں آگے بڑھیں۔

یہودی نے کہا: خدا کی قسم! آپ نے بالکل سچ کہا۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا: یہودی کہتے ہیں کہ بیت المقدس کی چٹان سے جو چشمہ بہہ رہا ہے یہ روئے زمین پر ابلنے والا پہلا چشمہ ہے حالانکہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ روئے زمین پر ابلنے والا پہلا چشمہ "چشمۂ حیات" ہے اور یہ وہی چشمہ ہے جہاں حضرت موسیٰؑ اور حضرت یوشعؑ نے ناشتہ کیا تھا اور حضرت یوشعؑ وہاں مچھلی بھول آئے تھے اور مچھلی پر جیسے ہی اس چشمے کی چھینٹیں پڑیں تو مچھلی زندہ ہو کر دریا میں چلی گئی تھی۔

یہودی نے کہا: خدا کی قسم! آپ نے بالکل صحیح ارشاد فرمایا۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: اور جو کچھ پوچھنا ہے وہ بھی پوچھ لو۔

یہودی نے کہا: آپ یہ بتائیں کہ محمدؐ کی منزل کون سی جنت میں ہوگی؟

حضرت علیؑ نے فرمایا: آپ جنت عدن میں ہوں گے اور یہ جنت،

بہشت کے درمیان ہوگی اور یہ جنت عرش پروردگار سے زیادہ قریب ہے۔

یہودی نے کہا: خدا کی قسم! آپ نے بالکل صحیح فرمایا۔

پھر آپ نے یہودی سے فرمایا: اگر مزید کچھ پوچھنا ہو تو پوچھ لو۔

یہودی نے کہا: آپ یہ بتائیں کہ محمدؐ کا وصی ان کی وفات کے بعد کتنا عرصہ زندہ رہے گا اور کیا وہ طبعی موت مرے گا یا اسے قتل کیا جائے گا؟

آپ نے فرمایا: اے یہودی! محمد مصطفیٰؐ کا وصی ان کے تیس سال بعد تک زندہ رہے گا۔ پھر آپ نے اپنے سر اور چہرے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ چہرہ سر کے خون سے رنگین کیا جائے گا۔

یہ جواب سن کر یہودی اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے کلمہ شہادت زبان پر جاری کیا۔[1]

اعتذار: کتاب میں صرف یہی پانچ سوال لکھے ہوئے تھے اسی لئے ہم سات سوالات لکھنے سے معذور ہیں۔ اس کیلئے اپنے محترم قارئین سے معذرت خواہ ہیں۔

خلیفہ دوم نے ایران اور اسکندریہ کی لائبریریوں کو نذر آتش کرا دیا

ایک مسلمان نے حضرت عمرؓ سے کہا: جب ہم نے مدائن فتح کیا تو وہاں ہم نے ایسی کتابیں دیکھیں جن میں بڑی حیرت انگیز معلومات تھیں۔

حضرت عمرؓ نے تازیانہ اٹھا کر اسے پیٹا اور قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی: نحن نقص علیک احسن القصص. اللہ تو قرآن مجید کو احسن القصص کہہ رہا ہے اور تو اسے چھوڑ کر اور دوسری کتابوں کی تعریف کر رہا ہے۔ تم سے پہلی امتیں

۱۔ زین الفتیٰ در شرح سورۂ ھل اتی۔ بنقل الغدیر، جلد ۶، ص ۲۹۶۔

اسی لئے ہلاک ہوئیں کہ انہوں نے آسمانی کتابوں کو چھوڑ کر اپنے علماء و مفکرین کی کتابوں کو سینے سے لگا لیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آسمانی کتابیں انہیں فرسودہ دکھائی دینے لگیں اور ان کے علوم نابود ہو گئے۔

ابراہیم نخعی کا بیان ہے کہ کوفے میں ایک شخص رہتا تھا جسے دانیال کی کتابوں اور اس جیسی دیگر کتابوں کے مطالعے کا ازحد شوق تھا اور وہ ایسی کتابوں کی ہمیشہ جستجو میں رہا کرتا تھا۔

حضرت عمرؓ بن الخطاب کی طرف سے ایک خط آیا کہ اس شخص کو مدینے روانہ کیا جائے۔ جب وہ شخص مدینے پہنچا تو انہوں نے تازیانے سے اسے پیٹا اور پیٹتے وقت ان آیات کی تلاوت کی: الر. تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِيْنِ. اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ. اور جب وہ اسی سلسلے کی آیت: وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِيْنَ. پر پہنچے تو اس شخص کو بھی پتا چل گیا کہ عمرؓ اس سے کس چیز کے خواہش مند ہیں۔ اس نے چیخ کر کہا: اے امیرالمومنین! آپ مجھے معاف کردیں۔ خدا کی قسم میں ان تمام کتابوں کو نذر آتش کردوں گا۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اسے چھوڑ دیا۔[1]

قاضی اکرم جمال الدین المتوفی ۶۴۶ھ نے اپنی کتاب تراجم الحکماء میں یحییٰ نحوی کے حالات کے ضمن میں لکھا:

جس زمانے میں عمرو بن العاص نے مصر اور اسکندریہ کو فتح کیا تھا اس وقت یحییٰ نحوی زندہ تھا۔ عمرو بن العاص کو بتایا گیا کہ یحییٰ نحوی اس علاقے کا انتہائی عالم و فاضل شخص ہے۔ عمرو بن العاص نے اسے اپنے ہاں کی دعوت دی۔ وہ عمرو کے پاس آیا تو عمرو نے اس کا پورا احترام کیا۔ اس نے اپنی گفتگو میں عقیدہ تثلیث

۱۔ سیرت عمر ابن جوزی، ص ۱۰۷۔ شرح ابن ابی الحدید، جلد ۳، ص ۱۲۲۔ بنقل الغدیر، جلد ۶، ص ۲۹۸۔

کی تردید اور فنائے دنیا کے موضوع پر اتنی مدلل گفتگو کی کہ عمرو عش عش کر اٹھا۔ عمرو بن العاص علمی باتوں کا قدردان تھا۔ وہ یحییٰ سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے یحییٰ کو اپنے اہم درباری کی حیثیت دے دی اور وہ اس سے چند لمحوں کی جدائی پسند نہیں کرتا تھا۔

ایک دن یحییٰ نے عمرو بن العاص سے کہا: تم نے اسکندریہ شہر کو فتح کرلیا ہے اور اس میں جتنا بھی قیمتی مال و متاع تھا لوٹ لیا ہے۔ جن اشیاء سے تمہیں کچھ فائدہ پہنچ سکتا ہے وہ اپنے پاس رہنے دو لیکن جن چیزوں سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں اور ہمیں ان سے فائدہ پہنچ سکتا ہے کم از کم وہ چیزیں تو ہمارے حوالے کردو۔

عمرو بن عاص نے کہا: ایسی کون سی چیز ہے جو ہمارے مطلب کی نہیں اور تمہارے مطلب کی ہے؟

یحییٰ نے کہا: بادشاہی خزانے میں کتب حکمت موجود ہیں، تم نے انہیں ضبط کردیا ہے۔ تمہیں تو ان کتابوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے جبکہ ہمیں ان کتابوں کی شدید ضرورت ہے لہٰذا آپ اسکندریہ کا عظیم کتب خانہ ہمارے سپرد کردیں۔

عمرو بن عاص نے پوچھا: ان کتابوں کو کس نے جمع کیا تھا؟

یحییٰ نے کہا: یہ کتب خانہ اسکندریہ کے بادشاہ بطلیموس فیلادلفوس نے قائم کیا تھا۔ وہ علم و دانش کا پرستار تھا۔ اسے کتابوں سے بڑی محبت تھی۔ اس نے حکم دے رکھا تھا کہ جہاں بھی کوئی علمی کتاب دکھائی دے اسے منہ مانگی قیمت پر خرید کر اس کے کتب خانے میں جمع کیا جائے۔ اس نے اس کام کے لئے ''زمیرہ'' نامی ایک شخص کو مقرر کیا تھا اور اسے حکم دیا تھا کہ وہ دنیا بھر کی نادر اور نایاب کتابیں زیادہ سے زیادہ قیمت پر خرید کر کتب خانے میں بھجواتا رہے۔

آخرکار بادشاہ کے شوق اور ''زمیرہ'' کی محنت سے اسکندریہ کا کتب خانہ

قائم ہوا اور اس میں پچاس ہزار سے زیادہ کتابیں جمع ہوگئیں۔

بادشاہ نے ایک دفعہ اپنے کتاب خانے کے انچارج سے کہا: کیا کچھ کتابیں ایسی بھی ہوں گی جو ہمارے کتب خانے میں نہ ہوں؟

کتب خانے کے انچارج نے کہا: جی ہاں! سندھ، ہند، فارس، گرگان، آرمینیہ، بابل، موصل اور روم میں بہت سی کتابیں ہیں جو ہمارے کتب خانے میں نہیں ہیں۔

بادشاہ نے زمیرہ سے کہا: تم ان ممالک سے کتابیں جمع کر کے یہاں لاؤ۔

زمیرہ ساری زندگی کتابیں جمع کرتا رہا اور کتابوں کی جمع آوری میں ہی اس کی موت واقع ہوئی۔ اس کے بعد جتنے بھی حکمران تخت نشین ہوئے وہ اس کتب خانے کی حفاظت کرتے رہے بلکہ اس میں اضافہ بھی کرتے رہے۔

عمرو بن العاص نے جب یہ سنا تو اسے بڑا تعجب ہوا اور اس نے کہا: میں اپنی طرف سے کوئی بھی فیصلہ کرنے سے قاصر ہوں۔ میں اس کے متعلق خلیفہ سے رابطہ کرتا ہوں۔

عمرو بن العاص نے خلیفہ کو ایک تفصیلی خط لکھا جس میں یحییٰ کے مطالبے کی توضیح کی اور ان سے پوچھا کہ اس کتاب خانے کے متعلق انؓ کی کیا رائے ہے؟

حضرت عمرؓ نے جواب میں لکھا: اگر ان کتابوں میں ایسی کچھ کتابیں ہوں جو قرآن کی موافق ہوں تو قرآن کی وجہ سے ہمیں ان کی ہدایت کی ضرورت باقی نہیں رہی اور اگر ان میں قرآن کی مخالف کتابیں ہیں تو ہمیں ان کتابوں کے نقصان سے بچنا چاہئے۔ لہذا تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ ان تمام کتابوں کو تلف کردو۔

عمرو بن العاص نے اسکندریہ کے عظیم کتب خانے کی کتابیں اسکندریہ کے حمام مالکوں میں تقسیم کردیں اور ایک عرصے تک اسکندریہ کے حماموں کا پانی

لکڑی کی بجائے کتابوں کی آگ سے گرم ہوتا رہا۔

ابن ندیم المتوفی ۳۸۵ھ نے اپنی کتاب فہرست میں اس کتاب خانے کے نذر آتش ہونے کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ اس نے فہرست کے صفحہ ۳۳۴ پر لکھا:

اسحٰق راہب نے اپنی تاریخ میں بیان کیا کہ بطلیموس فیلا دلفوس اسکندریہ کا بادشاہ تھا۔ وہ علم و ادب کا بڑا شیدائی تھا۔ اس نے ایک کتاب خانہ قائم کیا تھا اور زمیرہ نامی شخص کو کتب کی فراہمی پر مامور کیا تھا۔ چنانچہ بادشاہ کی لگن اور زمیرہ کی انتھک کوششوں سے کتب خانے میں ۵۴۱۲۰ نایاب کتابیں جمع ہوگئی تھیں۔

زمیرہ نے بادشاہ سے کہا کہ ابھی ہمارا کتاب خانہ نامکمل ہے کیونکہ سندھ، ہند، فارس، گرگان، آرمینیہ، بابل، موصل اور روم میں بہت سی ایسی کتابیں موجود ہیں جو کہ ہمارے پاس موجود نہیں ہیں۔

اس کتب خانے کا مؤسس بطلیموس اول تھا اور اس نے اسکندریہ میں ''رواق'' کے نام سے مدرسہ قائم کیا تھا۔ اس نے اپنے مدرسے کے ساتھ لائبریری تشکیل دی تھی جس میں اس نے فلسفہ، ریاضیات، طب، حکمت، آداب اور علم ہیئت کی بہت سی کتابیں جمع کی تھیں۔

علم و ادب کا یہ قیمتی سرمایہ خلیفہ صاحب کے حکم پر نذر آتش کر دیا گیا۔

علامہ امینی رقم طراز ہیں:

خلیفہ دوم کے عہد حکومت میں جتنے بھی علاقے فتح ہوئے ان تمام علاقوں کے کتب خانوں کا وہی حشر ہوا جو کہ اسکندریہ کے کتب خانے کا ہوا تھا۔

چنانچہ صاحب کشف الظنون جلد اول صفحہ ۴۴۶ پر لکھتے ہیں:

جب مسلمانوں نے فارس کے شہروں پر قبضہ کیا تو ان شہروں کی کتابیں مسلمانوں کے پاس جمع ہوگئیں۔ سعد بن ابی وقاص نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا اور ان

سے دریافت کیا کہ ان کتابوں کا کیا کیا جائے؟

حضرت عمرؓ نے جواب دیا: ان تمام کتابوں کو دریا برد کردو۔ اگر ان کتابوں میں ہدایت ہے تو ہمیں ان کی ہدایت کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہمارے پاس ہدایت کے لئے قرآن موجود ہے اور اگر یہ کتابیں گمراہی پھیلانے والی ہیں تو اللہ نے ہمیں ان کے شر سے محفوظ رکھا ہے۔ تم ان کتابوں کو دریا برد کردو یا پارسیوں کے آتش کدے میں جلادو۔

یوں فارس کی تمام علمی کتابیں ضائع کردی گئیں۔

ابن خلدون نے اپنی تاریخ کی جلد اول صفحہ ۳۲ پر لکھا:

دنیا کے مختلف اطراف واکناف میں بہت سے علوم رائج تھے اور ہم تک جو کچھ پہنچا ہے وہ علم کا قلیل ترین حصہ ہے۔ فاین علوم الفرس التی امر عمر رضی اللّٰہ عنہ بمحوھا عندالفتح. آج ایران کے وہ علوم کہاں ہیں، فتح ایران کے وقت حضرت عمرؓ نے جن کے جلانے کا حکم دیا تھا؟

علامہ امینی لکھتے ہیں کہ نزول قرآن سے پہلے کی کتابیں پڑھنا دین میں حرام نہیں ہے اور خاص طور پر علمی، فنی کتابوں مثلاً اخلاق یا طب یا فلکیات و ریاضیات کی کتابوں کا پڑھنا ناجائز نہیں ہے اور اگر کسی کتاب کی نسبت حضرت دانیال یا کسی اور نبی کی طرف ہو بشرطیکہ اس کی نسبت صحیح ہو اور اس میں تحریف واقع نہ ہوئی ہو تو ان کا پڑھنا حرام نہیں ہے۔

البتہ اگر کوئی کتاب گمراہی کا سبب ہو اور کسی باطل مذہب یا کسی منسوخ دین کی ترغیب دیتی ہو یا ارکان اسلام کے متعلق شبہات پیدا کرنے کا سبب ہو تو جن لوگوں کے پاس علمی قدرت نہ ہو اور جن کو ان کتابوں سے اپنی گمراہی کا اندیشہ ہو تو ان کے لئے ایسی کتابوں کا مطالعہ کرنا حرام ہے اور جن کو خدا نے قوت ایمان

کے ساتھ قوت استدلال عطا کی ہو اور وہ ان کتابوں کی تردید کرسکتے ہوں اور لوگوں کے سامنے حق واضح کرسکتے ہوں تو ان کے لئے ایسی کتابوں کا مطالعہ نہ صرف جائز بلکہ بہترین عبادت ہے۔

قرآن مجید کے احسن القصص ہونے کا یہ معنی و مطلب ہرگز نہیں ہے کہ انسان دوسرے علوم مثلاً طب وصنعت و ہیئت کی کتابیں نہ پڑھے۔ قرآن مجید میں یہ تمام علوم اللہ نے ودیعت کئے ہیں اور قرآن میں ہر خشک وتر کا اجمالی ذکر موجود ہے۔ پھر بھی ان علوم وفنون کی کتابیں پڑھنا نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے۔ علمی کتابوں کے مطالعے سے لوگوں کو روکنا معاشرے پر ظلم ہے اور انسانیت کی ترقی کے ساتھ اپنی دشمنی کے اعلان کے مترادف ہے۔ مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھنے والوں کی حوصلہ شکنی کے لئے ان کی تذلیل کرنا اور انہیں تازیانے مارنا اسلام، قرآن اور سنت پیغمبر کی مخالفت ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اگر خلیفہ اسکندریہ اور فارس کے کتب خانے نذر آتش نہ کراتے تو آج مسلمان اقوام عالم کی ترقی یافتہ قوم ہوتے اور ان کے پاس سائنس وطب وفلکیات کی بہترین ایجادات ہوتیں۔ مگر ایک شخص کی سطحی ذہنیت کی وجہ سے مسلمان تنزلی کا شکار ہوگئے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ اسکندریہ اور ایران کی کتابوں کا تعلق کسی طور پر بھی قرآن مجید کی مخالفت وتائید سے نہیں تھا۔ اگر مسلمانوں کے پاس وہ علمی ذخیرے موجود ہوتے تو آج سائنسی و اقتصادی میدانوں میں پوری انسانیت کی قیادت کر رہے ہوتے اور آج ہمیں دنیا کی غیر مسلم حکومتوں کا دست نگر نہ ہونا پڑتا۔

کتب خانوں کو نذر آتش کرنا انسانیت کے خلاف جنگ کے مترادف ہے۔ موجودہ دور کے اہل یورپ ہمیں آج طعنے دیتے ہیں کہ مسلمان اتنے وحشی اور

اجڈ اور علم دشمن قوم ہیں کہ یہ کتب خانوں کو دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے اور انہوں نے اسکندریہ اور ایران کے قیمتی کتب خانے جلا کر اپنی جہالت اور علم دشمنی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔[1]

اپنے فرزند پر دو مرتبہ حد جاری کرنا

عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ میرے بھائی عبدالرحمٰن اور اس کے ایک دوست ابوسروعہ نے میرے والد کے زمانۂ خلافت میں مصر میں مل کر شراب پی۔ شراب پی کر دونوں کافی دیر تک مست رہے اور جب اپنے ہوش وحواس میں آئے تو وہ اس وقت کے امیر مصر عمرو بن العاص کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ ہم شراب کی وجہ سے مست ہوگئے تھے۔ آپ ہمیں پاک کریں۔

عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ مجھے یہ علم نہیں تھا کہ وہ عمرو بن العاص کے پاس گئے ہیں۔ میرے بھائی نے مجھ سے کہا: میں شراب پی کر مست ہوگیا تھا۔

میں نے اس سے کہا: تم اپنے گھر چلو میں تمہیں پاک کرتا ہوں۔

اس نے کہا: مگر میں تو عمرو بن العاص کو بھی اطلاع بھجوا چکا ہوں۔

میں نے کہا: آج وہ لوگوں کے روبرو تیرا سر نہیں منڈوائے گا۔ تو گھر چل جہاں میں تیرا سر مونڈوں گا۔ (اس زمانے میں حد شرعی سے قبل مجرم کا سر منڈوایا جاتا تھا)۔

عبدالرحمٰن میرے ساتھ گھر آیا، میں نے اپنے ہاتھ سے اس کا سر مونڈا۔

عمرو بن العاص اس واقعے کے ضمن میں بیان کرتا ہے:

ایک شخص نے مجھے آ کر اطلاع دی کہ دروازے پر ابوسروعہ اور عبدالرحمٰن

۱۔ ملخصاً از الغدیر، جلد ۶، ص ۳۰۲۔

آپ سے اندر آنے کی اجازت طلب کر رہے ہیں۔ (میں نے اجازت دی)۔

دونوں پریشانی کے عالم میں میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا: کل رات کہیں سے شراب ہمارے ہاتھ لگی اور ہم دونوں نے شراب پی اور شراب کی وجہ سے ہم مست ہوگئے تھے۔

میں نے جیسے ہی یہ بات سنی تو ان کو دربار سے بھاگ جانے کا حکم دیا۔

عبدالرحمٰن نے کہا: اگر تو نے حد شرعی جاری نہ کی تو میں تیری شکایت اپنے والد کے پاس کروں گا۔

عبدالرحمٰن کی دھمکی سن کر میں یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ اگر میں نے ان پر حد جاری نہ کی تو یہ میری شکایت کرے گا اور ممکن ہے کہ عمرؓ مجھے میرے عہدے سے معزول کر دیں۔

ابھی میں اسی سوچ بچار میں تھا کہ عبداللہ بن عمرؓ میرے پاس آیا۔ میں نے اٹھ کر اس کی تعظیم کی اور اسے صدر مجلس میں بیٹھنے کے لئے کہا۔

عبداللہ نے کہا: میرے والد کا حکم ہے کہ کسی مجبوری کے بغیر میں تمہارے پاس آمد و رفت نہ رکھوں۔ میں یہ کہنے آیا ہوں کہ آپ میرے بھائی کا سر یہاں نہ مونڈوائیں اور جہاں تک حد شرعی کا معاملہ ہے تو آپ جیسے چاہیں ویسا کریں۔

عمرو بن العاص نے ایک مخصوص صحن میں ان دونوں کو داخل کیا اور ان پر حد جاری کی۔ عبداللہ بن عمر ان دونوں کو ایک مخصوص کمرے میں لے گیا جہاں اس نے ان کے سر مونڈے اور یوں حد شرعی مکمل ہوگئی۔

عمرو بن العاص نے اس واقعے کے متعلق حضرت عمرؓ کو کوئی اطلاع نہ دی۔

ایک مرتبہ اچانک ایک قاصد مدینے سے حضرت عمرؓ کا خط لے کر عمرو بن العاص کے پاس آیا جس میں لکھا تھا کہ جیسے ہی تمہیں میرا یہ خط موصول ہو،

عبدالرحمٰن کو خالی پالان کی لکڑیوں پر سوار کر کے مدینے بھیج دو اور اسے آرام دہ اشیاء ہرگز فراہم نہ کرو۔ بس اسے ایک چادر دے کر میرے پاس روانہ کرو۔

عمرو بن العاص نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا جس میں انہیں تفصیلی طور پر بتایا کہ میں اس پر حد شرعی جاری کر چکا ہوں اور خط میں یہ بھی لکھا کہ میں نے یہ حد ایک مخصوص صحن میں جاری کی ہے اور اس صحن میں ہی تمام مسلم اور ذمی رعایا پر حد نافذ کرتا ہوں۔

پھر عمرو بن العاص نے عبدالرحمٰن کو صرف ایک چادر پہنا کر مدینے روانہ کیا اور اونٹ کے پالان کو نرم کرنے کا کوئی تکلف نہ کیا۔

ایک طویل سفر کے بعد عبدالرحمٰن مدینے پہنچا۔ وہ سفر کی تکالیف سے اس قدر نیم جان ہو چکا تھا کہ اونٹ سے اترنے کے قابل تک نہ تھا۔

حضرت عمرؓ نے بیٹے کی طرف رخ کر کے کہا: اے عبدالرحمٰن! تو نے اس طرح کا کام سرانجام دیا اور تازیانے کھائے۔

عبدالرحمٰن بن عوف موقع پر موجود تھے۔ انہوں نے حضرت عمرؓ سے کہا: بس رہنے بھی دیں اس پر ایک بار حد جاری ہو چکی ہے۔

ان الفاظ سے عبدالرحمٰن چاہتے تھے کہ عمرؓ اس پر دوبارہ حد جاری نہ کریں لیکن حضرت عمرؓ نے کوئی توجہ نہ کی اور انہیں سختی سے مداخلت کرنے سے منع کر دیا۔

عبدالرحمٰن فریاد کرنے لگا: اے اباجان! میں بیمار ہوں اور آپ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے بیٹے پر دوبارہ حد شرعی نافذ کی اور حد نافذ کرنے کے بعد اسے زندان بھیج دیا جس کے نتیجے میں وہ چند روز بعد مر گیا۔

کیا ایک مجرم کو دو سزائیں دینا جائز ہے؟

اس روایت پر علامہ امینی نے یوں تبصرہ فرمایا:

اس مسئلے کا چند لحاظ سے مطالعہ کرنا ضروری ہے کیونکہ حد شرعی بذات خود گناہ کا کفارہ ہوتی ہے اور حد سے مجرم اپنے جرم سے پاک ہو جاتا ہے اور اس کا گناہ ختم ہو جاتا ہے اسی لئے ایک مجرم پر ایک جرم کے لئے دو بار حد شرعی جاری کرنا صحیح نہیں ہے۔ پیغمبر اکرمؐ کی حیات طیبہ میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔

خزیمہ بن ثابت سے منقول ہے کہ جس پر حد جاری ہو جائے تو اس کا وہ گناہ معاف ہو جاتا ہے۔

ایک اور حدیث میں بیان کیا گیا: جس شخص سے کوئی جرم سرزد ہو جائے اور اس پر جرم کی حد شرعی نافذ ہو جائے تو وہی حد اس کے جرم کا کفارہ ہوتی ہے۔

اس کے بعد علامہ امینی نے الغدیر میں اسی مفہوم کے اثبات میں کئی احادیث تحریر فرمائی ہیں اور ان میں انہوں نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی یہ حدیث بھی نقل کی ہے کہ حضرت علیؑ نے ایک مجرم پر حد شرعی نافذ کی۔ لوگ حد کے بعد اس شخص پر لعنت کرنے لگے اور اسے برا بھلا کہنے لگے۔ لوگوں کا یہ رویہ دیکھ کر حضرت علیؑ نے فرمایا: اس شخص سے اب اس جرم کا کوئی مواخذہ نہیں کیا جائے گا۔

عبداللہ بن معقل سے مروی ہے: حضرت علیؑ نے ایک شخص پر حد جاری کرنے کا فتویٰ دیا۔ تازیانہ مارنے والے نے حد شرعی سے دو تازیانے زیادہ مارے۔ آپ نے حد نافذ کرنے والے کو دو تازیانے قصاص میں مارے۔[1]

۱۔ اس سے قبل ہم پند تاریخ کی جلد سوم میں سفینۃ البحار کے حوالے سے نقل کر چکے ہیں کہ حضرت علیؑ نے ایک شخص پر حد شرعی کے تحت تازیانے مارنے کا فتویٰ دیا۔ آپ کے غلام قنبر نے مجرم کو اصل تعداد سے تین تازیانے زیادہ رسید کئے۔ حضرت علیؑ نے وہی تازیانہ اٹھا کر مجرم کے حوالے کیا اور کہا کہ قنبر نے تجھے تین تازیانے زیادہ مارے ہیں لہذا تم اس کو قصاص میں تین تازیانے مارو۔

اگر حضرت عمرؓ یہ سمجھتے تھے کہ عمرو بن العاص کی نافذ کردہ حد شرعی اس لئے صحیح نہیں کہ اس نے ایک مخصوص حویلی میں اسے جاری کیا تھا، اور اسی لئے انہیں دوبارہ حد شرعی کے نافذ کرنے کی زحمت کرنا پڑی تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ پھر مصر میں عمرو بن العاص نے جتنے بھی افراد پر حد شرعی نافذ کی تھی ان سب پر ازسرنو حد جاری کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ عمرو بن العاص نے اپنے خط میں یہ وضاحت کردی تھی کہ وہ تمام افراد پر اسی حویلی میں ہی حد جاری کرتا ہے۔ مگر اس کے باوجود حضرت عمرؓ کو کیا ضرورت تھی کہ وہ باقی مجرموں اور بالخصوص عبدالرحمٰن کے ساتھی ابوسروعہ کو چھوڑ کر صرف ایک فرد پر ہی حد کیوں جاری کریں؟

چنانچہ اسی نکتے کی طرف قسطلانی نے کتاب ارشاد جلد نہم صفحہ ۴۳۹ میں اشارہ کرتے ہوئے کہا:

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عمرؓ نے عبدالرحمٰن کو دوبارہ اس لئے سزا دی تھی کہ انہوں نے عمرو بن العاص کی سزا کو اس لئے کافی نہیں سمجھا تھا کہ عمرو بن العاص نے ایک بند حویلی میں سزا جاری کی تھی اور سزا کے وقت مجمع عام موجود نہیں تھا۔

ہم کہتے ہیں کہ پھر تو حضرت عمرؓ کو ابوسروعہ پر بھی دوبارہ حد جاری کرنی چاہئے تھی اور اس کے علاوہ باقی تمام مجرمین پر بھی ازسرنو حد جاری کرنی چاہئے تھی کیونکہ عمرو بن العاص نے اپنے خط میں وضاحت کردی تھی کہ وہ تمام مجرمین پر اسی حویلی میں حد نافذ کرتا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے کو ازراہ تادیب کوڑے مارے تھے جیسا کہ بیہقی نے سنن کی جلد ۸ صفحہ ۳۱۳ پر یہی موقف اختیار کیا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں ایک جرم کے تحت دو بار سزا دینے کی گنجائش نہیں۔

علاوہ ازیں تادیب کی غرض سے بھی دس تازیانوں سے زیادہ تازیانے

مارنے کی اجازت نہیں ہے۔

اس کے علاوہ بے کجاوہ پالان کے اونٹ پر طویل سفر کرانا بھی کوئی مناسب عمل نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خلیفہ دوم نے جس طرح کی سختی اپنے بیٹے سے روا رکھی، اسلام اس سختی کا ہرگز روادار نہیں ہے۔[1]

خلیفہ پیغمبر اکرمؐ کو امر و نہی کرتے تھے

ابو ہریرہ کا بیان ہے:

ہم پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں بیٹھے تھے اور ابوبکرؓ و عمرؓ بھی آپ کی خدمت میں موجود تھے۔ پیغمبر اکرمؐ اپنی جگہ سے اٹھ کر چلے گئے۔ آپ کو گئے ہوئے کافی وقت گزر گیا۔ ہمیں فکر لاحق ہوئی کہ خدانخواستہ آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچ جائے۔ ہم حضرت کی تلاش میں روانہ ہوئے۔ یہ فکر سب سے پہلے مجھے ہی لاحق ہوئی تھی۔

ہم بنی نجّار کے ایک شخص کے باغ کے قریب گئے۔ ہمیں اس باغ میں داخل ہونے کا راستہ کہیں سے دکھائی نہیں دیا۔ پھر میں باغ کی نہر کے ذریعے سے باغ میں داخل ہونے میں کامیاب ہوا۔ میں نے دیکھا کہ آنحضرتؐ وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔

آپ نے فرمایا: ابو ہریرہ تم ہو؟

میں نے عرض کیا: جی ہاں۔

آپ نے فرمایا: کیوں آئے ہو؟

میں نے عرض کیا: آپ ہمیں چھوڑ کر یہاں تشریف لائے اور آپ کی غیر موجودگی کو کافی وقت گزر گیا تو ہم آپ کے متعلق پریشان ہوئے کہ کہیں کوئی

۱۔ تلخیص از الغدیر، جلد ۶، ص ۳۱۶ تا ۳۱۹۔

دشمن آپ سے مزاحمت نہ کر بیٹھے۔ اسی لئے ہم آپ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے اور یہاں داخل ہونے کا جب مجھے کہیں سے راستہ نہ ملا تو میں لومڑی کی طرح سے جھک کر اور دوزانو ہو کر نہر کے ذریعے سے باغ میں داخل ہوا اور دوسرے لوگ بھی میرے پیچھے آ رہے ہیں۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: اے ابوہریرہ! میری جوتی لے جاؤ اور جسے بھی دیوار کے پیچھے دیکھو جو لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه کی یقین کے ساتھ گواہی دیتا ہو تو اسے جنت کی بشارت دیدو۔

ابوہریرہ کا بیان ہے کہ میں آنحضرتؐ کی نعلین لے کر باغ سے باہر آیا اور سب سے پہلے میری ملاقات حضرت عمرؓ سے ہوئی۔

انہوں نے مجھ سے پوچھا: تم یہ نعلین کس لئے لائے ہو؟

میں نے کہا: یہ پیغمبر اکرمؐ کی نعلین ہے۔ آپ نے مجھے اس لئے دی ہے کہ میں یقین کے ساتھ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه کہنے والوں کو جنت کی بشارت دوں۔

حضرت عمرؓ نے میرے سینے پر اس زور سے دوہتڑ مارا کہ میں پشت کے بل زمین پر جا گرا اور کہا: رسول اللہؐ کے پاس جا۔

اس کے بعد میں اشکبار آنکھوں سے رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آنحضرتؐ نے مجھ سے رونے کا سبب پوچھا تو میں نے عرض کیا: میں جیسے ہی آپ کی نعلین لے کر باغ سے باہر گیا تو میری ملاقات عمرؓ سے ہوئی اور میں نے انہیں آپ کا پیغام سنایا تو انہوں نے اس زور سے دوہتڑ رسید کیا کہ میں پشت کے بل زمین پر جا گرا اور مجھ سے کہا کہ تو رسول اکرمؐ کے پاس واپس چلا جا۔

رسول اکرمؐ یہ سن کر باغ سے باہر تشریف لائے اور عمرؓ سے فرمایا: تو نے ابوہریرہ کے ساتھ یہ کیا سلوک کیا؟

حضرت عمرؓ نے پوچھا: کیا ابوہریرہ کو آپ نے یہ پیغام دیکر روانہ کیا تھا؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: ہاں۔

حضرت عمرؓ نے رسول اکرمؐ سے کہا: آپ ایسا کام مت کریں کیونکہ مجھے یہ اندیشہ ہے کہ اس جیسی بشارتوں پر لوگ انحصار کر کے عمل کرنا چھوڑ دیں گے۔ آپ لوگوں کو عمل کرنے دیں۔

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: انہیں چھوڑ دو۔[1]

مذکورہ روایت پر علامہ امینی کا تبصرہ

اس داستان کے ضمن میں علامہ امینی یوں رقم طراز ہیں:

بشارت دینا اور ڈرانا نبوت کا وظیفہ ہے۔ کتاب خدا، سنت پیغمبرؐ اور عقل سلیم اس امر کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ. اللہ نے انبیاء کو خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجا۔ (البقرہ: ۲۱۳)

اگر بشارت دینے کی وجہ سے دین میں خلل آنے کا اندیشہ ہوتا تو پیغمبرؐ کوئی بشارت نہ دیتے اور اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا. (الاحزاب: ۴۷) اور بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ. (یونس: ۲) جیسی بیسیوں آیات نازل نہ کرتا۔

رسول اکرمؐ نے بھی اپنی احادیث کے ذریعے سے اس طرح کی کئی بار بشارتیں دی تھیں۔ آپ نے ذکر الٰہی کرنے اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے کی ترغیب دینے

۱۔ سیرت عمر ابن جوزی، ص ۳۸۔ شرح ابن ابی الحدید، جلد ۳، ص ۱۰۸۔ بنقل الغدیر، جلد ۶، ص ۱۷۶۔

کے لئے عبداللہ بن عمرؓ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں میں کھڑا ہو کر یہ اعلان کرے کہ جو بھی لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ کہے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

بشارت عمل سے کیسے مانع ہوسکتی ہے؟ کیونکہ توحید صحیح کا لازمی نتیجہ صحیح عمل کی شکل میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ لوگوں کی ہدایت کے لئے خوف و امید دونوں پہلوؤں کا اجاگر کرنا ضروری ہے کیونکہ خوف و رجاء مومن کے لئے جنت کے داخلے کے لئے دو پَروں کا حکم رکھتے ہیں۔ مومن کو چاہئے کہ وہ امید کی وجہ سے خوف کو ترک نہ کرے اور خوف کی وجہ سے امید کو نہ چھوڑے۔ انبیائے کرام نے ہمیشہ خوف و رجاء دونوں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی تھی۔ شاید حضرت عمرؓ صرف خوف کے پہلو کے قائل تھے اور وہ رسول اکرمؐ کو صرف نذیر کی حیثیت سے دیکھنا چاہتے تھے اور آپ کو بحیثیت ''بشیر'' دیکھنے کے خواہش مند نہیں تھے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ ان کا انداز فکر ہی نبوت کے منصب کے لئے سازگار ہے۔ اسی لئے انہوں نے قاصد رسول، ابوہریرہ کے سینے پر اس زور سے دوہتڑ مارا تھا کہ وہ پشت کے بل زمین پر جاگرا اور اس کے بعد انہوں نے نبی اکرمؐ کو بھی دوٹوک الفاظ میں یہ کہہ دیا تھا کہ مہربانی کر کے لوگوں کو بشارتوں سے نہ نوازیں ورنہ وہ عمل کرنا چھوڑ دیں گے۔

جبکہ رسول اکرمؐ کے متعلق قرآن مجید نے یہ گواہی دی ہے:

وَمَا یَنطِقُ عَنِ الْھَوٰی. اِنْ ھُوَ اِلاَّ وَحْیٌ یُّوْحٰی. رسول اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے وہ تو بس وحی ہوتی ہے جو ان پر کی جاتی ہے۔

خلیفہ اور ایک عجیب الخلقت انسان

سعید بن جبیر کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ کے سامنے ایک عورت لائی گئی جس نے دو عجیب الخلقت بچوں کو جنم دیا تھا۔ عجیب بات یہ تھی کہ دونوں بچوں کے

بدن ایک دوسرے سے پیوست تھے۔ ان کے دو سر، چار آنکھیں، دو شکم اور چار ہاتھ اور دو اعضائے تناسل تھے۔ جن میں سے ایک کے ہاں مردانہ عضو تناسل اور دوسرے کے ہاں زنانہ عضو مخصوص تھا۔ اس سے بڑھ کر عجیب بات یہ تھی کہ کمر تک دو علیحدہ علیحدہ وجود ہونے کے باوجود ان کا نچلا دھڑ ایک انسان کا تھا اور اس کی صرف دو ٹانگیں تھیں۔

اس عورت کے شوہر کا چند دن قبل انتقال ہوا تھا اور وہ عورت اپنے ساتھ اپنے ان دوَ بچوں کی میراث کا مطالبہ کر رہی تھی۔

حضرت عمرؓ نے صحابہ کرام کو مسجد میں جمع کیا اور ان سے عجیب الخلقت بچوں کے بارے میں رائے طلب کی۔ مگر کسی نے بھی کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت علیؑ کو بلایا اور ان سے مشورہ طلب کیا۔

آپ نے فرمایا: اس بچے کے متعلق مستقبل میں کچھ اور مسائل پیدا ہوں گے لہذا آپ ان کے والد کی جائیداد تقسیم نہ کریں اور اسے سرکاری تحویل میں لے لیں اور اس بچے اور ان کی والدہ کے اخراجات اسی سے پورے کریں۔ ان کی خدمت کے لئے ایک ملازم مقرر کریں اور ملازم کی تنخواہ بچے کے والد کی جائیداد سے ادا کریں۔

حضرت عمرؓ نے حضرت علیؑ کی تجویز پر عمل کیا۔ کچھ عرصے بعد اس عجیب الخلقت بچے کی ماں کی وفات ہوگئی اور دو دھڑ رکھنے والا بچہ بھی آہستہ آہستہ جوان ہونے لگا۔

حضرت علیؑ نے حکم دیا کہ اس بچے کے لئے ایک خواجہ سرا مقرر کیا جائے جو ماں کی طرح سے مہربان ہو اور وہ ان کی شرمگاہوں پر نظر رکھے۔

کچھ دن بعد ان میں سے ایک دھڑ نے اپنی شادی کا مطالبہ کیا۔

حضرت عمرؓ نے حضرت علیؑ سے کہا کہ اب کیا کرنا چاہئے؟ اگر ایک دھڑ کی شادی کردی جائے تو اس سے دوسرے دھڑ کی خواہشات بھی بھڑک اٹھیں گی۔ آخر ایک دھڑ کی شادی عورت سے اور دوسرے دھڑ کی شادی مرد سے کیسے کی جائے؟

حضرت علیؑ نے فرمایا: مطمئن رہیں کچھ نہیں ہوگا۔ اللہ انتہائی غیرت مند ہے۔ وہ کبھی یہ برداشت نہیں کرے گا کہ بھائی کی آنکھوں کے سامنے اس کی بہن حقوق زوجیت ادا کرے۔ یا بہن کے دیکھتے ہوئے بھائی اپنی بیوی سے حقوق زوجیت ادا کرے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ عنقریب اس کا فیصلہ کرے گا جس کی وجہ سے اس کا یہ مطالبہ ختم ہو جائے گا۔

شادی کا مطالبہ کئے ابھی اسے تیسرا ہی دن ہوا تھا کہ وہ دھڑ مر گیا۔

حضرت عمرؓ نے پھر صحابہ کرام کو بلا کر ان سے مشورہ کیا کہ اب مردہ جسم کے ساتھ کیا کیا جائے؟ کیونکہ اگر اسے ہم دفن کرتے ہیں تو اس کے ساتھ دوسرے زندہ جسم کو بھی دفن کرنا پڑتا ہے۔

کچھ صحابہ نے یہ مشورہ دیا کہ مردہ جسم کو زندہ جسم سے کاٹ کر علیحدہ کردینا چاہئے اور بعد میں اسی مردہ جسم کو غسل وکفن دے کر دفن کردیا جائے۔

حضرت عمرؓ نے کہا: مصیبت تو یہی ہے کہ اگر ہم مردہ جسم کو کاٹتے ہیں تو زندہ جسم بھی اس کے ساتھ کٹتا ہے اور وہ قتل ہوتا ہے۔ ہم ایک مردہ کو علیحدہ کرنے کے لئے ایک زندہ کو کیسے قتل کریں؟

جب زندہ دھڑ نے بعض صحابہ کا یہ مشورہ سنا کہ آدھا دھڑ کاٹ دیا جائے تو وہ چیخنے لگا: اے لوگو! خدارا مجھ پر رحم کرو۔ تم مجھے کیوں قتل کرنا چاہتے ہو جبکہ میں تمہاری طرح سے توحید و رسالت کی گواہی دیتا ہوں اور قرآن پڑھتا ہوں۔

حضرت عمرؓ نے حضرت علیؑ کو بلوایا اور کہا: اے ابوالحسنؑ ! اب آپ ہی

فیصلہ کریں۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: اس کا فیصلہ کرنا آسان ہے۔ مردہ حصے کو غسل و کفن دیا جائے اور اسے بدستور اس کے دوسرے زندہ حصے سے متصل رہنے دیا جائے اور جب یہ زندہ دھڑ کہیں آنے جانے لگے تو ایک خادم اس کے ساتھ روانہ کیا جائے تاکہ وہ اس مردہ حصے کے اٹھانے میں اس کی مدد کر سکے۔ پھر تین دن بعد اس کا مردہ حصہ خشک ہو جائے گا اس کے بعد تم اسے علیحدہ کر سکو گے اور علیحدہ کرنے کا اثر زندہ پر نہیں پڑے گا۔ لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں کہ زندہ جسم بھی تین دن سے زیادہ زندگی بسر نہیں کر سکے گا کیونکہ یہ اپنے مردہ حصے کی بدبو کو زیادہ عرصے تک برداشت نہیں کر سکے گا۔

حضرت عمرؓ کو حضرت علیؑ کا مشورہ پسند آیا۔ پھر دوسرا بدن بھی تین دن سے زیادہ عرصے زندہ نہ رہ سکا۔

حضرت عمرؓ نے کہا: یا بن ابی طالبؑ فما زلت کاشف کل شبهة و موضح کل حکم. اے فرزند ابوطالبؑ! آپ ہمیشہ سے ہی شبہات دور کرنے والے اور ہر دشوار مسئلے کو واضح کرتے رہے ہیں۔[1]

شب قدر کے متعلق رائے طلب کرنا

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں اور بہت سے صحابہ کرامؓ مسجد نبوی میں حضرت عمرؓ کے پاس موجود تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا: آپ حضرات رسول اکرمؐ کی اس حدیث کے متعلق کیا نظریہ رکھتے ہیں: ''شب قدر کو ماہ رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو'' ان کا مطلب یہ تھا کہ یہ کونسی شب ہے؟

۱۔ کنز العمال، جلد ۳، ص ۱۷۹۔ بنقل الغدیر، جلد ۶، ص ۱۷۴۔

بعض صحابہ نے کہا: اکیس کی شب شب قدر ہے۔ بعض نے تیئیس، بعض نے پچیس، بعض نے ستائیس کی شب کو شب قدر قرار دیا۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اس دوران میں خاموش رہا۔ پھر حضرت عمرؓ نے میری طرف رخ کر کے کہا: اے ابن عباسؓ! آپ خاموش کیوں ہیں اور آپ اپنی رائے بیان کیوں نہیں کرتے؟

میں نے کہا: میں اس لئے خاموش ہوں کہ آپ نے ہی ایک بار مجھے کہا تھا کہ جب تک دوسرے حضرات کی گفتگو مکمل نہ ہو جائے تو اس وقت تک میں خاموش رہا کروں۔

حضرت عمرؓ نے کہا: درست ہے لیکن میں نے آپ کو یہاں اس لئے طلب کیا ہے کہ اس مسئلے کے لئے میں آپ کی رائے بھی سننا چاہتا ہوں۔

ابن عباسؓ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اکثر مقامات پر سات کے ہندسے کو بڑی اہمیت دی ہے۔ مثلاً اس نے کہا سات آسمان، سات زمینیں، پھر اعضائے سجدہ سات قرار دیئے اور روئے زمین کی نباتات سات طرح کی بنائیں۔

اس دوران حضرت عمرؓ بول اٹھے اور کہا: سات آسمان، سات زمینیں اور سات اعضائے سجدہ کا تو مجھے علم ہے لیکن سات نباتات کا علم نہیں ہے۔ آپ اس کی وضاحت کریں۔

ابن عباسؓ نے اس کے جواب میں یہ آیت پڑھی:

اَنَّا شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا فَاَنْبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا وَّ عِنَبًا وَّ قَضْبًا وَّ زَيْتُوْنًا وَّ نَخْلًا وَّ حَدَآئِقَ غُلْبًا وَّ فَاكِهَةً وَّ اَبًّا. ہم نے زمین کو خاص طریقے پر شگافتہ کیا، ہم نے اس میں غلے، انگور، تناور درخت، زیتون، کھجور اور باغات، پھل اور جانوروں کا چارہ اگایا۔ (سورۂ عبس)

"حَدَائِقَ غُلُبً" ان باغات کو کہا جاتا ہے جن میں مختلف قسم کے درخت ہو اور "اَبٌّ" اس چارے کو کہا جاتا ہے جسے حیوانات کھاتے ہوں اور انسانوں کے استعمال میں نہ آتا ہو۔

حضرت عمرؓ نے حاضرین کی طرف دیکھ کر کہا: تم نے اس جوان کا جواب سنا جو کہ ابھی کمسن ہے لیکن بزرگوں کا سا تجربہ رکھتا ہے۔ تم سب اس کی طرح جواب دینے سے عاجز ہو۔

پھر انہوں نے ابن عباسؓ سے کہا: میری نظر میں تمہارا جواب صحیح ہے۔[1]

"اَبًّا" کے مفہوم سے ناواقفیت

انسؓ بن مالک کا بیان ہے کہ ایک دن حضرت عمرؓ نے منبر پر یہ آیت تلاوت کی: فَاَنۡبَتۡنَا فِيۡهَا حَبًّا وَّ عِنَبًا وَّ قَضۡبًا وَّ زَيۡتُوۡنًا وَّ نَخۡلاً وَّ حَدَآئِقَ غُلۡبًا وَّ فَاكِهَةً وَّ اَبًّا. (سورۂ عبس)

پھر کہا: اس آیت مجیدہ کے باقی تمام الفاظ کے مفہوم کو میں جانتا ہوں لیکن مجھے معلوم نہیں کہ "اَبًّا" سے کیا مراد ہے؟

پھر انہوں نے اپنا عصا زمین پر مار کر کہا: خدا کی قسم! اگر انسان کو لفظ "اَبًّا" کا معنی معلوم نہ ہو تو اس میں آخر کون سی قباحت ہے۔

اتبعوا ما بين لكم هداه من الكتاب فاعملوا به وما لم تعرفوه فكلوه الى ربه. جن آیات کے معانی واضح ہیں تم ان کی ہدایت پر عمل کرو اور جن کے معانی تمہیں معلوم نہ ہوں تو اس کا علم رب کے حوالے کر دو۔[2]

۱۔ الغدیر، ج۶، ص۱۵۶۔

۲۔ الغدیر، ج۶، ص۹۹۔

حقیقی امیرالمومنین کون؟

واقدی کا بیان ہے کہ ابوحرزہ یعقوب بن مجاہد نے محمد بن ابراہیم اور ابوعمیر سے نقل کیا ہے کہ بی بی عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ حضرت عمرؓ فاروق کو امیرالمومنین کا لقب کس نے دیا تھا؟ بی بی عائشہؓ نے جواب دیا کہ انہیں یہ لقب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیا تھا اور فرمایا تھا کہ وہ امیرالمومنین ہے۔

علامہ امینی نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا:

یہ روایت ابوحرزہ سے مروی ہے جو کہ علمائے رجال کے قول کے مطابق نقال اور قصہ گو تھا۔ اس بدبخت کی بدبختی کی انتہا یہ ہے کہ اس نے اس روایت میں جھوٹ کی تمام حدود پھلانگ کر رسول اکرمؐ اور ان کی زوجہ پر جھوٹ تراش کر اپنے سامعین کو خوش کرنے کے لئے حضرت عمرؓ کے لئے اس بات کا اثبات کیا۔ لیکن اسے شاید یہ معلوم نہیں ہوگا کہ اس کے جھوٹ کا پردہ چاک ہو جائے گا۔ اگرچہ کچھ عرصے کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔

حاکم نے ابن شہاب کی زبانی نقل کیا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے ابوبکرؓ بن سلیمان بن ابی خیثمہ سے پوچھا تھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اپنے عہد حکومت میں جب کوئی تحریری فرمان جاری کرتے تھے تو وہ اس کے سرنامے پر "من خلیفة الرسول اللہ" کے جملے لکھواتے تھے اور جب حضرت عمرؓ خلیفہ بنے تو اپنی خلافت کے ابتدائی ایام میں وہ اپنے احکام کے سرنامے پر یہ عبارت لکھتے تھے "من خلیفة، خلیفة الرسول اللہ" یعنی رسول اللہؐ کے جانشین کے جانشین کی طرف سے، پھر کچھ عرصے بعد انہوں نے اپنے سرنامے کو تبدیل کر کے "من امیرالمومنین" کیوں لکھنا شروع کیا اور انہیں اپنے لئے یہ نام کیسے سوجھا؟

ابوبکرؓ بن سلیمان نے کہا: ایک مہاجر خاتون جس کا نام ''شفا'' تھا اس نے مجھے بتایا کہ عمرؓ بن خطاب نے والی عراق کو خط لکھا جس میں انہوں نے تحریر کیا کہ تم دو عقل مند افراد کو میرے پاس روانہ کرو تا کہ میں ان سے عراق کے حالات اور وہاں کے عوام کے متعلق معلومات حاصل کرسکوں۔

والی عراق نے لبید بن ربیعہ اور عدی بن حاتم کو مدینے روانہ کیا۔ دونوں افراد جب مدینے پہنچے تو انہوں نے اپنے اونٹوں کو مسجد کے پیچھے سلا دیا اور خود مسجد میں آئے۔ وہاں عمرو بن العاص کھڑا تھا۔ انہوں نے اس سے کہا کہ امیرالمومنین سے ہمارے آنے کی اجازت طلب کریں۔

عمرو بن العاص نے (جب یہ نیا اور اچھوتا لفظ سنا) تو کہا: تم نے اس کیلئے اچھا نام تراشا ہے۔ وہ امیر ہے اور ہم مومنین ہیں لہذا وہ امیرالمومنین ہے۔

عمرو بن العاص اٹھا اور حضرت عمرؓ بن الخطاب کے پاس گیا اور کہا: ''السلام علیک یا امیر المومنین.''

حضرت عمرؓ نے کہا: تیرے ذہن میں یہ نام کیسے آ گیا؟ میرا خدا جانتا ہے کہ تجھے اس کی وضاحت کرنا ہوگی۔

عمرو بن العاص نے کہا: اس وقت عراق سے لبید بن ربیعہ اور عدی بن حاتم آئے ہیں، انہوں نے اپنے اونٹ مسجد کے پیچھے سلا دیئے ہیں، انہوں نے مجھ سے کہا کہ تم ہمارے لئے ''امیرالمومنین'' سے داخلے کی اجازت طلب کرو۔ آپ کو یہ لقب انہوں نے اس لئے دیا کہ ہم ''مومنین'' ہیں اور آپ ہمارے ''امیر'' ہیں۔

اس دن سے حضرت عمرؓ نے خطوط کے شروع میں ''من خلیفة، خلیفة الرسول اللّٰہ'' کے الفاظ چھوڑ کر امیرالمومنین لکھوانا شروع کر دیا۔

طبری نے اپنی تاریخ کی جلد پنجم صفحہ ۲۲ پر حسان کوفی سے نقل کیا ہے:

جب حضرت عمرؓ خلیفہ بنے تو اس وقت لوگ انہیں یوں مخاطب کیا کرتے تھے "یا خلیفة، خلیفة الرسول الله."

حضرت عمرؓ نے کہا: یہ کوئی اچھا لقب نہیں ہے کیونکہ یہ بہت طویل ہے اور آئندہ یہ لفظ مزید طول کھینچتا جائے گا۔ تم مومن ہو اور میں تمہارا امیر ہوں۔

اس موقع پر انہیں امیرالمومنین کا لقب دیا گیا۔

مذکورہ بالا روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت عمرؓ کو رسول اکرمؐ نے امیرالمومنین کا لقب نہیں دیا تھا اور خود انہوں نے بھی اپنے لئے یہ دعویٰ نہیں کیا تھا کیونکہ روایت میں مذکور ہے کہ جب عمرو بن العاص نے انہیں امیرالمومنین کہہ کر سلام کیا تو انہوں نے اس لقب کو اپنی حیثیت سے کہیں بلند و برتر سمجھا اسی لئے انہوں نے عمرو بن العاص سے کہا: ربی یعلم لتخرجن مما قلت. میرا خدا جانتا ہے تجھے اس لفظ کی توجیہ پیش کرنا ہوگی۔

عمرو بن العاص بھی پہلے اس لقب سے نابلد تھا اسی لئے اسے اصل حقیقت کہنا ہی پڑی کہ یہ لقب میرے ذہن رسا کی پیداوار نہیں ہے بلکہ عراق سے آنے والے دو افراد نے آپ کے لئے یہ لقب تراشا ہے اور میں نے بھی ان ہی سے سن کر آپ کو اس لقب سے یاد کیا ہے۔

طبری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے لئے یہ لقب خود ہی تجویز کیا تھا۔

آیئے دیکھیں کہ پیغمبر اکرمؐ نے کس شخصیت کو امیرالمومنین کا لقب دیا تھا؟

حافظ ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء کے حصہ اول صفحہ ۶۳ پر اپنی اسناد سے انسؓ سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اکرمؐ نے مجھ سے کہا کہ مجھے وضو کراؤ۔ میں نے آپ کو وضو کرایا۔ آپ نے اٹھ کر دو رکعت نماز ادا کی اور نماز کے بعد مجھ سے

فرمایا: اے انسؓ! اس دروازے میں جو سب سے پہلے وارد ہوگا وہ امیر المومنین، سیدالمسلمین، قائد الغر المحجلین اور خاتم الوصیین ہوگا۔

انسؓ کا بیان ہے کہ میں نے دل ہی دل میں دعا مانگی کہ خدا کرے انصار کا کوئی شخص آ جائے لیکن انصار میں سے کوئی نہ آیا۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ علیؑ تشریف لائے۔

رسول خداؐ نے مجھ سے پوچھا: کون آیا ہے؟

میں نے کہا: علیؑ آئے ہیں۔

یہ سن کر رسول اکرمؐ خوشی خوشی اٹھے اور علیؑ کو گلے لگایا، اپنے چہرے کا پسینہ علیؑ کے چہرے پر ملا اور علیؑ کے چہرے کا پسینہ اپنے چہرے پر ملا۔

علیؑ نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! آج آپ نے ایسا عمل کیا جو کہ اس سے پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: میں ایسا کیوں نہ کروں جبکہ تو میری طرف سے تبلیغ کرے گا۔ تو ہی میری آواز کو لوگوں تک پہنچائے گا اور جن باتوں میں لوگ اختلاف کریں گے تو میرے بعد ان باتوں کا فیصلہ کرے گا۔

ابن مردویہ نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: پیغمبر اکرمؐ اپنے گھر میں موجود تھے۔ صبح سویرے حضرت علیؑ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت ان سے پہلے آنحضرتؐ کی خدمت میں کوئی نہیں آیا تھا۔ علیؑ نے رسول اکرمؐ کو سلام کیا اور ان سے ان کی احوال پرسی کی۔

رسول خداؐ نے فرمایا: بحمد للہ میرا حال بہتر ہے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: جزاک اللّٰہ عنا خیرا اھل البیت. اللہ تعالیٰ ہم اہلبیت کی طرف سے آپ کو جزائے خیر عنایت فرمائے۔

اسی وقت دحیہ [1] نے حضرت علیؑ سے کہا: میں آپ سے محبت کرتا ہوں اور آپ کی ایک منقبت آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ آپ امیرالمومنین اور قائد الغر المحجلین ہیں......تا آخر روایت۔

اسی روایت میں ہے کہ دحیہ نے رسول اکرمؐ کا سر اپنے زانو سے بلند کر کے علیؑ کے دامن پر رکھا۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: یا علیؑ! کس سے باتیں کررہے تھے؟

حضرت علیؑ نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! دحیہ سے باتیں کررہا تھا۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: یا علیؑ! وہ دحیہ نہیں بلکہ جبرئیلؑ تھا۔ اس نے تجھے اس نام سے موسوم کیا ہے جس نام سے خدا نے تجھے ممتاز کیا ہے۔

مذکورہ روایات کے علاوہ علامہ امینی نے کتب اہلسنت سے مزید چھ ایسی روایات نقل کی ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ امیرالمومنین کا لقب حضرت علیؑ کے لئے مخصوص ہے جبکہ لوگوں کی خواہش ہے کہ علیؑ کی اس فضیلت کو ان سے سلب کر کے کسی اور کے ماتھے کا جھومر بنایا جائے اور اسی لئے ابوحرزہ جیسے قصہ گو افراد کی روایت کو نقل کررہے ہیں۔

۱۔ دحیہ کلبی، رسول اکرمؐ کے صحابی تھے اور حضرت جبرئیل امینؑ کئی بار ان کی شکل میں آنحضرتؐ کے پاس نازل ہوئے تھے۔

باب پنجم

خلافت عثمانؓ بن عفان

باب چہارم میں ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ سقیفہ کا اجتماع خالص سیاسی اجتماع تھا جس میں چند افراد نے ایک دوسرے کی مدد کر کے مقام خلافت کو اپنے قبضے میں کرلیا اور مصالح دینی کا قطعاً پاس نہ کیا۔ اس اجتماع کا جو بھی نتیجہ ہوا وہ پہلے سے طے شدہ منصوبے کے عین مطابق تھا۔ رسول اکرمؐ کی وفات سے کافی عرصہ قبل کچھ طالع آزما افراد نے یہ معاہدہ کیا تھا کہ وہ خلافت کو اس کے حقیقی محور سے دور رکھیں گے اور اس معاہدے میں یہ قرار پایا تھا کہ سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کو مسند خلافت پر فائز کیا جائے گا اور اس انتخاب کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابوبکرؓ سن رسیدہ شخصیت تھے اور ان کے متعلق یہ پیشین گوئی آسانی سے کی جاسکتی تھی کہ وہ دنیا میں زیادہ دن زندہ نہیں رہیں گے۔ ان کے بعد اقتدار حضرت عمرؓ کو سپرد کیا جائے گا اور معاہدے میں یہ بھی طے پایا تھا کہ حضرت عمرؓ کے بعد ابوعبیدہ بن جراح یا سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ کو خلافت سپرد کی جائے گی۔

حضرت عمرؓ کو اپنے برسراقتدار آنے کا یقین تھا اسی لئے انہوں نے بڑھ چڑھ کر حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے لئے زمین ہموار کی تھی۔ بہرنوع معاہدے کے

مطابق حضرت ابوبکرؓ کی رحلت کے بعد حضرت عمرؓ برسر اقتدار آئے۔ لیکن ابوعبیدہ کی قسمت نے یاوری نہیں کی۔ وہ حضرت عمرؓ کی زندگی ہی میں دنیا سے چل بسے۔ اسی لئے حضرت عمرؓ بستر مرگ پر بھی بے چین تھے اور ان کی خواہش تھی کہ اے کاش! آج ابوعبیدہ زندہ ہوتے تو وہ انہیں اقتدار سپرد کردیتے۔ حضرت عمرؓ کی بے چینی کی وجہ صرف یہی تھی کہ ابوعبیدہ ان کے ساتھ منصوبے میں شامل تھے اور انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کو مستحکم کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا تھا۔

ابن قتیبہ الامامۃ والسیاسۃ کے صفحہ ۲۲ پر رقم طراز ہیں:

جب حضرت عمرؓ نے یہ محسوس کیا کہ وہ دنیا سے رخصت ہونے والے ہیں تو انہوں نے اپنے فرزند عبداللہ نے کہا: تم بی بی عائشہؓ کے پاس جاؤ اور انہیں میرا سلام کہو اور ان سے ان کے گھر میں پیغمبر اکرمؐ اور ابوبکرؓ کے ساتھ میرے دفن ہونے کی اجازت حاصل کرو۔

عبداللہ، بی بی عائشہؓ کے پاس آئے اور اپنے والد کی خواہش کا اظہار کیا۔

بی بی عائشہؓ نے کہا: میں مکمل رضامندی سے اجازت دیتی ہوں۔ پھر انہوں نے عبداللہ سے کہا کہ بیٹے! اپنے والد کو میرا سلام کہو اور میری طرف سے کہو کہ عائشہؓ کہہ رہی ہیں کہ امت محمدؐیہ کو نگہبان کے بغیر نہ چھوڑو، کسی کو اپنا جانشین مقرر کر کے جاؤ اور امت کو سرپرست کے بغیر نہ چھوڑو، مجھے ڈر ہے کہ اگر تم نے کوئی خلیفہ مقرر نہ کیا تو پھر فتنہ کھڑا ہو جائے گا۔

عبداللہ اپنے والد کے پاس آئے اور ان کو بی بی عائشہؓ کا پیغام پہنچایا۔

حضرت عمرؓ نے کہا: عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں کسی کو اپنا جانشین مقرر کروں لیکن پریشانی تو یہ ہے کہ میں اپنا جانشین کسے مقرر کروں؟ اگر ابوعبیدہ زندہ ہوتا تو میں اسے اپنا جانشین مقرر کرتا اور جب میں خدا کے حضور پیش ہوتا اور خدا مجھ سے

پوچھتا کہ تو نے کس کو اپنا جانشین مقرر کیا ہے؟ تو میں یہ عرض کرتا کہ اے پروردگار! میں نے تیرے نبی کی زبانی یہ سنا تھا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ ہر امت میں امین ہوتا ہے اور اس امت کا امین ابوعبیدہ ہے۔

اگر معاذ بن جبل زندہ ہوتا تو میں اسے خلیفہ مقرر کرتا اور اگر خدا مجھ سے پوچھتا تو میں کہہ دیتا کہ میں نے تیرے بندے اور تیرے نبی سے سنا تھا کہ قیامت کے دن معاذ بن جبل طبقۂ علماء میں محشور ہوگا۔

اگر آج خالد بن ولید زندہ ہوتا تو میں اسے اپنا جانشین مقرر کرتا اور جب میں خدا کے حضور پیش ہوتا اور میرا خدا مجھ سے پوچھتا کہ تو نے امت محمدؐیہ کا حاکم کسے مقرر کیا؟ تو میں جواب میں یہ عرض کرتا کہ خدایا! میں نے تیرے بندے اور تیرے نبی سے یہ سنا تھا کہ خالد بن ولید اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے جسے خدا نے مشرکین کے خلاف نیام سے باہر نکالا ہے۔

لیکن میں دنیا سے جاتے جاتے کسی ایسے شخص کو ضرور مقرر کر کے جاؤں گا جس سے رسول اکرمؐ اپنی وفات کے وقت راضی تھے۔ تا آخر روایت۔

طبری اپنی تاریخ کی جلد سوم صفحہ ۱۹۲ پر رقم طراز ہیں:

جب حضرت عمرؓ زخمی ہوئے تو کسی نے ان سے کہا: بہتر ہے کہ آپ کسی شخص کو اپنا جانشین نامزد کر کے جائیں۔

حضرت عمرؓ نے کہا: مگر میں کسے جانشین نامزد کروں؟ اگر آج ابوعبیدہ بن جراح زندہ ہوتا تو میں اسے اپنا جانشین مقرر کرتا اور اگر خدا مجھ سے اس کے متعلق پوچھتا تو میں کہہ دیتا کہ اے خدایا! میں نے تیرے نبی کی زبان سے سنا تھا کہ ابوعبیدہ امت کا امین ہے۔

ولو كان سالم مولىٰ ابی حذیفة حیا استخلفته فان سألنی ربی

قلت سمعت نبیک یقول: ان سالما شدید الحب للّٰہ. اور اگر ابوحذیفہؓ کا آزاد کردہ غلام سالم زندہ ہوتا تو میں اس کو اپنا جانشین نامزد کرتا اور اگر میرا خدا مجھ سے اس کے متعلق پوچھتا تو میں یہ کہہ دیتا کہ اے خدایا! میں نے تیرے نبی کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ سالمؓ، اللہ سے بے تحاشا محبت کرنے والا ہے۔

ایک شخص نے ان سے کہا: میں خلافت کے ایک اور حقدار کا آپ کو تعارف کراتا ہوں۔

حضرت عمرؓ نے کہا: بتاؤ وہ کون ہے؟

اس شخص نے کہا: وہ آپ کا بیٹا عبداللہ بن عمرؓ ہے۔

حضرت عمرؓ نے کہا: تجھے خدا مارے! میں نے راہ خدا میں ایسا ارادہ ہرگز نہیں کیا۔ تجھ پر وائے ہو، میں ایسے شخص کو خلافت سپرد کردوں جو اپنی بیوی کو طلاق دینے سے بھی عاجز ہے؟

قارئین کرام! ملاحظہ فرمائیں کہ حضرت عمرؓ کو زندگی کے آخری لمحات میں ابوعبیدہ بن جراح اور سالم آزاد کردہ ابوحذیفہؓ کی موت کا کتنا افسوس تھا کہ وہ اپنی زندگی کے آخری لمحات میں ان کے زندہ رہنے کی خواہش کر رہے تھے۔ حضرت عمرؓ کو اپنے دونوں دیرینہ وفادار دوست اس لئے بے ساختہ یاد آرہے تھے کیونکہ حضرت عمرؓ کے ساتھ ساتھ مذکورہ دونوں افراد نے بھی حضرت ابوبکرؓ کی حکومت کے استحکام کے لئے شبانہ روز کوششیں کی تھیں کیونکہ حضرت عائشہؓ، حضرت علیؑ سے کینہ و دشمنی رکھتی تھیں اور وہ خود بھی حضرت علیؑ سے دشمنی رکھتے تھے اس لئے ان کا قطعاً میلان اس جانب نہیں تھا کہ حضرت علیؑ خلافت پر فائز ہوں۔

طبری کے کہنے کے مطابق ایک دو روز بعد حضرت عمرؓ نے اپنے ایک قریبی ساتھی کو حکم دیا کہ انتخاب کے لئے چھ افراد کو ایک کمرے میں جمع کریں اور

شوریٰ کریں جس کسی کے حق میں زیادہ رائیں ہوں اسی کو خلافت دیدی جائے۔

انہوں نے جن چھ افراد کو شوریٰ کا رکن بنایا ان کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) حضرت علیؑ۔ (۲) حضرت عثمانؓ۔ (۳) زبیر بن عوامؓ۔

(۴) طلحہ بن عبیداللہ تیمیؓ۔ (۵) سعد بن ابی وقاصؓ۔ (۶) عبدالرحمٰن بن عوفؓ۔

طلحہؓ اس روز مدینے میں موجود نہ تھے۔ چنانچہ کہا کہ اگر تین روز میں آجائیں تو ان کو شامل کرلیا جائے اور اس ضمن میں حکم دیا کہ ان کے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ بھی جلسے میں شریک ہوں لیکن ان کو خلافت کے لئے نہیں چنا جاسکتا۔ البتہ ان کی رائے کسی دوسرے کو فائدہ پہنچا سکتی ہے۔

حضرت عمرؓ نے ابوطلحہؓ انصاری کو حکم دیا کہ وہ پچاس انصار کے ساتھ موجود رہیں گے اور ارکان شوریٰ کی تین دن تک مسلسل نگہبانی کریں گے اور تین دن کے اندر اندر ارکان شوریٰ کو اپنا حاکم نامزد کرنا ہوگا۔

پھر انہوں نے مقدادؓ بن اسود سے کہا: جب تم لوگ مجھے دفن کرلو تو صہیبؓ تین دن تک مسجد نبوی میں نماز پڑھائیں گے۔ میری تدفین کے بعد ارکان شوریٰ اپنا اجلاس منعقد کریں گے۔ اگر چھ میں سے پانچ ارکان ایک طرف ہوں اور ایک رکن ان سے جدا ہو تو جدا ہونے والے رکن کی گردن کاٹ دی جائے۔ اگر چار ایک طرف اور دو ایک طرف ہوں تو اختلاف کرنے والے دو افراد کو تہہ تیغ کردیا جائے۔ اگر تین ایک طرف ہوں اور تین دوسری طرف ہوں تو عبداللہ بن عمر سے ان کا فیصلہ کرانا۔ اگر عبداللہ کا فیصلہ تسلیم نہ کریں تو عبدالرحمٰن بن عوف کی رائے حتمی ہوگی۔ خلیفہ وہی ہوگا جس کی حمایت عبدالرحمٰن کرے گا اور جو فریق عبدالرحمٰن کے فیصلے کی مخالفت کرے تو اس کی گردن کاٹ دی جائے۔

حضرت عمرؓ نے شوریٰ کی ہیئت ہی کچھ اس طرح سے تشکیل دی تھی کہ

حضرت علیؑ اس شوریٰ کے ذریعے سے خلیفہ بن ہی نہیں سکتے تھے کیونکہ سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمٰن بن عوف کا چچازاد بھائی تھا اور عبدالرحمٰن بن عوف حضرت عثمانؓ کا داماد تھا اور حضرت عثمانؓ خود شوریٰ کے رکن تھے۔ اور یوں حضرت عثمانؓ کو تین ووٹ تو پہلے سے ہی حاصل تھے جن میں عبدالرحمٰن بن عوف کا فیصلہ کن ووٹ بھی ان ہی کے پاس تھا۔

حضرت عمرؓ نے اپنے منصوبے میں یہ اہتمام بھی کیا تھا کہ اگر حضرت علیؑ اور حضرت عثمانؓ دونوں کے لئے ووٹ مساوی ہو جائیں تو امتیاز عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے گروہ کو حاصل ہوگا جو حضرت عثمانؓ کے رشتہ دار تھے تاکہ نتیجے میں علیؑ کو خلافت نہ مل سکے۔ یہ عمل علیؑ سے دشمنی کے سبب تھا نہ کہ عثمانؓ سے دوستی کے سبب۔

علامہ امینی الغدیر کی جلد پنجم صفحہ ۳۶۱ پر لکھتے ہیں:

تعجب ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابوعبیدہ بن جراح اور سالم کو خلافت کا حقدار کیسے سمجھ لیا تھا اور ان کے زندہ رہنے کے آرزو مند کیوں تھے؟ اور انہوں نے ان کے متعلق ایک ایک حدیث سے استدلال کر کے ان کے حقدار خلافت ہونے کا اثبات کیسے کیا؟ جبکہ حضرت علیؑ کے حق میں قرآن مجید کی سیکڑوں آیات اور رسول اکرمؐ کی ہزاروں احادیث موجود تھیں۔ کیا وہ تمام آیات اور احادیث حضرت علیؑ کی خلافت کے استحقاق کے لئے کافی نہیں تھیں؟

قرآن مجید حضرت علیؑ کی عصمت پر گواہی دیتا ہے۔ آیت تطہیر حضرت علیؑ کی طہارت کی سند ہے۔ آیت مباہلہ حضرت علیؑ کے نفس رسول ہونے کے سند ہے۔ ("ومن عنده علم الكتاب" ان کے عالم ہونے کی سند ہے۔ "ومن الناس من يشري نفسه ابتغاء مرضات الله" ان کے مرضات الٰہی کے خریدار ہونے کی دلیل ہے)۔ مگر اس کے باوجود خلیفہ نے انہیں خلافت کے قابل نہ سمجھا۔

اس سلسلے میں عجیب ترین بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے عبداللہ کے متعلق یہ تبصرہ کیا: جو شخص اپنی بیوی کو شرعی طلاق دینے کے مسائل سے ناواقف ہے وہ امت کی قیادت و امامت کے لائق کیسے ہوسکتا ہے؟ حالانکہ عبداللہ اپنے والد سے زیادہ مسائل دینی سے واقف تھے۔

تکلف برطرف حضرت عمرؓ کی نظر میں خلیفہ کی حیثیت بیت المال کے نگہبان اور اس کے تقسیم کنندہ کی تھی اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ خلیفہ کے لئے زیادہ صاحب علم ہونا ضروری نہیں ہے کیونکہ انہوں نے اس بات کا اظہار اپنے کئی خطبات میں کیا تھا کہ جسے قرآن کے بارے میں پوچھنا ہو تو وہ ابی بن کعب کی طرف رجوع کرے اور اگر کسی کو فقہ کے متعلق کچھ پوچھنا مطلوب ہو تو وہ معاذ بن جبل کی طرف رجوع کرے۔ البتہ کسی کو بیت المال کی تقسیم کے متعلق کچھ پوچھنا ہو تو وہ میری طرف رجوع کرے کیونکہ اللہ نے مجھے بیت المال کا نگہبان اور اس کا تقسیم کنندہ بنایا ہے۔

اے کاش! ان تمام احادیث میں سے جو پیغمبر اکرمؐ نے علیؑ کی شان میں فرمائی تھیں اور حفاظِ حدیث انہیں نقل کرتے رہتے ہیں، اگر حضرت عمرؓ ان میں سے ایک ہی حدیث کا انتخاب کرتے کہ تمام فرق اسلامی جس پر متفق ہیں، تو وہ حضرت عمرؓ کے لئے اپنے بعد علیؑ کو خلیفہ مقرر کرنے کے لئے کافی ہوتی جس میں پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا تھا:

انی مخلف فیکم الثقلین. اوتارک فیکم الثقلین ان تمسکتم بهما لن تضلوا ابدا. کتاب الله و عترتی اهل بیتی لن یفترقا حتی یردا علی الحوض و علی سید العترة. میں تمہارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں اگر تم نے ان سے وابستگی اختیار کی تو تم ہرگز گمراہ نہ ہوسکو گے

اور وہ ہیں اللہ کی کتاب اور میری عترت اہلبیت۔ وہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ وہ میرے پاس حوض پر آ جائیں اور علیؑ عترت کا سردار ہے۔

علاوہ ازیں کتب صحاح و مسانید میں فضائل علیؑ کی درج ذیل روایات حضرت عمرؓ کی زبانی مروی ہیں۔ وہ ان روایات کو بارگاہ احدیت میں پیش کر کے اپنے بری الذمہ ہونے کی سند حاصل کر سکتے تھے۔ مثلاً وہ اپنی روایت کردہ یہ حدیث بیان کر سکتے تھے:

۱۔ رسول خداؐ نے فرمایا: **یاعلی انت منی بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه لا نبی بعدی.** اے علیؑ! تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو حضرت ہارونؑ کو حضرت موسیٰؑ سے حاصل تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

۲۔ رسول خداؐ نے جنگ خیبر میں فرمایا: **لا عطین الرأية عداً رجلا يحب الله ورسوله ويحبه الله ورسوله.** میں کل اسے علم دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوگا اور اس سے اللہ اور اس کا رسول محبت کرتے ہوں گے۔

۳۔ رسول خداؐ نے فرمایا: کسی شخص نے فضائل کو اس طرح سے حاصل نہیں کیا جو اسے برائی سے باز رکھیں اور اسے جنت کی طرف لے جائیں جیسا کہ علیؑ نے فضائل کو حاصل کیا ہے۔

۴۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا: **لو وضع السموات السبع والارضون السبع فی کفة و ایمان علی فی کفة.** اگر ترازو کے ایک پلڑے میں سات آسمان اور سات زمینوں کو رکھا جائے اور دوسرے پلڑے میں علیؑ کے ایمان کو رکھ کر وزن کیا جائے تو علیؑ کے ایمان کا پلڑا بھاری ہوگا۔[1]

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ابوعبیدہ اور سالم تو دو خودساختہ احادیث کے تحت

۱۔ مذکورہ چاروں احادیث حضرت عمرؓ سے مروی ہیں۔

انہیں مستحق خلافت دکھائی دینے لگے تھے۔ مگر حضرت علیؑ جن کے متعلق آیت مباہلہ، آیت تطہیر اور آیت ولایت اللہ نے نازل کی تھی، وہ انہیں خلافت کے حقدار کیوں نہ دکھائی دیئے؟ ہمیں حضرت عمرؓ کی اس خواہش اور روز سقیفہ کے موقف میں بڑا تضاد دکھائی دیتا ہے کیونکہ انصار کے مقابلے میں قریش کا موقف یہ تھا کہ رسول خداؐ نے فرمایا تھا: الائمة من قریش. امام قریش میں سے ہوں گے۔

اور اسی دلیل کی وجہ سے انہوں نے انصار سے عنان خلافت کو موڑ کر قریش کی حکومت قائم کی تھی۔ سقیفہ میں موقف یہ تھا کہ قریش کے علاوہ خلیفہ کسی دوسرے خاندان سے نہیں ہوسکتا۔ مگر حضرت عمرؓ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں یہ کہہ کر کہا ''اگر آج سالم زندہ ہوتے تو میں انہیں خلیفہ مقرر کرتا'' اپنے سابقہ موقف سے انحراف کیا کیونکہ سالمؓ بن معقل بنی حذیفہ کے غلاموں میں سے تھا اور نسلی طور پر اس کا تعلق اعاجم فارس سے تھا۔ بنیادی طور پر وہ عرب ہی نہیں تھا۔ ہمیں یہ دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ ایک غلام کو تو مستحق خلافت کہہ رہے تھے لیکن اس کے مقابلے میں انہیں داماد مصطفیٰ یاد نہ آیا۔[1]

(یہ اس لئے تھا کہ خلافت کو سلطنت سمجھ لیا گیا تھا۔ چنانچہ کسی بھی راستے سے اس سلطنت کو حاصل کرنا چاہا تھا اور اس سلسلے میں یہ لوگ پہلے ہی آپس میں معاہدہ کرچکے تھے کہ یکے بد دیگرے ہر ایک تخت خلافت پر براجمان ہوگا)۔

اور اسکے ساتھ ان کا یہ کہنا بھی نہایت تعجب انگیز ہے کہ ''اگر آج خالد بن ولید زندہ ہوتا تو میں اسے خلیفہ مقرر کرتا'' جبکہ خالد کی بے اعتدالیوں پر سب سے زیادہ تنقید بھی انہوں نے کی تھی۔ جب خالد بن ولید نے مالک بن نویرہ کو دھوکے سے قتل کیا اور اس کی بیوی پر تصرف کیا تھا تو حضرت عمرؓ نے اس پر شدید تنقید کی

۱۔ طبقات ابن سعد، ج۳، ص۲۴۸۔ التمہید للباقلانی، ص۲۰۴۔ استیعاب، ج۲، ص۵۶۱۔

تھی۔ انہوں نے مسجد نبوی میں خالد کی خوب بے عزتی کی تھی۔ اس کی ٹوپی میں لگے ہوئے تیر کھینچ کر توڑ دیئے تھے اور اس سے کہا تھا: تو نے ایک مسلمان کو ناحق قتل کیا۔ تو نے اس کی بیوی پر ناجائز تصرف کیا۔ خدا کی قسم میں تجھے سنگسار کروں گا۔

اور جب حضرت عمرؓ خلیفہ بنے تو انہوں نے خالد بن ولید کو لشکر کی سالاری سے معزول کر دیا تھا۔ مگر اس کے باوجود زندگی کے آخری ایام میں انہوں نے یہ کہہ کر کہ "اگر خالد زندہ ہوتا تو میں اسے خلیفہ بناتا" اپنے سابقہ موقف کی خود ہی نفی کر دی تھی۔

ہاں! دین کے جادہ سے منحرف سیاست ان ہی اشخاص کی وجہ سے وجود میں آئی تھی کہ ہر روز اپنی مرضی کے مطابق اپنی ہی کہی ہوئی باتوں میں ردو بدل کرتے رہتے تھے۔ کبھی خالد کو سنگسار کرنا چاہتے تھے اور کبھی اس کی زندگی کی خواہش کرتے تھے تاکہ خلافت اسے سونپ سکیں۔ ان لوگوں کی نیتیں، عقائد، آرزوئیں اور گفتگوئیں سب سیاست کا نتیجہ ہیں اور قرآن کریم کی آواز کے خلاف ہیں۔ یہی سیاست مسلمانوں کے درمیان افتراق و اختلاف کا باعث بنی اور اسی کی وجہ سے سقیفہ بنی ساعدہ وجود میں آئی۔[1]

یعقوبی لکھتے ہیں:

حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد جب ارکان شوریٰ کا اجلاس ہوا تو عبدالرحمٰن نے کہا کہ میں اپنا حق خلافت اس شرط پر چھوڑ رہا ہوں کہ تم مجھے اپنے درمیان فیصلے کا اختیار دو گے اور اس نے تین دنوں میں متعدد بار حضرت علیؑ سے کہا:

۱۔ ہم کتاب ہذا کی پاورقی میں عرض کر چکے ہیں کہ ابوعبیدہ بن جراح گورکن تھے۔ عجیب بات یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کو ایک گورکن تو مستحق خلافت دکھائی دیا لیکن برادر رسول علی مرتضیٰ انہیں خلافت کا مستحق دکھائی نہ دیا۔

میں آپ کو خلیفہ نامزد کرتا ہوں، مگر اس کے لئے آپ کو میری تین شرائط کی پابندی کا حلف اٹھانا ہوگا: (۱) آپ کتاب اللہ پر عمل کریں گے۔ (۲) آپ سنت رسول پر عمل کریں گے۔ (۳) آپ سیرت شیخین پر عمل کریں گے۔

اس کے جواب میں ہر بار حضرت علیؑ نے کہا: میں کتاب اللہ اور سنت رسول پر عمل کروں گا اور کتاب اللہ اور سنت رسول کے ساتھ کسی تیسری شرط کی ضرورت نہیں ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس شرط کی وجہ سے تو مجھے خلافت سے محروم کرنا چاہتا ہے۔

عبدالرحمٰن بن عوف نے ان تین دنوں میں کئی بار حضرت عثمانؓ سے بھی ملاقات کی اور ان کے سامنے اپنی تینوں شرائط رکھیں۔ حضرت عثمانؓ نے ہر بار تینوں شرائط کی پابندی پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا جس کی وجہ سے عبدالرحمٰن نے حضرت عثمانؓ کی بیعت کی اور اس کے بعد عوام الناس نے ان کی بیعت کی۔[۱]

قارئین کرام! خدارا توجہ فرمائیں اور انصاف سے کام لیتے ہوئے دیکھیں کہ سقیفہ میں حضرت علیؑ کو کس طرح سے نظر انداز کیا گیا اور جو سلسلہ سقیفہ سے شروع ہوا تھا وہ حضرت عمرؓ کی وفات تک جاری رہا۔ عبدالرحمٰن بن عوف کو حضرت عمرؓ نے انتخاب خلیفہ کے لئے غیر معمولی اختیارات صرف اس لئے تفویض کئے تھے کہ وہ حضرت علیؑ کی خلافت کا راستہ روک سکیں اور انہوں نے بھی اپنے آپ کو خلیفہ ثانی کی توقعات پر پورا اتارا اور سیرت شیخین کی شرط کا لاحقہ لگا کر حضرت علیؑ کو خلافت سے محروم کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول پر عمل کرے۔ پورے قرآن میں اللہ نے یہ کہیں نہیں فرمایا کہ مسلمانوں کو

۱۔ تاریخ یعقوبی، جلد۲، ص۱۱۳۔

کتاب وسنت کے ساتھ شیخین کی بھی پیروی کرنی چاہئے۔

آخر سیرت شیخین پر اصرار کی ضرورت ہی کیا تھی؟ کیا شیخین معصوم تھے کہ ان کی سیرت قابل اتباع ہو؟ اس شرط کا اول و آخر مقصد صرف یہی تھا کہ حضرت علیؑ کے لئے حکومت کا راستہ روکا جائے۔ آخر علیؑ کو کیا ضرورت تھی کہ وہ سبقت ایمانی اور اپنے کمالات کے باوجود شیخین کو اپنا مرجع تقلید قرار دیتے؟

کوئی بھی نہیں چاہتا تھا کہ علیؑ کو ان کا حق دیا جائے بلکہ سقیفہ میں جو کچھ طے پاگیا تھا اس کی پابندی کرنا چاہتے تھے جو بالآخر مسلمانوں کی بدبختی پر منتج ہوا۔ اس وقت علیؑ کی مانند علم وتقویٰ میں کسی کی مثال نہیں دی جاسکتی تھی کیا یہ مناسب تھا کہ ان سے ابوبکرؓ وعمرؓ کی روش پر چلنے کا اصرار کیا جاتا۔

عبدالرحمٰن بن عوف کو اس بات کا مکمل یقین تھا کہ علیؑ کبھی بھی سیرت شیخین کی پابندی کرنے پر آمادہ نہیں ہوں گے اسی لئے انہیں علیؑ کو خلافت سے محروم کرنے کا بہانہ ہاتھ آجائے گا۔

آیئے دیکھیں کہ حضرت عثمانؓ جنہوں نے تین شرائط کی پابندی کا اعلان کر کے خلافت حاصل کی تھی، انہوں نے مذکورہ شرائط پر کس طرح سے عمل کیا؟ جبکہ تاریخ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ انہوں نے اپنی شرائط سے اس قدر انحراف کیا کہ اخرکار انہیں قتل ہونا پڑا۔

بے دین رشتہ داروں کو کلیدی مناصب پر فائز کرنا

بلاذری نے انساب جلد پنجم صفحہ ۳۳ پر ابواسحٰق ہمدانی سے نقل کیا ہے کہ ولید بن عقبہ نے شراب پی اور مستی کی حالت میں نماز صبح پڑھائی۔[1]

۱۔ انساب اور صحیح مسلم میں اسی طرح سے مذکور ہے جبکہ دوسری کتابوں میں ہے کہ اس نے فجر کی نماز چار رکعات پڑھائی اور پھر کہا: اگر یہ کم ہو تو کچھ اور نہ پڑھادوں؟

جب دو رکعت نماز فجر پڑھالی تو اس نے حاضرین کی طرف رخ کر کے کہا: اگر تمہاری خواہش ہو تو اس سے زیادہ پڑھا دوں؟

نمازیوں نے کہا: نہیں! مزید رکعات کی ضرورت نہیں ہے۔ ہماری نماز مکمل ہوچکی ہے۔

اس کے بعد ابوزینب اور جندب بن زہیر ولید کے پاس گئے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ نشے میں مدہوش تھا۔ انہوں نے اس کے ہاتھ سے اس کی انگوٹھی تک اتار لی مگر اسے کچھ بھی پتا نہ چلا۔

ابواسحٰق کا بیان ہے کہ مسروق کہا کرتا تھا کہ ولید نے مدہوشی کی وجہ سے حالت نماز میں پیشاب کردیا تھا۔

کوفے سے ابوزینب، جندب بن زہیر، ابوحبیبہ غفاری اور صعب بن جثامہ اپنے والی کی شکایت کے لئے مدینے گئے۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کے سامنے ولید کی شکایت کی۔ اس وقت دربار خلافت میں عبدالرحمٰن بن عوف بھی موجود تھا۔ اس نے اہل کوفہ سے کہا: کیا وہ دیوانہ ہوگیا تھا کہ اس نے یہ کام کیا؟

شکایت کرنے والوں نے کہا: نہیں! وہ شراب میں مدہوش تھا اسی لئے اس نے یہ کام سرانجام دیا۔

حضرت عثمانؓ نے شکایت کرنے والوں کو خوب بے عزت کیا اور جندب سے کہا: کیا تو نے میرے بھائی کو شراب پیتے ہوئے دیکھا تھا؟

واضح رہے کہ ولید ماں کی طرف سے حضرت عثمانؓ کا بھائی تھا۔ ان دونوں کی والدہ اروئ بنت کریز بن ربیعہ تھیں۔

جندب نے کہا: میں نے اسے شراب پیتے ہوئے نہیں دیکھا البتہ میں نے اسے شراب میں مدہوش ہوتے ہوئے دیکھا اور آپ کا بھائی شراب میں اتنا

مدہوش تھا کہ میں نے اس کی انگلی سے انگشتری اتار لی مگر اسے اس کا علم تک نہ ہوا۔

ابواسحٰق کہتا ہے کہ دربار خلافت سے مایوس ہونے کے بعد شکایت کرنے والے بی بی عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے ولید کی شراب نوشی اور حضرت عثمانؓ کے رویے کی شکایت کی۔ بی بی عائشہؓ نے زور سے کہا: عثمانؓ نے حدود کو ضائع کردیا اور گواہوں کو دھمکیاں دے رہا ہے۔

واقدی لکھتے ہیں:

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے کچھ گواہوں کو تازیانے بھی مارے۔ وہ لوگ حضرت علیؑ کے پاس گئے۔ حضرت علیؑ، حضرت عثمانؓ کے پاس آئے اور ان سے کہا: **عطلت الحدود و ضربت قوما شهدوا على اخيك فقلبت الحكم.** تم نے حدود کو معطل کردیا اور جن لوگوں نے تمہارے بھائی کے خلاف گواہی دی تم نے انہیں مارا پیٹا ہے اور حکم الٰہی کو زیرو زبر کردیا ہے۔ جبکہ عمرؓ کہا کرتے تھے کہ بنی امیہ اور آل ابی معیط کو لوگوں پر مسلط نہ کرنا۔

حضرت عثمانؓ نے کہا: آخر آپ ولید کے بارے میں کیا چاہتے ہیں؟

حضرت علیؑ نے فرمایا: میں یہ چاہتا ہوں کہ ولید کو کوفے کی حکمرانی سے معزول کردو اور اس کے بعد بھی اسے کوئی عہدہ سپرد نہ کرو اور معلوم کراؤ کہ اگر گواہوں کی گواہی کسی حسد اور دشمنی پر محمول نہیں ہے تو اس پر حد شرعی جاری کرو۔

باسناد مختلف، منقول ہے کہ طلحہؓ و زبیرؓ، حضرت عثمانؓ کے پاس آئے اور ان سے کہا: ہم نے آپ کو متعدد بار منع کیا تھا کہ ولید کو کوئی عہدہ نہ دیں مگر آپ نے ہمارا کہنا نہیں مانا اور آج حالت یہ ہے کہ لوگ اس کی شراب نوشی کی گواہی دے رہے ہیں۔ لہذا آپ ولید کو اس کے عہدے سے معزول کردیں۔

حضرت علیؑ نے بھی بار بار یہی اصرار کیا کہ ولید کو فی الفور عہدے سے

ہٹا دینا چاہئے اور اس پر حد شرعی جاری کرنی چاہئے۔

حضرت عثمانؓ نے سعید بن عاص کو کوفے کا والی مقرر کیا اور اسے حکم دیا کہ وہ کوفے پہنچتے ہی ولید کو مدینے روانہ کردے۔

اس نے کوفہ جا کر منبر اور گھر کو دھلوایا اور ولید کو مدینے روانہ کیا۔ جب ولید مدینے پہنچا تو گواہوں نے حضرت عثمانؓ کی عدالت میں اس کے خلاف گواہی دی جس کی وجہ سے حضرت عثمانؓ حد جاری کرنے پر مجبور ہوگئے۔ انہوں نے حد سے قبل ولید کو پشمی موٹا لباس پہنوایا تاکہ تازیانے کا اثر کم سے کم ہو۔ پھر ولید کو ایک کمرے میں حد کے لئے لایا گیا اور کہا گیا کہ جو ولید پر حد جاری کرنے کا خواہش مند ہو وہ کوڑا اٹھا کر اس پر حد نافذ کرے۔

جو بھی شخص تازیانہ لے کر اسے مارنے کے لئے آگے بڑھتا تو ولید اس سے کہتا: میں تجھے خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ مجھ سے قطع رحمی نہ کرو اور امیرالمومنین عثمانؓ کو خواہ مخواہ اپنا مخالف نہ بناؤ۔

ولید کی یہ دھمکی سن کر ہر شخص حد جاری کئے بغیر واپس آجاتا۔

جب حضرت علیؑ نے یہ منظر دیکھا تو آپ نے ہاتھ میں تازیانہ اٹھایا اور حسن مجتبیٰ کو ساتھ لے کر کمرے میں داخل ہوئے۔ ولید نے آپ سے بھی وہی کچھ کہا جو وہ پہلے سے کہہ رہا تھا۔

امام حسن مجتبیٰؑ نے اپنے والد سے کہا: ابا جان! یہ درست کہہ رہا ہے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: اگر میں نے اس پر حد جاری نہ کی تو پھر میں مومن کہلانے کا حقدار نہیں رہوں گا۔ پھر آپ نے دو شاخوں والے تازیانے سے اس پر حد جاری کی۔

بعض روایات میں یہ الفاظ بھی وارد ہیں کہ حضرت علیؑ نے اپنے فرزند حسن مجتبیٰؑ سے فرمایا کہ بیٹا تم کوڑا ہاتھ میں لے کر ولید پر حد جاری کرو۔

حضرت عثمانؓ نے کہا: آپ رہنے دیں۔ ممکن ہے کہ یہ عمل حاضرین میں سے کوئی ایک سرانجام دے۔

اس کے بعد حضرت علیؑ خود اٹھے اور ولید کو تازیانے مارے۔ جب آپ ولید کو تازیانے مار رہے تھے تو اس وقت ولید آپ کو مغلظات بک رہا تھا۔

ابوالفرج نے اغانی میں لکھا:

ولید نے حضرت علیؑ کو رشتہ داری کی قسمیں دیں تو حضرت علیؑ نے اس سے فرمایا: خاموش رہو! بنی اسرائیل کی تباہی کا سبب یہی تھا کہ انہوں نے حدود کو معطل کر دیا تھا۔ مگر میں حدود کو معطل نہیں ہونے دوں گا خواہ قریش مجھے اپنا جلاد کیوں نہ سمجھیں۔[1]

تاریخ یعقوبی جلد دوم صفحہ ۱۴۲ پر مرقوم ہے کہ ولید نے محراب میں قے کی تھی جس میں شراب نکلی تھی۔

کامل ابن اثیر جلد سوم صفحہ ۴۳، اسد الغابہ جلد پنجم صفحہ ۹۱ و ۹۲ پر مرقوم ہے کہ ولید نے صبح کی چار رکعات پڑھا کر حاضرین سے کہا تھا کہ اگر تمہاری خواہش ہو تو میں کچھ زیادہ ہی نماز نہ پڑھا دوں؟

سیرت حلبیہ جلد دوم صفحہ ۳۱۴ پر منقول ہے کہ ولید نے اہل کوفہ کو نشے میں دھت ہو کر صبح کی نماز چار رکعات پڑھائی اور وہ رکوع و سجود میں یہ کہتا تھا کہ "خود بھی پی اور مجھے بھی پلا" پھر اس نے محراب میں قے کی اور بعد میں سلام پڑھا۔ پھر سلام کے بعد کہا: اگر چاہو تو کچھ اور نماز پڑھا دوں؟

۱۔ بنقل الغدیر، جلد ۶، ص ۱۲۰ و ۱۲۱۔

خلیفہ کے بیٹے پر حکم قصاص جاری نہ کرنا

بیہقی، سنن کبریٰ کی جلد ہشتم صفحہ ۶۱ پر لکھتے ہیں:

جب ابولؤلؤ نے حضرت عمرؓ پر حملہ کر کے انہیں زخمی کیا تو ان کے بیٹے عبیداللہ بن عمرؓ نے مدینے میں مقیم ایرانی شہزادے ہرمزان پر حملہ کر کے اسے قتل کردیا۔ لوگوں نے حضرت عمرؓ کو بتایا کہ آپ کے بیٹے عبیداللہ نے ہرمزان کو قتل کردیا ہے۔

انہوں نے کہا: اس نے اسے کیوں قتل کیا؟

لوگوں نے کہا: آپ کا بیٹا کہہ رہا تھا کہ اس نے میرے باپ کو قتل کیا ہے۔

کچھ اور افراد نے کہا: مگر آپ پر تو اکیلے ابولؤلؤ نے حملہ کیا ہے۔

اس کے جواب میں حاضرین میں سے کسی نے کہا: عبیداللہ کہہ رہا تھا کہ اس نے حملے سے قبل ابولؤلؤ کو ہرمزان سے تنہائی میں گفتگو کرتے ہوئے دیکھا تھا اسی لئے اس نے یہ سمجھا کہ ابولؤلؤ کو ہرمزان نے حملے کا مشورہ دیا ہے۔

حضرت عمرؓ نے کہا: میرے مرنے کے بعد عبیداللہ سے اس بات کی گواہی طلب کی جائے۔ اگر گواہ یہ گواہی دیں کہ مجھ پر ہرمزان نے حملہ کرایا ہے تو اس کا خون میرے خون کا بدلہ ہو جائے گا اور اگر گواہ یہ گواہی نہ دیں تو عبیداللہ سے ہرمزان کا قصاص لیا جائے.....تا آخر۔

طبقات ابن سعد میں مرقوم ہے:

عبیداللہ نے ابولؤلؤ کی بیٹی کو قتل کیا حالانکہ وہ اسلام کی دعویدار تھی۔ اس دن عبیداللہ یہ کہتا ہوا پایا گیا کہ میں کسی بھی قیدی کو مدینے میں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ بزرگ مہاجرین نے اس کے اس عمل کو سخت ناپسند کیا اور بڑی مشکل سے اس

پر قابو پایا۔ عبیداللہ یہ کہتا تھا کہ میں انہیں قتل کر کے چھوڑوں گا اور وہ کچھ مہاجرین کی طرف اشارہ کررہا تھا۔ عمرو بن العاص اسے اس کام سے روکنے میں پیش پیش تھا۔ یہاں تک کہ اس نے اس کی تلوار کو پکڑ لیا اور سعد بن ابی وقاص اس سے گتھم گتھا ہو گیا۔ لوگوں نے ان دونوں کو بڑی مشکل سے علیحدہ کیا۔ عبیداللہ اور سعد گتھم گتھا تھے کہ اس اثناء میں حضرت عثمانؓ آ گئے۔ (یہ واقعہ شوریٰ کے تین دنوں کے درمیان پیش آیا کہ ابھی حضرت عثمانؓ کی بیعت نہیں ہوئی تھی) انہوں نے عبیداللہ کے سر کو پکڑ کر اسے سعد سے جدا کرنا چاہا تو وہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ بھی گتھم گتھا ہو گیا۔ اس دن عبیداللہ نے جفینہ، ہرمزان اور ابولؤلؤ کو بیٹی کو قتل کیا تھا۔

ابی وجزہ نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ اس دن میں نے عبیداللہ کو حضرت عثمانؓ کے ساتھ گتھم گتھا دیکھا۔ ہر ایک نے دوسرے کا سر پکڑا ہوا تھا اور عثمانؓ اس سے کہہ رہے تھے: قاتلک اللہ قتلت رجلا یصلی وصبیة صغیرة و آخر من ذمة رسول اللہ مافی الحق ترکک. تجھے خدا مارے! تو نے نماز پڑھنے والے ایک شخص اور ایک معصوم بچی اور ایک ذمی کو قتل کیا ہے۔ تیرے جیسے شخص کو آزاد چھوڑنا انصاف کے خلاف ہے۔

راوی کہتا ہے کہ مجھے پھر اس وقت سخت تعجب ہوا جب عثمانؓ خلیفہ بنے تو انہوں نے عبیداللہ کو چھوڑ دیا لیکن مجھے بعد میں علم ہوا کہ اس کام میں عمرو بن العاص نے مداخلت کی تھی اور انہیں ان کی رائے سے منحرف کردیا تھا۔

طبری اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:

جب حضرت عثمانؓ کی بیعت مکمل ہوگئی اور وہ مسجد کے ایک کونے میں بیٹھ گئے تو اس وقت عبیداللہ بن عمر کو ان کے سامنے لایا گیا۔ وہ اس سے پہلے سعد بن ابی وقاص کے گھر میں قید تھا کیونکہ عبیداللہ نے اپنے باپ کی وجہ سے کچھ افراد

کو قتل کیا تھا اور وہ تلوار ہاتھ میں لے کر یہ کہہ رہا تھا کہ میں ان تمام لوگوں کو آج قتل کردوں گا جنہوں نے میرے باپ کے قتل میں تعاون کیا تھا۔ اس کا اشارہ کچھ مہاجرین اور انصار کی طرف تھا۔ اس کی یہ بدلی ہوئی حالت دیکھ کر سعد بن ابی وقاص اس کے قریب گیا اور اس سے تلوار چھین لی اور پھر اس کے سر کے بالوں سے پکڑ کر اتنا جھکایا کہ اس کا سر زمین سے جالگا۔ اس کے بعد سعد نے اسے اپنے گھر میں قید کردیا۔

جس وقت عبیداللہ خلیفہ کے سامنے پیش ہوا تو خلیفہ نے مہاجرین اور انصار سے کہا: آپ حضرات اس شخص کے متعلق کیا کہتے ہیں جس نے اسلام میں اتنا بڑا رخنہ ڈالا ہے؟

حضرت علیؑ نے کہا: میرا نظریہ یہ ہے کہ تم اسے قتل کردو۔

کچھ مہاجرین نے کہا: کل تو اس کا باپ قتل ہوا اور آج اسے قتل کیا جائے؟

عمرو بن العاص نے حضرت عثمانؓ سے کہا: امیرالمومنین! خدا نے اس مقدمے کے فیصلے سے آپ کو بری قرار دیا ہے کیونکہ جب عبیداللہ نے یہ جرم کیا تو اس وقت آپ خلیفہ نہیں بنے تھے۔

حضرت عثمانؓ نے کہا: کیا مقتولین کا میں ولی نہیں ہوں؟ میں عبیداللہ کے جرم کو خون بہا میں تبدیل کرتا ہوں اور خون بہا اپنے مال سے ادا کرتا ہوں۔[1]

علامہ امینی الغدیر کی جلد ہشتم صفحہ ۱۳۵ پر لکھتے ہیں:

جو کچھ مختلف روایات سے مستفاد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے عبیداللہ بن عمر سے ہرمزان، جفینہ اور ابولولوٴ کی بیٹی کے خون کا قصاص نہیں لیا تھا جبکہ اجلہ صحابہ اور بالخصوص حضرت علیؑ کا یہ مطالبہ تھا کہ عبیداللہ سے بے گناہوں

۱۔ الغدیر، جلد ۸، ص ۱۳۲ تا ۱۳۸۔

کے خون کا قصاص لیا جائے۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؑ اور دیگر جلیل القدر صحابہ کی رائے کے مقابلے میں عمرو بن العاص جیسے شخص کی رائے کو فوقیت دی جس کا حسب ونسب اور علمی مقام سب پر ظاہر ہے جبکہ حضرت علیؑ کی رائے قرآن اور سنت پیغمبر کے عین مطابق تھی اور حضرت علیؑ کے متعلق رسول خداؐ کا فرمان بھی موجود ہے کہ علیؑ سب سے بڑا قاضی ہے۔

حضرت علیؑ کے علاوہ خود حضرت عمرؓ بھی یہ فیصلہ کر کے گئے تھے کہ اگر عبیداللہ گواہ پیش نہ کرسکے تو تم اس سے ہرمزان کے خون کا قصاص لینا۔ جب حضرت عمرؓ نے یہ الفاظ کہے تھے تو اس وقت حکومت بھی خود ان کی اپنی تھی۔ مگر باپ کی زندگی میں بیٹے کو گواہ پیش کرنے کی توفیق نہیں ہوئی تھی۔

بعد میں حضرت عثمانؓ نے انہیں آزاد کردیا اور مقتولین کا خون بہا اپنے ترکے سے ادا کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس کے لئے یہ حیلہ تراشا گیا کہ عبیداللہ نے یہ فعل حضرت عثمانؓ کی خلافت سے پہلے کیا تھا۔

اگر اس حیلے کو صحیح مان لیا جائے تو پھر دقت یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کو کیا پڑی تھی کہ انہوں نے لوگوں سے اپیل کی تھی کہ وہ ہرمزان کا خون معاف کردیں۔

ہم یہ بات بھی مان لیتے ہیں کہ مقتول کے وارث نہ ہونے کی صورت میں حاکم کو معاف کرنے یا معافی کا تقاضا کرنے کا اختیار حاصل ہے لیکن حضرت عثمانؓ کو یہ اختیار حاصل نہیں تھا کیونکہ خلیفہ سابق یہ حکم دے کر دنیا سے روانہ ہوئے تھے کہ اگر عبیداللہ گواہ پیش نہ کرسکے تو اسے ہرمزان کے قصاص میں قتل کردیا جائے۔ کیا چند مسلمانوں کی بخشش کی درخواست کی بناپر حالانکہ انہیں بخشش کا کوئی حق نہ تھا خلیفہ سابق کا حکم کالعدم ہوسکتا ہے؟

اور اگر تمام باتوں کو صحیح مان بھی لیا جائے تو کیا صرف چند مسلمانوں کا

بخشنا کافی ہے یا مسلمانوں کی پوری جماعت سے معافی لینا ضروری ہے؟ جبکہ ہمارے قارئین کو اس بات کا بخوبی علم ہے کہ بہت سے مسلمان حضرت عثمانؓ کے اس فیصلے پر ناخوش تھے اور انہوں نے ان کے فیصلے پر کھل کر تنقید کی تھی اور اسی تنقید کی وجہ سے حضرت عثمانؓ، عبیداللہ کو آزاد کرنے کے باوجود مدینے میں اپنے پاس رکھنے سے قاصر تھے۔ اسی لئے انہوں نے اس کو کوفے بھیج دیا تھا اور کوفے میں مکان اور کچھ زمین عطا کی تھی۔ اس جگہ کو ''کویفۃ ابن عمرؓ'' کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ یعنی ابن عمر کا چھوٹا کوفہ۔ مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت نے ان کے اس فعل کو سخت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور ان پر اس سلسلے میں اعتراضات کیے گئے۔

حضرت علی علیہ السلام جو امت کے شریف ترین اور دانا ترین فرد تھے، نے اپنا شرعی فیصلہ پہلے ہی دن سنادیا تھا اور آپ نے عبیداللہ سے کہہ دیا تھا کہ جب بھی خدا نے مجھے تجھ پر قدرت عطا کی تو میں تجھ سے ان بے گناہوں کے خون کا قصاص لوں گا۔

جب حضرت علیؑ مسند حکومت پر فائز ہوئے تو عبیداللہ، حضرت علیؑ کے خوف سے کوفے سے بھاگ کھڑا ہوا اور معاویہ کے پاس شام چلا گیا۔ پھر اس کے مقدر کی بدبختی اسے جنگ صفین میں کھینچ لائی جہاں وہ مارا گیا۔

مسعودی مروج الذہب جلد دوم صفحہ ۲۴ پر رقم طراز ہیں:

عبیداللہ، حضرت علیؑ کے ہاتھ سے قتل ہوا تھا اور حضرت علیؑ نے میدان صفین میں اس پر اس زور سے تلوار کا حملہ کیا تھا کہ اس کی خود اور زرہ کٹ گئی اور حضرت کی تلوار اس کی انتڑیوں تک اسے کاٹتی چلی گئی۔

قتل حضرت عمرؓ کے دن حضرت علیؑ، عبیداللہ کی تلاش میں تھے اور اس سے قصاص لینا چاہتے تھے لیکن وہ بھاگ کھڑا ہوا تھا۔ حضرت علیؑ نے کہا تھا کہ کوئی

بات نہیں اگر آج وہ بھاگ گیا تو کسی وقت میرے ہاتھوں لگ جائے گا اور میرے ہاتھ سے چھوٹ نہیں سکے گا۔ یہ تمام واقعات اس بات کی دلیل ہیں کہ حضرت علیؑ نے اسے معاف نہیں کیا تھا۔ اگر آپ اسے معاف کر چکے ہوتے تو اس کی جستجو نہ کرتے۔ بالآخر جنگ صفین میں عبیداللہ، حضرت علیؑ کے مقابلے پر آیا۔

حضرت علیؑ نے اس سے کہا: تو مجھ سے کیوں جنگ کر رہا ہے؟ اگر تیرا باپ زندہ ہوتا تو وہ مجھ سے جنگ نہ کرتا۔

عبیداللہ نے کہا: میں تجھ سے عثمانؓ کا قصاص لینا چاہتا ہوں۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: تو مجھ سے خون عثمانؓ کا قصاص لینا چاہتا ہے جبکہ خدا تجھ سے ہرمزان کے خون کا قصاص لینا چاہتا ہے۔

پھر آپ نے مالک اشتر کو حکم دیا کہ وہ اس سے جنگ کریں۔[1]

خلیفہ کی کمزوری

احمد بن حنبل اور دیگر محدثین نے اسناد صحیح کے ساتھ عبداللہ بن حارث بن نوفل سے روایت کی ہے کہ حضرت عثمانؓ ایام حج میں مکہ آئے اور میں بھی انہیں دیکھنے کے لئے "قدید" (جہاں حضرت عثمانؓ کی رہائش تھی) گیا۔

پانی فراہم کرنے والے عملے میں سے ایک شخص جو کہ احرام میں نہیں تھا، اس نے ایک پرندہ شکار کیا اور اسے بھون کر نمک لگا کر حضرت عثمانؓ کے سامنے لے آیا۔ حضرت عثمانؓ کے ساتھیوں نے اسے کھانے سے منہ موڑ لیا۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: یہ شکار ہے۔ اسے ہم نے شکار نہیں کیا اور ہم نے شکار کرنے کا حکم بھی نہیں دیا۔ ایک ایسے شخص نے اسے شکار کیا جو کہ حالت احرام میں

۱۔ الغدیر، جلد ۸، ص ۱۳۷۔

نہیں تھا۔ لہذا اسے مطمئن ہو کر کھاؤ۔ اس کے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

پھر حضرت عثمانؓ نے ایک شخص کو حضرت علیؑ کے پاس بلانے کے لئے بھیجا۔ جب حضرت علیؑ آئے اور انہوں نے یہ ماجرا دیکھا تو وہ ناراض ہوئے اور کہا: حاضرین! میں تمہیں قسم دے کر کہتا ہوں کہ جو اس موقع پر موجود ہو وہ گواہی دے کہ ایک بار رسول اکرمؐ کے سامنے ''گورخر'' کی ران پیش کی گئی تو آپ نے فرمایا تھا کہ ''ہم نے احرام باندھ رکھے ہیں۔ تم یہ ان کے حوالے کرو جو احرام میں نہیں ہیں۔'' حاضرین میں سے بارہ افراد نے اٹھ کر گواہی دی کہ آپ نے بالکل سچ کہا۔ ہم اس موقع پر موجود تھے۔

پھر آپ نے فرمایا: میں تم لوگوں کو قسم دے کر کہتا ہوں کہ اب جو واقعہ میں بیان کر رہا ہوں، جو اس موقع پر موجود ہو وہ میری صداقت کی گواہی دے۔

رسول اکرمؐ کے سامنے شتر مرغ کے چند انڈے لائے گئے تو آپ نے فرمایا: یہ انڈے اہل حل اور جو احرام میں نہ ہوں ان کو دو، جبکہ ہم احرام میں ہیں۔

ان بارہ افراد میں سے چند افراد نے اٹھ کر حضرت علیؑ کی صداقت کی گواہی دی۔

جب حضرت عثمانؓ نے یہ سنا تو انہوں نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا اور جنہوں نے احرام نہیں باندھے تھے، ان کے سپرد کر دیا۔

ایک اور روایت میں عبداللہ بن حارث نے اپنے باپ سے روایت کی ہے جو کہ حضرت عثمانؓ کے طعام کا ذمہ دار تھا، اس نے کہا کہ ''میں چشم تصور سے گویا اب بھی پیالے میں رکھے ہوئے پرندے کو دیکھ رہا ہوں کہ اس اثناء میں ایک شخص آیا اور اس نے کہا: علیؑ اس غذا کے کھانے سے نفرت کر رہا ہے۔''

حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؑ کو بلا بھیجا۔ جس وقت حضرت علیؑ وہاں پہنچے

تو آپ کے ہاتھ اونٹ کے چارے میں سنے ہوئے تھے۔

حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؑ کی طرف رخ کر کے کہا: **انک لکثیر الخلاف علینا.** آپ ہماری زیادہ مخالفت کیا کرتے ہیں۔

حضرت علیؑ نے حاضرین سے کہا: اے لوگو! گواہی دینا جس دن پیغمبر اکرمؐ کے لئے گورخر کی ران لائی گئی تو آپ نے فرمایا تھا کہ ہم احرام میں ہیں، تم یہ ران اہل حل کے حوالے کرو۔

حاضرین نے آپ کے فرمان کی تصدیق کی۔ اس کے بعد حضرت علیؑ نے فرمایا: اے لوگو! تمہیں خدا کی قسم سچی گواہی دینا۔ رسول اکرمؐ کے سامنے شتر مرغ کے پانچ انڈے لائے گئے تو آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ ہم احرام میں ہیں۔ تم یہ انڈے ان لوگوں کو دو جو احرام میں نہ ہوں۔

چند حاضرین نے حضرت علیؑ کی بات کی تصدیق کی۔

فقام عثمانؓ و دخل فسطاطه و ترکوا الطعام لاهل الماء. یہ سن کر حضرت عثمانؓ اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے خیمے میں داخل ہوئے اور وہ کھانا پانی فراہم کرنے والوں کے لئے چھوڑ دیا۔[1]

اگر علیؑ نہ ہوتے تو عثمانؓ ہلاک ہو جاتا

حافظ عاصمی نے اپنی کتاب ''زین الفتیٰ در شرح سورۃ ھل اتیٰ'' میں ابوبکر محمد بن اسحٰق بن محمشاد سے روایت کی ہے کہ ایک زندیق حضرت عثمانؓ کے پاس آیا اور اس کے ہاتھ میں ایک پرانی کھوپڑی تھی۔ اس نے حضرت عثمانؓ سے کہا: آپ لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ کھوپڑی دوزخ کے عذاب میں جل رہی

۱۔ الغدیر، جلد ۸، ص ۱۸۶۔

ہے اور اسے عذاب قبر ہو رہا ہے۔ اس وقت یہ کھوپڑی میرے ہاتھ پر موجود ہے مگر میرے ہاتھ کو کسی طرح کی حرارت محسوس نہیں ہو رہی۔

جب حضرت عثمانؓ نے اس شخص کا یہ سوال سنا تو وہ خاموش رہے۔ اس کے جواب میں انہوں نے کچھ نہ کہا۔ پھر انہوں نے ایک شخص کو حضرت علیؑ کی خدمت میں روانہ کیا اور ان سے تشریف لانے کی درخواست کی۔

جب حضرت علیؑ تشریف لائے تو اس وقت حضرت عثمانؓ نے اس جوان کی طرف دیکھ کر کہا کہ اب تم اپنا سوال دہراؤ۔ اس شخص نے اپنا سوال دہرایا۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: سنگ آتش اور آتش گیرے لے آؤ۔ (چقماق)

تمام حاضرین حیران ہو کر دیکھنے لگے کہ علیؑ کیا کر رہے ہیں؟ اتنے میں چقماق لایا گیا۔ آپ نے پتھر پر پتھر مارا جس سے چنگاریاں برآمد ہوئیں۔

پھر آپ نے اس جوان کی طرف رخ کر کے فرمایا: اس پتھر پر ہاتھ لگاؤ۔ کیا تمہیں اس میں کہیں حرارت کا نام ونشان نظر آتا ہے؟

اس جوان نے پتھر پر ہاتھ لگایا اور کہا: اس میں حرارت محسوس نہیں ہوتی۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: جب ظاہری لمس اور آنکھوں سے آگ دکھائی نہیں دیتی تو اس میں سے چنگاریاں کیسے نکل آئیں؟

اس جوان نے کہا: معلوم ہوتا ہے کہ اس میں آگ ہے لیکن میرا ہاتھ اسے محسوس نہیں کرسکتا اور میری آنکھ اسے دیکھ نہیں سکتی۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: اسی طرح سے کھوپڑی میں بھی حرارت ہوسکتی ہے جسے تیری آنکھ دیکھ نہیں سکتی اور تیرا ہاتھ اسے محسوس نہیں کرسکتا۔

جب حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؑ کا یہ استدلال ملاحظہ کیا تو بے ساختہ

کہا: لولا علی لھلک عثمان. اگر علیؑ نہ ہوتے تو عثمانؓ ہلاک ہو جاتا۔

علامہ امینی اس روایت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

ہمیں حضرت عثمانؓ سے جو خاندان بنی امیہ کے پروردہ ہیں، خلقت کے رازوں کو احاطہ کرنے والے علوم کی مثالیں نہیں ملتیں کیونکہ حضرت عثمانؓ کے بزرگ بھی ان معاملات میں عاجز وفرومایہ تھے تو ان تک کیا پہنچتا؟

ایسے مسائل صرف اس کے لئے آسان اور سادہ ہیں جو معدن علوم الٰہی ہو اور مبدء اعلیٰ اور خالق یکتا سے کسب علم کرتا ہو۔ وہ ایسے معاملات اور ہر ایسی مشکل میں جس میں لوگ عاجز ہو جائیں مشکل میں ڈالنے والے کو خاموش کرسکتا ہے اور اسے دلیل کے ذریعے قانع کرسکتا ہے۔

ہم حضرت عثمانؓ کے تخت خلافت پر بیٹھنے کے بعد اسی انتظار میں رہے کہ پیغمبر اکرمؐ کے اصحاب کی مانند حضرت عثمانؓ نے بھی آنحضرتؐ سے جو کچھ سن کر، دیکھ کر اور سمجھ کر حاصل کیا اس کے سبب جب بھی کوئی ان سے سوال کرے گا تو وہ اس کا جواب دینے میں عاجز نہ ہوں گے اور نتیجے میں کسی بڑے گناہ کے مرتکب نہ ہوں گے اور خلاف واقعہ فتویٰ نہ دیں گے۔ لیکن افسوس! افسوس.....!

راندۂ درگاہ رسول کو واپس مدینے بلانا

مروان کا باپ حکم بن العاص مکے میں پیغمبر اکرمؐ کا ہمسایہ تھا اور وہ گوسفند خصی کیا کرتا تھا۔ وہ آنحضرتؐ کا بدترین دشمن سمجھا جاتا تھا۔ لوگ اسے اور ابولہب کو برابر کا دشمن رسول سمجھتے تھے۔

ابن ہشام نے اپنی سیرت کی دوسری جلد صفحہ ۲۵ پر عبدالرحمٰن بن ابی بکر سے روایت کی ہے کہ حکم بن العاص جب بھی رسول خداؐ کے سامنے بیٹھتا تو

ازروئے مذاق اپنی پلکیں ہلاتا تھا۔ ایک بار رسول اکرمؐ نے اسے اس حال میں دیکھا تو فرمایا: ''اب ایسا ہی رہ۔''

اس دن سے لے کر مرتے دم تک حکم بن العاص کی آنکھوں کی پلکیں ہر وقت اور ہمیشہ بے اختیار حرکت کرتی رہتی تھیں۔

بلاذری انساب کی جلد پنجم صفحہ ۲۷ پر لکھتے ہیں:

حکم بن ابی العاص زمانہ جاہلیت میں رسول اکرمؐ کا ہمسایہ تھا اور وہ آنحضرتؐ کے بدترین اذیت کنندگان میں سے شمار کیا جاتا تھا۔ فتح مکہ کے بعد وہ مسلمان ہوا اور مدینے آیا۔ ایمانی لحاظ سے وہ قابل ملامت تھا (کیونکہ وہ صحیح ایمان نہیں رکھتا تھا) وہ جب بھی آنحضرتؐ کے پیچھے چلتا تو وہ آپ کا مذاق اڑانے کی خاطر آنکھوں سے اشارے کیا کرتا تھا، اپنے منہ اور بدن کی دیگر حرکات کے ساتھ آپ کا مذاق اڑاتا تھا اور نماز کے وقت آنحضرتؐ کے پیچھے کھڑے ہو کر اپنی انگلیوں سے اشارے کرتا تھا۔ الغرض اس کی پوری زندگی رسول اکرمؐ کے تمسخر میں گزری۔ ایک مرتبہ رسول اکرمؐ اپنی کسی زوجہ کے گھر میں تھے اور حکم اپنے مکان کی چھت سے آپ کو دیکھ رہا تھا۔ پیغمبر اکرمؐ نے اسے پہچان لیا۔ آپ نے ہاتھ میں وہ عصا اٹھایا جس کے سرے پر لوہا لگا ہوا تھا اور فرمایا: کون ہے جو مجھے اس گرگٹ سے نجات دلائے اور مجھے آرام پہنچائے؟

پھر آپ نے فرمایا: یہ اور اس کی اولاد اس شہر میں نہیں رہ سکتے۔ آپ نے اسے طائف جلاوطن کر دیا۔

رسول اکرمؐ کی رحلت کے بعد حضرت عثمانؓ نے اپنے چچا کی مدینے واپسی کے لئے حضرت ابوبکرؓ سے سفارش کی لیکن انہوں نے کہا: جسے رسول

اکرمؐ نے جلاوطن کیا تھا میں اسے واپس نہیں بلاؤں گا۔

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں بھی حضرت عثمانؓ نے اس کی واپسی کے لئے سفارش کی تھی لیکن حضرت عمرؓ نے بھی انہیں حضرت ابوبکرؓ کا سا جواب دیا۔

جب حضرت عثمانؓ خود خلیفہ بنے تو انہوں نے لوگوں سے اس طرح کی باتیں کہنی شروع کیں کہ میں نے رسول اکرمؐ سے حکم کی واپسی کے متعلق عرض کیا تھا تو آنحضرتؐ نے وعدہ فرمایا تھا کہ وہ اسے واپس آنے کی اجازت دے دیں گے، لیکن اجازت دینے سے قبل ان کی وفات ہوگئی۔

پھر انہوں نے اپنے چچا کو طائف سے مدینے واپس بلا لیا۔ مسلمانوں کو ان کا یہ عمل پسند نہ آیا۔ حکم بن ابی العاص لوگوں کو ایمان لانے سے روکا کرتا تھا۔ اس کا اندازہ حسب ذیل گفتگو سے لگایا جاسکتا ہے۔

ایک دن حویطب، مروان بن حکم بن ابی العاص کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ مروان نے حویطب سے اس کی عمر پوچھی تو اس نے اپنی عمر بتائی۔ مروان نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہا: کمال ہے تیری اتنی عمر ہوگئی ہے جبکہ تو اسلام بہت دیر سے لایا ہے اور بہت سے لوگ تجھ سے اسلام میں سبقت لے گئے ہیں۔

حویطب نے کہا: خدا کی قسم! میں نے کئی بار ایمان لانے کا ارادہ کیا تھا لیکن جب بھی میں اسلام قبول کرنے کا ارادہ کرتا تھا تو تیرا باپ حکم بن ابی العاص مجھے روکتا تھا اور مجھ سے کہتا تھا کہ اسلام قبول کر کے تو اپنی شرافت کو ہاتھ سے گنوا دے گا اور اپنے آباؤاجداد کے دین سے منحرف ہو جائے گا اور اس کے نتیجے میں دوسروں کا تابع اور پیرو بن جائے گا۔

مروان یہ جواب سن کر خاموش ہوگیا اور اسے اپنے سوال پر شرمندہ ہونا پڑا۔ ایک دن مروان مسجد میں خطبہ دینے میں مصروف تھا کہ اس نے کہا: اللہ تعالیٰ نے امیرالمومنین (معاویہ) کو وہ نیک مشورہ سجھایا جو اس نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو سجھایا تھا۔ جس طرح سے ابوبکرؓ نے عمرؓ کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا اسی طرح سے معاویہ نے بھی اپنے فرزند یزید کو اپنا جانشین نامزد کیا ہے۔

مروان کی یہ بات سن کر حضرت ابوبکرؓ کے بڑے بیٹے عبدالرحمٰن سے صبر نہ ہوسکا۔ وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے مروان سے کہا: معاویہ نے ابوبکرؓ کی سنت پر عمل نہیں کیا بلکہ اس نے روم و فارس کے سلاطین کی پیروی کی ہے کہ باپ کے بعد بیٹا ہی برسر اقتدار آتا ہے۔ ابوبکرؓ نے اپنے بیٹوں یا رشتہ داروں میں سے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا جبکہ تیرے امیر نے اسے جانشین منتخب کیا ہے جو کہ اس کا بیٹا ہے۔

مروان نے عبدالرحمٰن سے کہا: کیا تو وہی نہیں جس کے متعلق اللہ نے قرآن مجید میں یہ آیت نازل کی تھی: والذی قال لوالدیه اف لکما. جس نے اپنے والدین سے کہا تھا کہ تم پر اُف ہو؟

عبدالرحمٰن نے کہا: کیا تو اس شخص کا بیٹا نہیں ہے جس پر رسول اکرمؐ نے لعنت کی تھی؟

جب بی بی عائشہؓ نے یہ باتیں سنیں تو انہوں نے مروان سے کہا: تو نے عبدالرحمٰن سے یہ باتیں کی ہیں؟ تو جھوٹ کہتا ہے۔ خدا کی قسم! یہ آیت اس کے متعلق نازل نہیں ہوئی بلکہ فلاں کے متعلق نازل ہوئی۔

تعجب ہے کہ جس شخص کی پوری زندگی اسلام دشمنی میں گزری تھی اور جس نے ہمیشہ رسول اکرمؐ کی مخالفت کی تھی اور حد یہ ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد بھی جس کے دل سے رسول اکرمؐ کی دشمنی نہیں نکلی تھی اور جو رسول اکرمؐ کی اہانت و تمسخر کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا، ایسے شخص کو طائف سے بلا کر واپس مدینے لانے کی کیا تک تھی؟ جبکہ حضرت عثمانؓ نے اپنے چچا طرید رسول کو نہ صرف مدینے واپس بلایا بلکہ اسے قبیلہ بنی قضاعہ کی زکوٰۃ پر بھی مامور کیا تھا جبکہ رسول اکرمؐ نے اسے اس کی اولاد سمیت مدینے سے باہر نکال دیا تھا۔

حضرت عثمانؓ نے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ سے بھی اپنے چچا کی واپسی کی درخواست کی تھی لیکن شیخین نے اسے واپس آنے کی انہیں اجازت نہ دی اور کہا کہ رسول اکرمؐ نے جس گرہ کو باندھا تھا وہ اسے کھولنے سے قاصر ہیں۔

سیرت حلبیہ جلد دوم صفحہ ۸۵ میں مرقوم ہے:

حکم بن ابی العاص کو طرید رسول اور لعین رسول کہا جاتا ہے۔ وہ ایک عرصے تک طائف میں رہا۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے اپنے چچا کی واپسی کی اجازت طلب کی تو انہوں نے انکار کر دیا۔

حضرت عثمانؓ نے کہا: حکم میرا چچا ہے۔

جواب میں حضرت ابوبکرؓ نے کہا: **عمک فی النار**. تیرا چچا جائے جہنم میں۔ رسول اکرمؐ کے کسی فعل کو میں ہرگز تبدیل نہیں کرسکتا۔

حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرؓ سے بھی اس سلسلے میں رابطہ کیا تھا تو حضرت عمرؓ نے کہا: **ویحک یا عثمان تتکلم فی لعین رسول اللّٰہ و طریدہ و عدو اللّٰہ و عدو رسولہ فلما ولی عثمان ردّہ الی**

المدينة فاشتد ذلک علی المهاجرین و الانصار فانکر ذلک علیه اعیان الصحابة فکان ذلک من اکبر الاسباب علی القیام علیه. اے عثمانؓ تجھ پر افسوس ہے کہ تو اس شخص کے متعلق سفارش کرتا ہے جس پر رسول اکرمؐ نے لعنت کی ہے اور جسے رسول اکرمؐ نے جلاوطن کیا تھا جو اللہ اور اس کے رسول کا دشمن ہے۔

جب حضرت عثمانؓ خود برسراقتدار آئے تو انہوں نے حکم بن ابی العاص کو واپس مدینے بلالیا اور یہ بات مہاجرین و انصار پر ناگوار گزری اور بزرگ صحابہ نے ان پر شدید تنقید کی اور یہی چیز ان کے خلاف شورش کا بڑا سبب ثابت ہوئی۔

ادارہ تبلیغات علوم آل محمدؑ کی معرکۃ الآراء پیشکش

وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ

۱۰۱ دلچسپ مناظرے

محمد محمدیؒ اشتہاردیؒ